ان من البیان لسحرا (الحدیث)

خطباتِ حکیم العصر

جلد دہم

افادات

حکیم العصر، محدث دوراں

ولی کامل، مخدوم العلماء

حضرت اقدس

مولانا عبد المجید لدھیانوی صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم

کہروڑپکا ضلع لودھراں

استاذ العلماء

ترتیب: حضرة مولانا مفتی ظفر اقبال مدظلہ

ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم
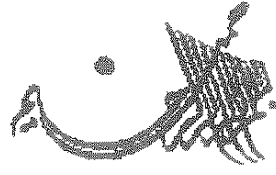
حکیم العصر، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے

علمی خطبات کا حسین مجموعہ

خطبات حکیم العصر

جلد دہم

مکتبہ شیخ لدھیانوی

باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

ضابطہ

نام کتاب: خطبات حکیم العصر (جلد دہم)

خطیب: حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

اہتمام: استاذ العلماء مفتی ظفر اقبال مدظلہ

تصحیح: مولوی کلیم اختر و قاری محمد جاوید

کمپوزنگ: مولوی صہیب محمود و مولوی حامد علی

تعداد: 1100

اشاعت دوم: اپریل 2011

ناشر

مکتبہ شیخ لدھیانوی باب العلوم کہروڑ پکا ضلع لودھراں

فون- 0300-6804071-0300-7807639

اجمالی فہرست

فہرست مضامین

سنت کی اہمیت

عقیدہ توحید کی اہمیت

عقیدہ توحید کی حقیقت

سب سے بڑا محسن کون؟

اہل علم کی ذمہ داریاں

اہل مدارس کے لئے لمحہ فکریہ

صدقہ خیرات کھانے والا طبقہ

ماہ محرم کے شرعی احکام

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

علم دین کی اہمیت

ماہ صفر کے شرعی احکام

مروجہ میلاد کی شرعی حیثیت

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

قارئین کرام! آج سے چند سال قبل حضرت حکیم العصر شیخ المشائخ حضرت اُستاذ جی دامت برکاتہم العالیہ امیر مرکزی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت (اللہ تعالیٰ ان کا سایہ ہمارے سروں پر صحت وعافیت کے ساتھ تادیر قائم رکھے) کے فکر انگیز خطبات، نصیحت آموز مواعظ، نظریاتی اور تحقیقی بیانات کا عظیم سلسلہ "خطبات حکیم العصر" کے نام سے شروع ہوا تھا، مرحلہ بمرحلہ جلدوار یہ ذخیرہ علم آپ کے سامنے پیش ہوتا رہا۔

ابتداءً جب یہ سلسلہ شروع ہوا تو علماء اور عوام دونوں طبقوں میں سوچ سے بھی زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، علماء اور صلحاء نے اس کو بہت ہی قدر کی نگاہ سے دیکھا، اور اس کو اصلاحِ احوال وعقائد کی درستگی، دین کی صحیح تعبیر کے حوالہ سے بہت ہی مفید پایا اور ہر جلد کے شائع ہونے پر اگلی جلد کے بارے میں دوستوں کا مطالبہ اور اصرار بڑھتا رہا جو حضرت استاذ جی کے کمال اخلاص وللّٰہیت کی واضح اور بیّن دلیل ہے، اس کی نو جلدیں زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، اب دسویں جلد بھی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس سلسلہ کو جاری وساری رکھے۔

اور ہمیں اس علمی وروحانی فیض کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی سعادت نصیب فرمائے (کہ ہم حضرت شیخ کے علوم کو اسی طرح زیور طبع سے آراستہ کر کے آپ کے سامنے پیش کرتے رہیں) اور آخر میں عزیزم برخوردار مفتی صہیب ظفر سلمہ کا تذکرہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے انتہائی دلچسپی سے کام لے کر اس کو کمپوزنگ اور چھپائی کے تمام مراحل سے گزار کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچانے کا بیڑا اٹھایا، اللہ ان کی عمر میں برکت دے اور ہم سب کو اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اس کتاب سے مستفید ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(آمین)

ابوطلحہ ظفر اقبال غفرلہ
ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑپکا
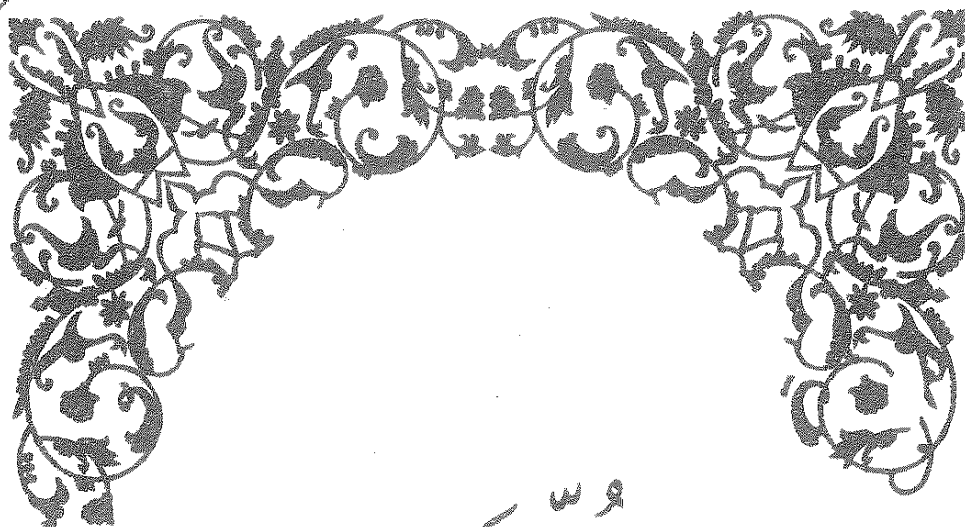
سُنّت کی اہمیت

بموقع: سفر حج

بتاریخ: ۱۴۳۱ھ

بمقام: مدینہ منورہ

خطبہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ،اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ،(احزاب:۲۱)

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَابُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَابُنَیَّ وَذَالِکَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ (ترمذی۲/۹۶۔مشکوٰۃ۱/۳۰)

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۷ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۷)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ (مشکوٰۃ۱/۳۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

سورۃ احزاب کی ایک آیت کا ٹکڑا اور دو تین روایات آپ کے سامنے پڑھی ہیں،
قرآن کریم کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے، ''لقد'' کا لفظ کلام عرب میں سخت تاکید کے لیے آیا
کرتا ہے، لام بھی تاکید کا ہے اور قد بھی تاکید کا ہے، جس کو اگر ہم اپنی زبان میں بیان کرنا
چاہیں، طالب علمانہ انداز میں تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بات نہایت پکی اور پختہ ہے،
''لقد'' کے ساتھ کلام کو مؤکد اور پختہ کردیا گیا۔

تو اس کا مفہوم اپنی زبان میں یوں ادا کریں گے کہ یہ بات بہت پکی اور سچی ہے
کہ تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف:

اور جو روایات میں نے پڑھیں ان میں پہلی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے
ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بچپن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم بنادیئے گئے تھے، مدینہ منورہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ
کوئی اچھا سمجھدار، چست چالاک سا بچہ دو جو میری خدمت کیا کرے تو وہ حضرت انس
رضی اللہ عنہ کو لے آئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے سوتیلے بیٹے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی
والدہ کا نام ام سلیم رضی اللہ عنہا ہے، اور ان کے والد کا نام مالک تھا، اور جب مالک فوت ہو گئے،
تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا تھا، تو اس طرح حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ
سوتیلے والد ہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لے آئے اس وقت ان کی عمر آٹھ
سال تھی اور دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ہیں، اور یہ اٹھارہ سال کے تھے جس
وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا۔ خود فرماتے ہیں "خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَشْرَ

سِنِیْنَ" (مسلم۲/۲۵۳۔مشکوۃ۲/۵۱۹) کیونکہ مدینہ میں جاتے ہی اگر وہ حضور ﷺ کے خادم بنادیے گئے، تو پھر بھی کسر کو حذف کرکے نو دس سال کا عرصہ بنتا ہے، "خَدَمْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَشَرَ سِنِیْنَ' میں نے حضور ﷺ کی دس سال خدمت کی ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ اکثر بیٹا کہہ کر بلایا کرتے تھے، "یَابُنَیَّ" "اے میرے بیٹے۔

اور بُنَیَّ یہ تصغیر بطور شفقت کے ہے، اگر اس کو ہم اپنے انداز میں ادا کریں تو یوں ادا کریں گے، اے میرے پیارے بیٹے! جب بلاتے تھے تو یوں کہہ کر بلایا کرتے تھے۔

صحیح مسلم (۲/۲۱۰) میں ترجمۃ الباب ہے کہ پرائے بیٹے کو اپنا بیٹا کہنا، یہ ترجمۃ الباب ہے اور اس کے نیچے انہی روایات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضور ﷺ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا کہا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوگیا کہ پرائے بیٹے کو شفقت کے ساتھ محبت کے ساتھ بیٹا کہنا درست ہے، کہ یہ میرا بیٹا ہے، یہ درست ہے۔

ورنہ بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ کسی پرائے بیٹے کو اپنا بیٹا کیسے کہہ دیا، اس کا جواز یہاں سے نکلتا ہے پھر یہ بیٹا کہنا بطور شفقت اور محبت کے ہوتا ہے، کہ تو میرے لیے ایسا ہے جیسے میرا اپنا بیٹا، یہ بات تشبیہاً ہوتی ہے۔ اہل علم اس بات کو سمجھتے ہیں۔

سُنّت کی اہمیت:

اے میرے پیارے بیٹے! اگر تجھ سے ہوسکے کہ صبح وشام ایسے حال میں کر کہ تیرے دل میں کسی کے متعلق کھوٹ نہ ہو، غش کھوٹ کو کہتے ہیں، غش دھوکا دینا، یہ لفظ نصیحت کے مقابلہ میں آتا ہے، نصیحت خیر خواہی کرنا، اور غش کسی کے ساتھ دھوکا کرنے کو کہتے ہیں۔

"اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِكَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ" "پھر فرمایا" وَذَالِكَ مِنْ سُنَّتِیْ" "میرا طریقہ یہی ہے کہ میں کسی کے متعلق دل

میں کھوٹ نہیں رکھتا، ''مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ '' جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی ''وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ '' اور جو میرے ساتھ محبت رکھے گا، جنت میں میرے ساتھ ہوگا، ان الفاظ کا یہ ترجمہ ہے، دوسری روایت کے آخری الفاظ میں نے پڑھے تھے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ''

حضور ﷺ کی عبادت کے متعلق تین آدمیوں کا واقعہ:

یہ بھی ایک واقعہ سے متعلق ہے واقعہ حدیث شریف کی ساری کتابوں میں ہے، صحیح ترین روایت ہے کہ تین آدمی آئے ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے پاس اور آ کے پوچھا کہ ہمیں حضور ﷺ کی عبادت کے متعلق بتاؤ کہ حضور ﷺ عبادت کتنی کرتے ہیں؟

تو ازواج مطہرات نے سرور کائنات ﷺ کی عبادت کا طریقہ بنایا کہ آپ کا عبادت کرنے کا کیا طریقہ ہے وہ سننے کے بعد آپس میں بات کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تو بہت تھوڑی عبادت کرتے ہیں، کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی رات کو عشاء کی نماز کے بعد گھر آتے تھے عشاء کی سنتیں پڑھتے تھے اور سو جاتے تھے، اور رات کے آخری حصے میں اٹھتے تھے اور تہجد پڑھتے تھے، تہجد میں

- دو رکعتیں بھی ہیں،
- چار بھی ہیں،
- چھ بھی ہیں،
- آٹھ بھی ہیں،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں بارہ بھی ہیں،

زیادہ سے زیادہ تہجد کی بارہ رکعتیں ثابت ہیں حضور ﷺ سے۔ اور روزہ کا معمول یہ تھا کہ کبھی رکھتے تھے، اور کبھی نہیں رکھتے تھے، کسی ہفتہ میں ہفتہ، اتوار، سوموار کا رکھ لیا، اور کسی ہفتہ میں منگل، بدھ، جمعرات، کا رکھ لیا کبھی مہینہ میں رکھا اور کبھی نہ رکھا روزے کے

بارے میں آپ کا معمول یہ تھا رمضان شریف کے علاوہ آپ نے کسی مہینہ کے پورے روزے نہیں رکھے، کثرت سے روزے رکھے ہیں شعبان میں، اور اس میں بھی ہے کہ گویا کہ سارا شعبان روزہ رکھتے تھے، مطلب یہ ہے کہ یہ یقینی نہیں کہ سارا شعبان رکھتے تھے کثرت سے رکھتے تھے، روایت میں یہ بات آتی ہے، اور پھر بیویوں سے تعلقات بھی تھے، ان سے بات چیت کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا وغیرہ۔

تو یہ سننے کے بعد وہ آپس میں مشورہ کرتے ہیں، روایت میں الفاظ یہ ہیں ''كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا'' گویا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کو قلیل سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو عبادت بہت کم کرتے ہیں، لیکن پھر خود ہی توجیہ کر لی کہ آپ اتنی بھی نہ کریں تو گنجائش ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو اعلان کر دیا ہے کہ ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ'' کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مغفرت کا اعلان ہو گیا تو آپ اگر اتنی بھی عبادت نہ کریں تو گنجائش ہے ہمارے متعلق تو یہ اعلان نہیں ہے ہمیں تو زیادہ عبادت کرنی چاہیے، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بات آئی کہ ان لوگوں نے یہ گفتگو کی ہے۔

کوتاہی دو وجہ سے ہوتی ہے:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر کہا کہ تم نے یہ بات کی ہے؟ تو کہنے لگے ہاں جی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو! میں تم میں سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم رکھنے والا ہوں ''أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمُكُمْ'' (بخاری ۱/۷) یہ دو لفظ ہیں مقصد یہ ہے کہ عمل میں جو کوتاہی ہوتی ہے، وہ دو وجہ سے ہوتی

ہے، (یہ طالب علمانہ گفتگو کر رہا ہوں یہ خطیبانہ بیان نہیں ہے) یا تو علم کی کمی ہے، مسئلہ معلوم نہیں تھا اس طرح کوتاہی ہوگئی، یا علم تو ہے لیکن اللہ کا خوف نہیں ہے، اس لیے جاننے کے باجود بھی ہم کوتاہی کرتے ہیں پتہ ہے یہ کام کرنا ہے، لیکن نہیں کرتے پتہ ہے یہ کام نہیں کرنا، لیکن کر لیتے ہیں، یہ تقویٰ کی کمی ہوتی ہے تو جب انسان معصیت کرتا ہے، یا تو وہ علم کی کمی کی بنا پر کوتاہی کرتا ہے، یا وہ کوتاہی کرتا ہے تقویٰ کی کمی کی بنا پر اس لیے فرمایا میں سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں علم رکھنے والا ہوں کہ اللہ کس بات سے خوش ہوتا ہے، اور کس بات سے ناراض ہوتا ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں تو جب تقویٰ اور علم کامل ہے تو میرا عمل بھی کامل ہے۔

پھر فرمایا کہ دیکھو! میں رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں ''اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ'' روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا ''وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ'' اور عورتیں میری زوجہ بھی ہیں، میری بیویاں بھی ہیں، میں تو یہ سارے کام کرتا ہوں۔

پھر فرمایا ''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ'' جس کو میرے طریقہ کی طرف رغبت نہ ہو میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اگلی روایت جو میں نے پڑھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، ''لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ'' تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، ''حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِہٖ'' جب تک کہ اس کے دلی جذبات اس کے دل کی خواہشات میرے لائے ہوئے طریقہ کے تابع نہ ہوجائیں۔

''ہوا'' دل کی خواہش کو کہتے ہیں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہشات یعنی اس کے دل کے جذبات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوجائیں اس وقت تک تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، یہ ہیں روایات جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں، اور یہ ان کا ترجمہ ہے جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ہے۔

پسند اور ناپسند ایک مخفی چیز ہے:

پہلی آیت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، اس میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ ''اسوۃ'' اور ایک لفظ ''رسول اللہ'' اسوۃ کہتے ہیں نمونہ کو یعنی وہ چیز جس کو سامنے رکھ کے اس کی نقل اتاری جائے اس کو اسوۃ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو کیسا انسان پسند ہے، کیسا پسند نہیں، یہ ہم اپنی عقل کے ساتھ خاکہ نہیں بنا سکتے کیوں؟ اس لیے کہ پسند اور ناپسند ہونا یہ ایک مخفی چیز ہے سمجھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہم اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ رہتے ہیں، اور اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ہمیشہ رہتے ہیں، ایک دوسرے سے معانقہ کرتے ہوئے، سینہ سینے سے ملا دیتے ہیں، ایک دوسرے کے قریب ترین ہوتے ہیں اس کے باوجود ایک دوسرے کی خواہشات معلوم نہیں کر سکتے، کہ یہ کیا چاہتا ہے، اتنے قرب کے باوجود ہم جنس ہونے کے باوجود۔

یہی وجہ ہے کہ جب آپ کا کوئی دوست مہمان آتا ہے، تو آپ اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ ٹھنڈا پسند کریں گے یا گرم اگر وہ کہے کہ گرم تو آپ چائے لے آتے ہیں اگر وہ کہے کہ ٹھنڈا تو پھر آپ پوچھتے ہیں، سیون اپ پیو گے، یا مرنڈا، یا روح افزا، یا لسی، چونکہ مشروبات مختلف ہیں تو اس لیے آپ اس سے یہ پوچھتے ہیں، اور پھر آپ کو وہ بتاتا ہے کہ مجھے یہ پسند ہے، تو پھر آپ وہ لاتے ہیں۔

یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ہم جنس کے دل کی خواہش چاہے آپ کتنا قرب کیوں نہ حاصل کر لیں سینے سے سینہ ملا لیں آپ معلوم نہیں کر سکتے، جب تک کہ وہ اپنی خواہش سے خود نہ آگاہ کرے، اب اللہ نے انسان کو پیدا کیا اپنی عبادت کے لیے عبادت کا معنیٰ میرے بندے بن کے رہو اب وہ بندے بن کے کیسے رہیں گے جن لوگوں نے اپنی عقل کے ساتھ ان باتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کی آپ نے دیکھا وہ گائے کا پیشاب پینے لگ گئے کہ شاید اسی سے اللہ خوش ہوتا ہے، پانی اور پتھروں کو پوجنے لگ گئے کہ شاید اسی سے اللہ خوش ہوتا

ہے، ''مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى'' (زمر:۳) یہ اس کا مفہوم بیان کر رہا ہوں کہ وہ کہتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں تا کہ اللہ کا قرب حاصل ہو جائے، گائے کا پیشاب پینے سے وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کا قرب حاصل ہوگا، پتھروں کو سجدہ کرنے کو وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

اور دنیا میں کونسی چیز ایسی ہے جس کے سامنے انسان جھکا نہیں اور انسان نے اس کے سامنے ماتھا نہیں ٹیکا،

- آگ کے سامنے انسان جھکا،
- پانی کے سامنے انسان جھکا،
- پتھر کے سامنے انسان جھکا،
- پیپل کے سامنے انسان جھکا،

ہر چیز کے سامنے انسان نے اپنی پیشانی رکھی ہے اور جذبہ یہی ہے کہ شاید یہی ہمارے پیدا کرنے والے کو خوش کرنے کا طریقہ ہے، دنیا بھٹکتی پھرتی ہے۔

ضرورت نبوت اور ختم نبوت:

تو اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا، کہ اگر بندے سے مطالبہ کیا ہے کہ میرے بندے بن کے رہو اور پھر اللہ نے وحی کے ذریعہ سے اپنی رضا کا اظہار بندوں پر کیا ہے منتخب کر کے ان کو بتایا ہر کسی سے بات کرنا یہ تو آج کل بادشاہ بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، وہ بھی اپنے بڑے کو بلا کر کہتا ہے۔

کہ یہ اعلان کر دو اور یہ قانون ہے، اعلان وہ کیا کرتا ہے، خود بادشاہ نہیں کیا کرتا لیکن اس کی پابندی رعایا کے اوپر ضروری ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں میں سے کچھ بندے منتخب کر لیے منتخب کرنے کے بعد ان کے ذریعہ سے اپنی مرضیات کا اظہار کیا ہے۔

جیسے آدم علیہ السلام کے زمانہ میں زندگی محدود تھی تو احکام بھی محدود آئے جیسے جیسے زندگی میں وسعت ہوتی چلی گئی احکام میں بھی وسعت پیدا ہوتی چلی گئی، جیسے مادی طور پر جس وقت انسان دنیا کے اندر آ کے آباد ہوا تو ابھی اس کو کچھ علم نہیں تھا، تو اپنے بدن کو پتوں سے ڈھانپتا تھا، جیسے جیسے ترقی ہوتی چلی گئی، آپ جانتے ہیں کہ ضروریات پوری کرنے کے مختلف طریقے ایجاد ہوتے چلے گئے۔

ایسے ہی روحانی تربیت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی، اور آگے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اس میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی، درمیان میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ وسیع ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے مرضیات کی انتہائی صورت جو تھی وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی اس سے آگے کمال کی کوئی صورت نہیں، یہ اپنے انتہاء کو پہنچ گیا۔

ختم نبوت کا یہ معنیٰ نہیں ہے کہ نبوت ختم ہوگئی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبوت کے درجات ختم ہو گئے اس سے اوپر کوئی درجہ ہی نہیں ہے، جو کسی کو دیا جائے، یہ بات کمال کو پہنچ گئی، آگے نقطہ نہیں ہے، جدھر کو آگے چلائیں۔

اب آگے اگر کوئی اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کرے گا تو عیب پیدا کرے گا وہ خوبی نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن صورت میں پیدا کیا، تو اللہ تعالیٰ نے پانچ انگلیوں والا خوب صورت ہاتھ بنا دیا، اب اگر اس میں چھٹی انگلی پھوٹنی شروع ہو جائے تو وہ کمال نہیں ہے، تو وہ نقص ہے اس کا کاٹنا ضروری ہے، ورنہ ایک عیب کے طور پر نمایاں رہے گی اسی طرح روحانی دنیا میں جو کمال تھا وہ اللہ تعالیٰ نے مکمل کر دیا یہ ہے اسوۃ کہ اللہ کہتا ہے کہ مجھے خوش کرنا ہے، میری مرضیات پر چلنا ہے جو تمہارے ذمہ فرض ہے۔

محبوب بھی محبت کا اظہار کر دے تو کیا کہنے:

تو صرف علم نہیں عملی نمونہ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا کہ یہ ہے تمہارے لیے نمونہ اس کو دیکھتے جاؤ اور دیکھنے کے بعد ویسے بنتے چلے جاؤ اور جس وقت تم ایسے بن جاؤ گے تو جیسے

یہ میرا رسول میرا محبوب ہے، یہ صرف تمہاری محبت کی علامت ہی نہیں بلکہ پھر میں تم سے محبت کروں گا، ''اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' (آل عمران) ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' بہت عظیم لفظ ہے اگر اس پر غور کریں، عشق کی دنیا میں یہ مشکل ترین مسلہ ہے کہ عاشق یہ سمجھ لے کہ معشوق کو میرے ساتھ محبت ہے، ورنہ عاشق ہمیشہ اپنے معشوق کے شکوے ہی کرتا رہتا ہے، کہ میں تو اس سے محبت کرتا ہوں اور یہ میری پرواہ ہی نہیں کرتا، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں یہ رخ ہی نہیں دیتا، سارے شاعروں کی کلام ان شکووں سے بھری پڑی ہے، یہ مشکل ترین مسلہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس لفظ میں حل کر دیا کہ اگر تم میرے اس نمونہ کو اپنا لو گے جو میں نے تمہارے لیے بھیجا ہے، یہ علامت ہوگی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اگر مجھ سے محبت کرتے ہو تو میرے نمونہ کو اپنا لو۔

اور جس وقت تم اس نمونہ کو اپنا لو گے تو پھر میں تم سے محبت کروں گا، ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' اللہ تم سے محبت کرے گا، یعنی پھر تم صرف محبّ نہیں ہو گے بلکہ اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے اور یہ عشق کا بہترین صلہ ہے کہ معشوق عاشق کے عشق کا اعتراف کرے اور اعتراف کر کے کہے، کہ جیسے اس کو میرے ساتھ محبت ہے مجھے بھی اس کے ساتھ محبت ہے یہ دو طرفہ تعلق جب قائم ہوتا ہے تو انسان سمجھتا ہے کہ میں عشق کی دنیا میں کامیاب ہو گیا۔

''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ'' یہ اعتراف ہے اللہ کی طرف سے مومن اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں، اور جب مومن محبت کرتے ہیں تو اللہ بھی محبت کرتا ہے۔

نمونہ کی حقیقت:

نمونہ جو ہوا کرتا ہے اس کی یہ حیثیت ہے کہ آپ ایک درزی سے ایک واسکٹ بنوانا چاہتے ہیں، قمیص بنوانا چاہتے ہیں، تو آپ اس درزی کے پاس اپنا سلا ہوا کپڑا بھیج دیتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ نمونہ ہے اور اس کے مطابق تم نے یہ چیز مجھے بنا کر دینی ہے، کپڑا بھی دے آئے پیسے بھی طے کر لیے اور وہ نمونہ بھی دے دیا لیکن جس وقت آپ اس

کے پاس لینے کے لیے جاتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ جو نمونہ آپ دے کے آئے تھے یہ نمونہ اس کے مطابق نہیں ہے وہ ویسا نہیں بنا تو آپ اسے کہیں گے کہ بھائی میں نے تو تیرے پاس نمونہ بھیجا تھا تو نے کیا گڑ بڑ کر دی اور وہ کہے کہ اس میں یہ مصلحت ہے، یہ مصلحت ہے تیرے نمونہ میں یہ کمی تھی یہ کمی تھی یہ کمی تھی، وہ آگے سے تقریر جھاڑ دے تو نے کہا تھا بارہ انچ رکھنا ہے، بارہ انچ اچھا نہ لگتا اس لیے میں نے دس انچ رکھ دیا تو نے کہا تھا لا کٹ نہیں لگانے میں نے لگا دیئے، یہ تو بہت اچھے لگتے ہیں۔

اب بتایئے اس درزی کی تقریر سے آپ مطمئن ہو جائیں گے؟ یا کہیں گے بک بک نہ کر کپڑا رکھ لے اور کپڑے کے پیسے واپس کر دے یہ کسی اور کو دے دینا جس کو یہ نمونہ پسند ہو، چاہے وہ ہزار مصلحتیں بیان کرے آپ کہیں گے کہ تجھے کیا حق تھا میرے نمونہ میں تبدیلی کرنے کا جب میں نے نمونہ تجھے دیا تھا تو تیرا فرض تھا کہ اچھا ہے برا ہے جیسے بھی ہے مجھے کپڑا اس کے مطابق بنا کے دیتا۔

یہ اسوہ کی حیثیت ہے جو اللہ کا رسول ﷺ ہمارے سامنے زندگی گزارنے کا طریقہ رکھے اور ہم ہزار مصلحتیں سوچ سوچ کے اس کے اندر گڑ بڑ کریں تو وہ ایسے ہی ہے جیسے آپ اپنا ناک اٹھا کر پیشانی پر رکھ لیں چاہے اس میں ہزار مصلحت ہو اسوہ کی حیثیت یہ ہوتی ہے۔

نمونہ کے لئے لفظ رسول اللہ کیوں؟:

یہ تو لفظ اسوہ تھا جس کی تشریح میں نے آپ کے سامنے کی آگے لفظ آ گیا "**فی رسول اللہ**" اللہ کے رسول میں نمونہ ہے، یہ نہیں کہا "**فی محمد بن عبد اللہ**" سرور کائنات ﷺ کی زندگی کے دو حصے ہیں ایک ہے آپ کی ولادت سے لے کر چالیس سال کی عمر تک اور ایک حصہ ہے چالیس سال سے لے کر تریسٹھ سال تک۔

ابتدائی جو چالیس سال ہیں یہ محمد بن عبد اللہ کے ہیں، آپ محمد بن عبد اللہ ہی کہلاتے تھے اور چالیس سال سے لے کر تریسٹھ سال یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی رسول اللہ کے لفظ سے یہ بات سیکھ لی کہ نمونہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اللہ نے رکھا ہے یہ وہ ہے جو چالیس سال کے بعد وحی آنے کے بعد شروع ہوا اس سے پہلی زندگی میں اگر ہم اقتداء کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، یہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوئے ہم مکہ میں کیسے پیدا ہو جائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن پیدا ہوئے ہم پیر کے دن کیسے پیدا ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربیع الاول میں پیدا ہوئے، ہم کیسے ربیع الاول میں پیدا ہو جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائیں ہم ان پہاڑوں میں جا کے کیسے بکریاں چرائیں۔

یہ جتنے معاملات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہیں ہم ان کے مکلّف نہیں ہیں درمیان میں ایک بات کہہ دوں ہے تو بے جوڑ سی لیکن عرض کردوں اہل علم کو میں سامنے بیٹھنے کے لیے اس لیے کہا کرتا ہوں تا کہ وہ بات کو ناقدانہ انداز میں سنیں اور اگر اس میں کمی و بیشی ہو تو اس کی تلافی ہو جائے۔

ہمارے ہاں مجلسیں ہوتی ہیں، محفلیں ہوتی ہیں، جس کو ہم میلاد کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے،

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کا تذکرہ باعث ثواب،
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے جانور کا تذکرہ باعث ثواب،
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز کا تذکرہ باعث ثواب،

ولادت کے واقعات کا ذکر محبت کا تقاضہ ہے اس کا انکار نہیں ہے یہ سب محبت کا تقاضہ ہے ہم اپنے وعظوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا ذکر کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں جس طرح انسان بہت محبت سے اپنے بچے کے

بچپن کی باتیں یاد کرتا ہے وہ محبت کا تقاضہ ہوتا ہے ہم سارے حضور ﷺ کے ساتھ بچوں سے زیادہ محبت کرتے ہیں تو آپ کا بکریوں کا چرانا اس کا تذکرہ بھی محبت کا تقاضہ ہے اس کا انکار نہیں ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ ان کا تذکرہ نہیں کرنا چاہیے، ان کا تذکرہ بھی محبت کا تقاضہ ہے لیکن اسمیں ہمارے لیے نمونہ نہیں ہے بات سمجھ لو، محبت کا تقاضہ ہے لیکن ہمارے لیے نمونہ نہیں ہے۔

ابولہب کی خوشی اور عداوت:

اب اگلی بات ذرا تھوڑی سی توجہ سے سننے کی ہے، اب اس بارے میں جس وقت یہ کہا جائے کہ بھائی اصل تو زندگی ہے اتباع سنت والی تم لوگوں کو وہ بتاؤ اور لوگوں کو سنت کے مطابق چلنے کی ترغیب دو وہ کہتے ہیں کہ دیکھو ابولہب مشرک تھا اور جب جا کے اس کو اس کی باندی ثویبہ نے اطلاع دی کہ تیرے بھائی عبد اللہ کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے، تو ابولہب نے اشارہ کر کے اس کو آزاد کیا کہ تو آزاد ہے اس نے حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی کی تھی تو اب جہنم میں اس کو انہی دو انگلیوں کے درمیان سے پینے کے لیے تھوڑا تھوڑا پانی مل جاتا ہے گویا کہ حضور ﷺ کی ولادت پر خوشی منانا اور اسی طرح خیرات وغیرہ کرنا یہ تو آخرت میں نجات کا ذریعہ ہے۔

ابولہب کا واقعہ ثویبہ کو آزاد کرنے کا اکثر و بیشتر ان مجلسوں میں ذکر کیا جاتا ہے یہ آپ نے بھی سنا ہوگا، تو میں ان کو سمجھانے کے لیے کہا کرتا ہوں کہ اللہ کے نیک بندو! ابولہب نے بھتیجے کے پیدا ہونے پر خوشی کی تھی کیونکہ بھائی فوت ہو گیا تھا، کہ اللہ نے بھائی کی ایک نشانی دے دی وہ محمد بن عبد اللہ کی خوشی تھی، جب یہی محمد رسول اللہ بن کے آیا تو سب سے زیادہ مخالفت کرنے والا یہی ابولہب تھا، سب سے پہلے برا لفظ بولنے والا حضور ﷺ کے متعلق ابولہب تھا، رسول اللہ ﷺ کا تو جانی دشمن تھا، محمد بن عبد اللہ کے پیدا ہونے پر خوشی

کی تھی اور سارے مشرکین مکہ میں سے یہ بدنصیب ایسا ہے کہ جس کے جہنمی ہونے کا ذکر

قرآن میں نام لے کر کیا گیا ہے "تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین

میں سے کسی مشرک کا نام نہیں آیا، فرعون، نمرود، قارون، وہ تو پہلے کے ہیں ان کا نام تو ہے

شیطان کا تذکرہ بھی بار بار ہے۔

اور اس کی بیوی کے بھی جہنمی ہونے کی صراحت ہے، قرآن کریم بھرا پڑا ہے، کہ

کسی مشرک کی کسی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں جو کچھ انہوں نے کیا ہے، وہ سب گرد کی طرح اڑا

دیا جائے گا نیکی کے قبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔

کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں:

میں کہتا ہوں کہ سارے مشرکوں کی نیکیاں تو برباد ہوگئیں اور ایک ابولہب

جو سب مشرکوں میں سے بدبخت بدترین انسان ہے اس کی یہ نیکی باقی ہے، جو تم اس کو جہنم

میں پانی پلاتے رہتے ہو! قرآن کریم میں ہے کہ وہ لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے بیت

اللہ کی خدمت کرتے تھے ان کی سب نیکیاں برباد ہیں، ایک جگہ ہے کہ ان کے عمل تو راکھ کی

طرح ہیں، جس کے اوپر آندھی چل جائے، اور جانتے ہیں کہ راکھ میں وزن نہیں ہوتا آندھی

چلتی ہے تو اس کے ذرات اڑ جاتے ہیں۔

اور ایک جگہ ہے "هَبَاءً مَّنثُورًا" جیسے غبار اڑا دیا جاتا ہے ان کے نیکی کے

اعمال اڑا دیے جائیں گے، تو باقی سب کے عمل تو ہوگئے باطل ان کی مہمان نوازی

اور ان کی حاجیوں کی خدمت ان کی بیت اللہ کی خدمت وہ تو سب برباد اور ایک بھتیجے کے

پیدا ہونے پر جو لونڈی آزاد کی تھی تم آج تک اس کو باقی رکھے ہوئے ہو اور اس بدنصیب

بدترین انسان کو تم اب بھی دوزخ میں پانی پلاتے ہو کہ اس کو پینے کے لیے پانی ملتا ہے

کتنی خلاف واقعہ چیز ہے۔

اور پھر اس کو دلیل بنا کے حضور ﷺ کے پیدا ہونے پر خوشی کی جائے تو جیسے
ابولہب اگر جہنم میں بھی چلا گیا تو پانی ملتا ہے تو اگر ہم بھی چلے گئے تو ہمیں بھی پانی ملتا رہے گا
قیاس کرنے کا تو یہی مطلب نکلتا ہے۔

ابولہب کو جہنم میں پانی ملنے کی حقیقت:

لیکن یہ بھی واضح کر دوں کہ پھر یہ واقعہ بن کیسے گیا کہیں کسی کو مغالطہ نہ لگ جائے
یہ واقعہ بخاری میں ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ثویبہ جو تھی اس نے بچپن میں
حضور ﷺ کو کھلایا ہے اور اپنا دودھ پلایا ہے، یہ حضور ﷺ کی مرضعہ ہے، اور یہ تھی ابولہب کی
لونڈی یہ ثابت کرنے کے لیے کہ ابولہب کی لونڈی تھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابولہب
کو اس کے گھر والوں میں سے کسی نے خواب میں دیکھا تو خواب میں دیکھنے کے بعد پوچھتے
ہے کہ تیرا حال کیا ہے، یہ بخاری کی عبارت ہے میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں۔

ابولہب کہتا ہے کہ میرا بہت برا حال ہے، لیکن ثویبہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے مجھے
کچھ تھوڑا سا پانی پینے کو مل جاتا ہے، یہ ابولہب کی خواب میں بتائی ہوئی بات ہے اپنے گھر
والوں میں سے کسی کو، اول تو روایت مشرک کی ہے اور واقعہ بھی خواب کا اور دوسری طرف
قرآن کریم کی آیات، اور یہ ثبوت دینے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نقل کیا ہے کہ
یہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی اور اس نے اس کو آزاد کیا تھا، کسی صحابی کا قول نہیں رسول اللہ
ﷺ کا قول نہیں ابولہب کی روایت ہے اپنے متعلق اور وہ بھی مشرک کے خواب میں۔

اس پر بھی بھلا دین کا دار و مدار ہوا کرتا ہے کہ ان باتوں کو حجت بنا کے ان پر کسی
عمل کا دار و مدار رکھ لیا جائے یہ نقطہ میں نے اس لیے بتا دیا آپ کسی جگہ ذکر کریں گے
اور میرے خطبات میں یہ بات چھپ گئی ہے، تو کئی جگہ سے مجھے فون آئے کہ یہ تو جی بخاری
میں ہے میں نے کہا اللہ کے بندو! کوئی محدث اگر سبق میں بیٹھا ہوا اونگھنے لگ جائے

تو محدثین رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ اس کی روایت کا اعتبار نہیں اس نے توجہ سے بات نہیں سنی تو خواب کی بات سراسر قرآن کریم کی آیت کے خلاف ہے اس کی بات کا کیا اعتبار ہے، پھر اس نے بتایا بھی اپنی گھر والوں میں سے کسی کو،

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ ظاہر کرنے کے لیے ذکر کیا ہے کہ یہ ثویبہ اس کی آزاد کردہ ہے یہ قصہ کتاب النکاح میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ کا ذکر آتا ہے وہاں ہے اہل علم کے لئے تو یہ بات نئی نہیں ہے باقی حضرات کے لیے عرض کر رہا ہوں کہ اصل یہ واقعہ ہے جس کو یہ حضرات لے اڑے۔

میں کہتا ہوں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر خوشی نہیں تھی وہ تو بھتیجا پیدا ہونے پر خوشی تھی جب وہی بھتیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن کے آیا ہے تو سب سے پہلے گالی دینے والا ابولہب ہے سب سے زیادہ مخالفت کرنے والا ابولہب ہے آپ کے بدترین مخالفین میں سے ہے یہ ابولہب جدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاتے تھے یہ نامراد پتھر مارتے ہوئے جاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، زخمی کر دیتا تھا (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۴۲/۸) اور اس کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں کانٹے بچھاتی تھی، جتنی عداوت کا اس نے اظہار کیا ہے اتنی عداوت کا کسی مشرک نے اظہار نہیں کیا تو قرآن کریم میں اسکا اور اسکی بیوی کا صراحتاً جہنمی ہونا مذکور ہے تو ابولہب کے اس مقام کے باجود ایک مسئلہ کے لیے اگر اس کو حجت بنائیں تو یہ کہاں تک عقل مندی ہے۔

لوگ ہیں کہ اس پر بنیاد رکھ کے مٹھائیاں بانٹ رہے ہیں شربت پلا رہے ہیں اور اس کے اوپر عمل کا دارومدار رکھے بیٹھے ہیں تو ابتدائی زندگی کا تذکرہ محبت کا تقاضہ ہے لیکن نمونہ شروع ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بننے کے بعد۔

اس لیے میں نے کہا تھا کہ یہ دو لفظ قابل غور ہیں ایک اسوۃ اور ایک لفظ رسول اللہ نمونہ کس چیز کے بارے میں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو نمونہ بنایا گیا اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ صورت کے لیے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے ایک امت کی تشکیل ہوئی جس کو ہم امت محمدیہ کہتے ہیں۔

امت محمدیہ کا خاکہ اور کافروں سے مشابہت:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت محمدیہ کا خاکہ ایسا بنایا ہے کہ ہر مشرک سے علیحدہ اور ہر کافر سے علیحدہ ہے یہ بات بھی ذرا توجہ سے سننے کی ہے اور اصول بیان فرما دیا ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ '' (مشکوٰۃ ۲/۳۷۵۔ ابوداود ۲/۲۰۳) یہ اصول بتا دیا جو کسی دوسری قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا، وہ میرا نہیں ہے، یہ لفظ یاد رکھنا اس لیے امت محمدیہ کی شکل، امت محمدیہ کی عبادت کا طریقہ، امت محمدیہ کے رہنے سہنے کا طریقہ، ان کے اٹھنے بیٹھنے کے آداب، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے بنائے کہ ان کے اندر کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا یہ خطرناک ہے۔

مشابہت کس کو کہتے ہیں؟ ایک ہے ہمارے اختیار کی بات، ایک ہے غیر اختیاری اب آپ کہیں کہ عیسائی یہودی سب کی دو ٹانگیں ہیں اور ہماری بھی دو ٹانگیں ہیں تو ہم ان کے مشابہ ہو گئے، ان کی دو آنکھیں ہیں ہماری بھی دو آنکھیں ہیں، تو ہم ان کے مشابہ ہو گئے، جو غیر اختیاری چیز ہے اس میں مشابہت نہیں ہوتی، مشابہت ہوتی ہے اختیاری امور میں لباس بنانا آپ کے اختیار میں ہے اس میں رعایت رکھیے کہ پہننے کے بعد آپ سکھ نہ معلوم ہوں، ہندو نہ معلوم ہوں، عیسائی نہ معلوم ہوں، یہودی نہ معلوم ہوں، یہ آپ کے اختیار میں ہے، اور اسی طرح باقی معاشرت وہ بھی آپ کے اختیار میں ہے، تو جب آپ اس کو اختیار کریں گے تو یہاں مشابہت لازم آئے گی جو آپ کے اختیار میں ہے۔

اصل میں اعتبار ہے اللہ کے نزدیک دل کے جذبات کا، ذرا توجہ کریں دل کے جذبات کو سمجھنے کے لیے ظاہری اعمال نشانی ہوا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ راکھ کی چٹکی اپنی ذات میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی لیکن ہوا کا رخ معلوم کرنے کے لیے وہ کافی ہوتی ہے ایک راکھ کی چٹکی کی ذاتی حیثیت کچھ نہیں ہے لیکن اگر اس کو اڑا دیں گے تو ہوا کا رخ معلوم ہو جائے گا کہ ہوا کدھر سے آ رہی ہے اور کدھر کو جا رہی ہے۔

تو جب آپ کوئی کام کرنے لگیں تو ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہو اور ایک طرف یہود کا نمونہ ہو چاہے وہ کام کتنا ہی ہلکا پھلکا کیوں نہ ہو لیکن جب آپ درمیان میں کھڑے ہو کے ادھر رخ کی بجائے دوسری طرف رخ کریں گے تو پتہ چل گیا کہ معاملہ الٹا ہو گیا، آپ کو یہ پسند نہیں ہے، یہ پسند ہے، اب ایک شخص کا بچہ سکول پڑھنے چلا گیا وہ سادہ سا آدمی تھا کسی نے پوچھا کہ بیٹا کتنا پڑھ گیا وہ کہتا ہے کہ مجھے اتنا تو یاد نہیں کہ کتنا پڑھ گیا ہے البتہ کھڑا ہو کے موتنے لگ گیا ہے۔

آج اگر انگریز اور یہ لوگ ہماری معاشرت اختیار کرلیں تو اگلے دن آدھا پاکستان اس فیشن کو قبول کرلے گا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر نہیں یہود و نصاریٰ کا فیشن سمجھ کر قبول کریں گے، اور یہی خطرہ ہے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ اظہار کیا اور حدیث شریف میں متعدد روایات یہاں آئی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آنے والے وقت میں تم ان لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو تم سے پہلے گزرے ہیں کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کا اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے فرمایا، اور کون؟ (بخاری ۱/۴۹۱۔ مشکوٰۃ ۲/۴۵۸)

آج کا سب سے بڑا المیہ:

یہ آج سب سے زیادہ دکھ اور درد جو ہم محسوس کرتے ہیں وہ یہی محسوس کرتے ہیں کہ دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے اور دو تہذیبوں کا ٹکراؤ ہونے کے بعد مسلمان سے غیرت ختم ہوتی چلی جارہی ہے، کہ وہ دوسرے کی تہذیب کو اختیار کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے، اور شعائر یہ علامتیں ہوتی ہیں ان کو مٹا دینا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمارے ہاں مومن ہونے کا دارومدار عقائد پر ہے، اور اگر عقیدہ صحیح ہے عمل میں فرق بھی ہو تو کسی نہ کسی وقت نجات ہو جائے گی۔

لیکن جو برسہا برس جہنم میں جانا پڑے گا وہ کوئی معمولی بات ہے؟ اس لیے لباس پہننے سے کوئی کافر نہیں ہوتا، یہود و نصاریٰ جیسی شکل بنانے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا اگر عقیدہ صحیح ہے۔ اصل میں لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ایمان اسی میں رکھا ہوا ہے، ہم کہتے ہیں کہ بھائی ایمان تو اس میں نہیں رکھا ہوا، لیکن مومن ہونے کی نشانی یہ ہے اور نشانی کا باقی رکھنا ضروری ہے۔ پولیس والا فوجی کی وردی نہیں پہن سکتا، فوجی پولیس کی وردی نہیں پہن سکتا۔

چادر ٹخنوں سے اوپر ہونی چاہیے:

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی چادر ٹخنوں سے اوپر ہونی چاہیے، اب کوئی کہے کہ اس سے کیا ہوتا ہے ٹخنے ننگے رکھنے سے یا ڈھانپنے سے کیا فرق پڑتا ہے ایمان کوئی اسی میں ہے ہم کہتے ہیں کہ بھائی ایمان اسی میں نہیں ہے، ٹھیک ہے، اس طرح آدمی کافر نہیں ہوتا لیکن تم ٹائی جو لٹکائے ہوئے ہو یہ ذرا ایک انچ لمبی کر کے تو دکھاؤ کسی کو کہو کہ ٹائی گھٹنوں تک لٹکا لے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

لیکن تم اس کو اس پیمائش کے تحت ہی لٹکاتے ہو اگر وہ انچ چھوٹی ہو جائے یا بڑی ہو جائے تو کہتے ہیں کہ بدتہذیبی ہے، اس کو کپڑا پہننا بھی نہیں آتا، تو کپڑا تمہاری بیگم بھی تو پہنتی ہے، تم بھی پہنتے ہو، کسی دن اس کا سوٹ پہن کر آ جاؤ، بیگم کو اپنا پہنا دو، کپڑے ہی ہیں ناں کیا فرق پڑتا ہے۔

اگر دوسری قومیں اپنے شعار کی پابند ہیں، ان کافروں کا ذکر کرتے ہوئے شرم آتی ہے، کہ

 ہزار آدمیوں میں،

 وہاں امریکہ میں،

برطانیہ میں،

بڑے بڑے افیسروں میں،

- اقوام متحدہ میں،

منموہن سنگھ علیحدہ پہچانا جاتا ہے کہ یہ سکھ ہے ان کو نہ پگڑی نقصان دیتی ہے نہ داڑھی نقصان دیتی ہے، نہرو جب جاتا تھا پاجامہ پہن کے جاتا تھا، سر پہ اس کے ٹوپی ہوتی تھی، لیکن ہمارے جو جاتے ہیں وہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم میں اور ان میں، شکل وصورت بوٹ، سوٹ، میں کوئی فرق نہ ہو، اس لئے اگر وہ قطار میں لگے کھڑے ہوں تو اگر آپ ان کو پہچانتے ہوں تو پہچان لیں گے کہ مؤمن ہے، مسلمان ہے یا پاکستان کا نمائندہ ہے ورنہ شکل صورت میں عیسائی یہودی اور ان میں فرق نہیں ہوتا، یہ بے غیرتی ہے جس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے، ایک صحابی جارہے تھے اور ان کی چادر ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی تو پیچھے سے آواز آئی ''اِرْفَعْ اِزَارَكَ'' اپنی چادر اونچی کرو اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ تھے، جنہوں نے آواز دی تھی وہ کہتا ہے یارسول اللہ! کوئی حرج نہیں پرانی ہے مطلب یہ کہ اگر مٹی پر گھسٹتی جارہی ہے تو کوئی حرج نہیں پرانی ہے یہ اس نے آگے سے اپنی مصلحت بیان کردی آپ ﷺ نے فرمایا کیا تیرے لیے میرے اندر نمونہ نہیں، یہ اپنی مصلحتیں جو بیان کررہے ہو۔ وہ کہتا ہے میں نے جب غور سے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی چادر نصف پنڈلی تک تھی (مسند احمد ۵/۳۶۴۔ شعب الایمان ۵/۱۵۰)

کیونکہ قولاً بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کی شلوار چادر وغیرہ نصف پنڈلی سے ٹخنے تک ہونی چاہیئے، یہ شعار ہے، علامت ہے، علامت میں دلیل بازی نہیں ہوا کرتی۔

مرد وعورت کی لباس میں مشابہت:

جیسے میں نے عرض کیا کہ عورت کا کپڑا اسکا شعار ہے، مرد کا کپڑا اس کا شعار ہے فرمایا کہ جو عورت مردوں جیسا کپڑا پہننے کی کوشش کرے یا مردوں جیسی صورت بنانے

کی کوشش کرے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اوپر لعنت فرمائی ہے اور بار بار روایت کے اندر اس کا ذکر آیا ہے وہ مرد جو عورتوں جیسا بننے کی کوشش کرے اس پر بھی لعنت بلکہ روایت کے اندر جوتے کا تذکرہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ فلاں عورت مردوں جیسا جوتا پہنتی ہے، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (مشکوٰۃ ۲/۳۸۳۔ ابوداود ۲/۲۱۰) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ ہونے کی جو بات ہے، وہ عرض کر رہا ہوں، نماز پڑھنا آپ کی طرح، روزہ رکھنا آپ کی طرح، اصل طریقہ کے مطابق تھوڑا عمل بھی ہوگا اللہ کے ہاں مقبول ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق نہ ہو تو بہت زیادہ عمل بھی مقبول نہیں ہے۔

جہاد ایک اہم سنت:

ایک بہت اہم سنت ہے، وہ ہمارے ذہنوں سے محو ہوتی جارہی ہے، یا محو کی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں آنے بعد زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ جہاد میں گزرا ہے اور اس کی کیا اہمیت ہے؟

حدیث شریف میں روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے ہیں اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم ویسے ہی کریں اب یہ آپس میں گفتگو کر رہے ہیں،

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا سورۃ صف کی ابتداء میں اور پہلے یہ کہا ہے کہ ''لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ'' کہتے ہو تو کر کے بھی دکھاؤ اب سن لو اللہ کو کون سا عمل پسند ہے ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا'' اللہ تو ان سے محبت کرتا ہے، ان کو پسند کرتا ہے، جو صفیں باندھ کے اللہ کے راستہ میں قتال کرتے ہیں، اس بارے میں قرآن کریم میں اتنا مواد ہے جس کا کوئی حد وحساب ہی نہیں

اور بخاری شریف کتاب الجہاد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتا دو جو جہاد سے افضل ہو، فرمایا مجھے نہیں معلوم، اور پھر آگے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ مجاہد اپنے گھر سے نکلے اور تو مسجد میں داخل ہو جا جب تک وہ واپس نہ آئے تو مسجد سے نہ نکل مسجد میں ہی رہ، نماز پڑھتا رہ، تلاوت کرتا رہ، تسبیحات پڑھتا رہ، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا یہ تو ممکن نہیں (بخاری ۱/۳۹۱)

مجاھد گھر سے نکلا تو گھر سے نکلنے کے بعد اس کا ہر لمحہ ہر لحظ عبادت میں گزرتا ہے اس کے گدھے گھوڑے کا پیشاب اس کی نیکیوں میں شامل ہے، اس کے گھوڑے کے پانی کے گھونٹ اس کی نیکیوں میں شامل ہیں، تو پھر تم مقابلہ کیسے کرو گے۔

اور فرمایا اسلام کی شان و شوکت اسی میں ہے کہ ''ذِرْوَۃُ سِنَامِہِ الْجِھَادُ'' (ترمذی ۲/۸۹۔ مشکوۃ ۱/۱۴) آج ہم سب کو بھول گئے اور اس بھولنے کے نتیجہ میں جو کچھ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے ہر جگہ مسلمان پٹ رہے ہیں، ہماری تہذیب کے نشانات ختم کر دیئے گئے، یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم اپنے سبق کو بھول چکے ہیں، اس کو یاد رکھنا چاہیئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اندر اس کا اسوۃ بھی موجود ہے، اللہ تعالی ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۃ پر چلنے کی توفیق دے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عقیدہ توحید کی اہمیت

بموقع: سفر حج

بتاریخ: ۱۴۳۱ھ

بمقام: مکہ معظمہ

خطبہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ،اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔وَمَا اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآاِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ (انبیاء:۲۵)وَقَالَ اللّٰہُ تعالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ(نساء:۴۸ ۱۱۶) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنْتُ رَدِیْفاً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ یَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ الخ(مشکوٰۃ:۴۵۳ج:۲ترمذی:ص۸۷ج:۲)صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

کل احباب نے حکم فرمایا کہ کچھ تھوڑا سا بیان ہو جائے میں تو ذہن میں یہی لیے بیٹھا تھا کہ پچھلی عادت کی طرح منیٰ میں ہی کچھ عرض کروں گا لیکن ان کی خواہش اور ان کے اصرار پر میں نے اپنے آپ کو تیار کیا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ بیان مسلسل ہو رہے ہیں، جس میں حج کے فضائل، حج کے آداب، حج کے احکام" بلدة المکرمہ مکہ معظمہ " کے آداب کوئی چیز ایسی نہیں کہ جو ان بیانات میں چھوٹی ہوئی ہو اور کوئی کمی محسوس ہوتی ہو۔

بہت اچھا ماحول ہے الحمد للہ علماء موجود ہیں، اہل علم اور آپ سب حضرات رغبت اور شوق سے سنتے رہتے ہیں، اور بیان کرنے والے بھی کوئی نئے حضرات نہیں ہیں تجربہ کار ہیں، سالہا سال سے آتے ہیں اور ہدایات دیتے ہیں، ہمارے حضرت مولانا عبد القیوم صاحب نعمانی، مولانا اعجاز احمد صاحب، حضرت حافظ فیروز صاحب، اور مجلسوں میں دیگر علماء گفتگو کرتے رہتے ہیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت دی:

اس لیے میں کہوں تو کیا کہوں یہ ساری باتیں تو ہوتی رہتی ہیں، پھر خیال آیا کہ حج جو ہے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ کا اعادہ ہے، اور انبیاء علیہم السلام سارے ہی جیسے کہ میں نے قرآن کریم کی پہلی آیت پڑھی سورۃ الانبیاء کی ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ " ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم نے یہی وحی کی، مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ہر رسول کی طرف یہ وحی کی۔ عنوان بدل کر اردو زبان میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی لفظی ترجمہ وہ ہے جو میں نے پہلے عرض کیا کہ نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر ہم نے وحی کی اس کی طرف " اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا " کہ میرے بغیر کوئی معبود نہیں " فَاعْبُدُوْنِ " میری ہی عبادت کرو۔

ہم نے ہر رسول کی طرف یہی وحی بھیجی، اب آپ جانتے ہیں، کہ ایک مسئلہ مولانا اعجاز صاحب بیان کریں یا ایک مسئلہ ایسا ہو کہ جتنے علماء موجود ہیں سارے ہی اس پر دستخط کر دیں تو اس مسئلہ کی قوت کتنی بڑھ جاتی ہے اب یہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا " یا اس کو دوسرے الفاظ میں کہیں " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک کا نعرہ نہیں ہے، یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور تین سو تیرہ رسولوں کا نعرہ ہے بقول قرآن کریم کے۔ لہٰذا اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ پورے کا پورا دین الٰہی جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے اتارا ہے، وہ سارے کا سارا " لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَـا " میں سمٹا ہوا ہے تفصیلات میں تو چاہے اختلاف آیا ہو لیکن اس بات میں کوئی اختلاف نہیں " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " یا " لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا " اور عبادت کے مطلب میں بھی کوئی شبہ نہیں " لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فاعبدون " میرے علاوہ کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو تو یہ ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اللہ کہتا ہے کہ میں نے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو اتارا ہے یہ میں ترجمانی کر رہا ہوں کیوں کہ یہ حصر ہے، کیونکہ یہ طالب علمانہ گفتگو ہے اور الحمد للہ اہل علم بہت سارے موجود ہیں، اور حصر کا معنیٰ ہوتا ہے، کسی چیز کو بند کر دینا کسی چیز میں۔

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کو یہ وحی کی۔ یہ کلام حصر ہے جس کا معنیٰ یہ کہ ہم نے ہر رسول کو یہی وحی دی تو اس دائرے سے کوئی باہر نہیں ہے، سب کو گھیر لیا اس لیے کہ حصر کا معنیٰ ہوتا ہے گھیر لینا ساروں کو گھیر لیا کوئی نبی کوئی رسول ایسا نہیں آیا کہ جس کے اوپر اللہ نے یہ وحی نہیں کی " لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَـا فاعبدون " میرے بغیر کوئی معبود نہیں ، میری ہی عبادت کرو۔

سارے انبیاء علیہم السلام پر یہ وحی آئی اور قرآن کریم نے جن انبیاء علیہم السلام کا صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے ان سب کا پہلا نعرہ یہی ہے جو آیا اس نے یہی کہا " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ " اللہ کی

عبادت کرو"فاعبدوہ" اسی کی عبادت کرو سب نے پہلا نعرہ یہی لگایا قرآن کریم میں
جن نبیوں کی تفصیل آئی ہے، ان سب نے پہلے توحید کی دعوت دی۔

ابراہیم علیہ السلام موحد اعظم:

لیکن جتنا تفصیل کے ساتھ اثبات توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ہوا اور پیغمبروں میں سے اتنی تفصیل کسی کی نہیں ہے، توحید کے اثبات کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو جس طرح قرآن کریم میں پیش کیا گیا ہے، اتنا تفصیل کے ساتھ اثبات توحید قرآن کریم میں کسی دوسرے پیغمبر کی طرف سے نہیں آیا۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موحد اعظم کہا جاتا ہے، موحد تو سارے ہی ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے لفظ آتا ہے موحد اعظم چونکہ اس مسئلہ کی تفصیل جتنی ان کی زندگی میں ہے اور اس مسئلے کے لیے جتنی مشکلات انہوں نے اٹھائیں اور پیغمبروں نے نہیں اٹھائیں جتنی تفصیل قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے کسی اور کے بارے میں نہیں آئی، اس لیے ان کا لقب ہے موحد اعظم۔

حج ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا شاہکار ہے:

اور حج ان کی زندگی کا شاہکار ہے بیت اللہ بنانے کے بعد انہوں نے یہ جبل ابی قبیس جس کے اوپر شاہی محل بنا ہوا ہے یہ جبل ابی قبیس کہلاتا ہے، اس کے اوپر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! اللہ کا گھر تعمیر ہو گیا حج کے لیے آؤ آج یہ بات بھی مشکل نہیں ہے کہ ایک جگہ انسان بولے اور ساری دنیا سن لے آج تو گھر گھر میں یہ بات ہو رہی ہے بولنے والا ایک جگہ سے بولتا ہے اور ساری دنیا اس کو سن رہی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اعلان کیا اس وقت اگرچہ کوئی ریڈیو اسٹیشن نہیں تھا کوئی ٹی وی اسٹیشن نہیں تھا لیکن اللہ کی قدرت تو موجود تھی جس کا ظہور بعد میں ہوا۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس قدرت کے تحت جس کو آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک آدمی بولتا ہے اور پوری دنیا سنتی ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس آواز کو اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا میں پھیلایا، حتیٰ کہ عالم ارواح میں بھی پہنچایا۔

اس لیے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ارواح متوجہ ہوئیں اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کا اعلان سن کے کہ حج کے لیے آؤ لبیک لبیک پکارنا شروع کر دیا انہی کو حج کی توفیق ہوتی ہے۔

حج کی ابتداء ہی توحید سے ہے:

تو حج کی ابتداء ہوگئی اب حج کی جو ابتداء ہے آپ اعمال حج کہاں سے شروع کرتے ہیں آپ حضرات کو پتہ ہے؟ کپڑے بدلتے ہیں، کپڑے بدلنے کے بعد تلبیہ پڑھتے ہیں، دو رکعت نفل پڑھنا تو مستحب ہے، نہ بھی پڑھو تو بھی حج شروع ہو جاتا ہے اچھا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کے تلبیہ پڑھ لو لیکن اگر وقت مکروہ ہے کوئی عورت معذور ہے نماز نہیں پڑھ سکتی یہ نہیں کہ اس کا حج شروع نہیں ہوگا، تلبیہ پڑھنے سے شروع ہو جاتا ہے۔

آپ عصر کے بعد احرام باندھتے ہیں ایسے وقت میں پہنچتے ہیں، جب احناف کے نزدیک نفل پڑھنا ٹھیک نہیں ہے تو نفل کے بغیر حج شروع ہو جائے گا آپ کا حج شروع ہوتا ہے "لبیك اللھم لبیك" حج شروع یہاں سے ہوتا ہے، لیکن اس تلبیہ میں جو مرکزی نقطہ ہے اس کی طرف توجہ بہت کم جاتی ہے "لبیك اللھم لبیك لبیك لاشریك لك" یہ ہے اصل مرکزی نقطہ جہاں سے حج شروع ہوتا ہے ہمارے پہلے سبق سے "لاشریك لك" چیختے ہیں پکارتے ہے، آج میں تو دیکھتا ہوں کہ تلبیہ پڑھنے کی عادت چھوٹتی جا رہی ہے۔

ورنہ یاد رکھئے! سفر حج میں احرام باندھنے کے بعد افضل ترین ذکر تلبیہ ہے، سب ذکروں میں سے افضل ہے تلبیہ چیختے ہوئے چلاتے ہوئے شور مچاتے ہوئے آؤ،

''لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك اللهم لبيك لا شريك لك''

اب ''لا شريك لك'' کیا ہے، ''لا الہ الا اللہ'' ہی تو ہے، ہماری تو تمہید ہی یہاں سے شروع ہوتی ہے حج کی پہلی اینٹ ہے لاشریک لک تیرا کوئی شریک نہیں، یہ پہلی اینٹ ہے حج کی درمیان میں ایک بات عرض کردوں۔

ہمارے دین کا مجموعہ پانچ قسموں پر مشتمل ہے،

 عقائد،

 عبادات،

 معاملات،

 معاشرت،

 اخلاق،

عقیدہ دین کا بنیادی شعبہ ہے:

پورا دین ان پانچ شعبوں میں بٹا ہوا ہے، لیکن ان میں سے جو عقائد کی حیثیت ہے، وہ سب سے زیادہ اہم ہے، وہ ایسے ہے کہ جیسے درخت کی جڑ ہوتی ہے۔

سب سے پہلی بات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عمل سے پہلے ایمان سیکھو اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے، ایمان کا تعلق ہے عمل کے ساتھ، ایمان ٹھیک ہوگا تو عمل قبول ہے، ایمان ٹھیک نہیں تو عمل قبول نہیں، اس نظریہ کے صحیح ہونے کی ایک واضح مثال آپ کو دوں، اس نظریہ کے بغیر عمل نہیں قبول، جب تک عقیدہ ٹھیک نہ ہو عمل نہیں قبول۔

اور ہمارے مذاکرے میں آج کل عقیدے کا تذکرہ بہت کم آتا ہے، عقیدے کے بنیادی اصول کیا ہیں، وہ آپ ایمان اجمالی ایمان تفصیلی میں پڑھتے رہتے ہیں، جس میں آخری درجہ میں جا کر اس کا ذکر ہے ''وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى

"تقدیر کا عقیدہ آخر میں اس کا ذکر بھی ہے "آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ" ایمان مفصل جس طرح سے آپ پڑھتے رہتے ہیں۔

صحیح عقیدے کے بغیر نیکیاں فضول ہیں:

مشکوٰۃ شریف میں یہ روایت مذکور ہے، ایک تابعی کو تقدیر کے مسئلہ پر ذرا کچھ شبہ پیدا ہوا وہ ایک صحابی کے پاس گئے کہ تقدیر کے مسئلہ کے بارے میں میرے دل میں تردد ہے آپ مجھے کوئی بات بتائیں تو انہوں نے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ (توجہ فرمانا) "لَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ ، وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ ، وَلَوْ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ" اگر احد پہاڑ کے برابر اللہ کے راستے میں سونا خرچ کرو (مشکوٰۃ: ص۲۳ ج ا۔ ابوداؤد ص۲۹۰ ج ۲)

احد پہاڑ تو آپ دیکھ آئے ہیں، ماشاء اللہ اللہ قبول کرے آپ سب کی حاضری تقریباً بارہ میل لمبا ہے، اور مدینہ کے سارے پہاڑوں سے زیادہ اونچا ہے، بارہ میل لمبا ہے، میں نے اس کے اردگرد تقریباً پانچ چھ چکر لگائے ہیں مختلف سفروں میں چاروں طرف سے گھوم پھر کے میں نے اس کو دیکھا ہے، ایک مسئلہ کے تحت جس کا تعلق غزوات سے ہے کتنا اونچا ہے مدینے کے سارے پہاڑوں سے زیادہ اونچا ہے، احد پہاڑ کتنا گہرا ہے اللہ کے علم میں ہے، اگر اتنا سونا اللہ کے راستے میں خرچ کرے تو "لَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا قَبِلَهُ اللّٰهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ" جب تک تیرا ایمان تقدیر پر ٹھیک نہیں ہوگا اللہ قبول نہیں کرے گا۔

یہ مثال آئی ہے ویسے درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر عرض کردوں مال کے خرچ کرنے کی، جو کہ مالی عبادت ہے، لیکن بدنی عبادت کا بھی یہی حکم ہے، لیکن بدنی

عبادت کے مقابلہ میں چونکہ مالی عبادت زیادہ مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارا کوئی شخص بھائی بہن، ماں باپ، چچا تایا، بھتیجا بھانجا، کوئی فوت ہوجائے تو ہم قرآن کریم کی تلاوت کرکے نوافل پڑھ کے ایصال ثواب صبح وشام رات دن کرتے ہیں، لیکن یہ پوچھنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا کہ اس کے ذمہ کسی کا قرضہ تو نہیں ہے تاکہ اس کا قرضہ ادا کردیا جائے۔

کیونکہ وہاں پیسے خرچ ہوتے ہیں پڑھنے میں تو زبان چلتی ہے، زبان تو اللہ تعالی نے ایسی بنائی ہے، نہ اس کو پٹرول کی ضرورت ہے، نہ دانتوں سے ٹکرا کر ٹوٹنے نہ کچھ اور ساری زندگی چلتی رہتی ہے، اور مشین کی طرح لفظ اس کے بنتے چلے جاتے ہیں، پیسہ تو کوئی خرچ نہیں ہوتا، اس لیے کوئی پڑھ پڑھ کے بخشے یہ کرو اور یہ نہ کرو کبھی توفیق ہوئی ہوگی کسی کو کہ بھائی ہم ساری برادری جمع ہیں، ذرا معلوم کرو کہ اس کے ذمہ کوئی قرض تو نہیں ہے اگر قرضہ ہے تو قرضہ ادا کرو۔

اس کے بغیر تو بخشش نہیں ہوگی یہاں پیسے خرچ ہوتے ہیں، جو مشکل ترین عبادت ہے وہ مالی ہے، اتنی بڑی مالی عبادت بھی اللہ قبول نہیں کرے گا اگر ایمان بالقدر نہیں ہے تو، اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ عقیدے کی صحت کتنی ضروری ہے، اگر تقدیر پر شبہ پیدا ہوجائے۔ تو جب تقدیر کی یہ حیثیت ہے تو پھر

 توحید کے بارے میں شبہ،

 رسالت کے بارے میں شبہ،

 فرشتوں کے بارے میں شبہ،

 اللہ کی کتابوں کے بارے میں شبہ،

پیدا ہوجائے تو اس کی کیا حیثیت ہوگی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدے کی صحت سب سے زیادہ ضروری ہے پہلے عقیدہ ٹھیک کرو اور اس کے بعد عمل۔

چیز کی پہچان ضد سے ہوتی ہے:

اور پھر یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت کائنات میں سلسلہ اضداد کا رکھا ہے، اضداد یعنی ایک دوسرے کی ضد کیونکہ ضد کے ساتھ ہی کسی چیز کی حقیقت واضح ہوا کرتی ہے، عربی میں محاورہ ہے کہ ''بِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ'' چیز کی حقیقت اضداد کے ساتھ واضح ہوا کرتی ہے جب تک اس کی ضد نہ آئے حقیقت نہیں واضح ہوا کرتی۔

آپ روشنی کو نہیں پہچان سکتے جب تک کہ آپ نے اندھیرا نہ دیکھا ہو، جو اندھیرا دیکھتا ہے، وہ روشنی پہچانتا ہے، صحت کا معنیٰ نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ آپ نے بیماری نہ دیکھی ہو، خوشی کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے جب تک کہ غم نہ دیکھا ہو تو اضداد کے ساتھ حقائق واضح ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ ہی نعمت کا احساس ہوتا ہے، بات ادھر ادھر نکل جاتی ہے، کام کی بات آ بھی جائے تو موضوع سے ہٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آدم علیہ السلام کی چھینک اور آدم زادوں کی ملاقات کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا یہ جملہ معترضہ ہے درمیان میں، پہلی گفتگو جو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ کی ہے، حدیث شریف میں جیسے آتا ہے کہ آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو جب آدم علیہ السلام کی مشینری متحرک ہوئی تو اس کو چھینک آئی، روح کے آنے کے بعد آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے چھینک آئی تو کہا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ'' اللہ نے جواب دیا ''یَرْحَمُكَ اللّٰہُ'' پھر فرمایا وہ جو فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے ان کو جا کر کہو ''السلام علیکم '' یہ ابتدائی گفتگو ہے اللہ کی آدم علیہ السلام کے ساتھ آدم علیہ السلام نے جا کر کہا ''السلام علیکم '' انہوں نے جواب دیا ''وعلیك السلام ورحمة الله '' تو آدم علیہ السلام اللہ کے سامنے آئے تو اللہ نے کہا کہ تیری اولاد میں یہی طریقہ ہوگا آپس میں ملاقات کا۔ (مشکوۃ: ص ۴۰۰ ج ۲: ترمذی ص ۱۷۴ ج ۲)

تو آدم زادے جو ہیں وہ السلام علیکم کہتے ہیں اور جواب وعلیکم السلام دیتے ہیں تو جن لوگوں نے اسکے علاوہ کوئی اور طریقے تجویز کر لیے تو یوں سمجھو یہ آدم کے طریقے پر نہیں کوئی ٹانگ مارتا ہے، کوئی یوں کہتا ہے، کوئی یوں کہتا ہے، اور ایک ہوتی نہیں ورنہ وہ بھی ہلائیں (یعنی دم) آج کل طریقہ یہ چل پڑا ہے۔ یہ آدم علیہ السلام کی نسل کا طریقہ نہیں ہے یاد رکھیے! اسی طرح اور لوگوں نے الفاظ تجویز کر لیے۔ تو پہلی کلام اللہ کی آدم کے ساتھ یہ ہے۔

اولادِ آدم سے اللہ تعالیٰ کی پہلی گفتگو:

پھر حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی اولاد پیدا کردی تھی آدم کی وہ ساری کی ساری ایک جگہ جمع کردی کیوں کہ ارواح سب کی پیدا کردی تھیں، تو ارواح کی موجودگی میں سب سے پہلی کلام جو اللہ کی بنی آدم کے ساتھ ہے، آپ کے ساتھ بھی ہوئی اور میرے ساتھ بھی ہوئی، سب سے پہلی کلام "الست بربکم" یہ پہلی کلام ہے کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ ہمارے کان میں جو پہلی بات آئی ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ "الست بربکم" ہے تو سب نے کہا "بلیٰ" "کیوں نہیں "بلیٰ" " کا معنیٰ بالکل ٹھیک ہے، آپ ہمارے رب ہیں۔

لفظی ترجمہ اسکا ہے کیوں نہیں آپ ہمارے رب ہیں، یہ ہے جس کو عہد الست کہتے ہیں، اس کا تعلق "لا الہ الا اللہ" کے ساتھ کیا ہے؟ یہ ساری باتیں تفصیل طلب ہیں، اس وقت گنجائش نہیں ہے، یہ بھی توحید کی بات ہے عنوان بدلا ہوا ہے۔

عقیدہ ربوبیت کی اہمیت:

سب سے پہلے یہی بات کان میں ڈالی "الست بربکم" اور امتحان کے پرچہ میں سب سے پہلا سوال بھی یہی ہے۔

یادرکھنا! امتحان کب شروع ہوگا مرنے کے بعد قبر میں پرچے جو آرہے ہیں تو اس کا پہلا سوال کیا ہے، "مَنْ رَبُّكَ، مَادِيْنُكَ، مَنْ نَبِيُّكَ (ترمذی ص ۱۴۴ ج ۲)" تین سوال ہیں، پرچہ آؤٹ ہو یا ہوا ہے۔

یہ سبق بھی یاد ہے کہ نہیں عہد کیا تھا ''الست بربکم قالو ابلیٰ، من ربک'' تیرا رب کون ہے، لیکن وہاں پرچہ آؤٹ ہونے کے باوجود ہم غلط بیانی نہیں کرسکیں گے، زندگی میں جس کو رب سمجھا تھا وہی جواب آئیگا جھوٹ نہیں بول سکیں گے وہاں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی ابتداء کہاں سے کی'' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اور اپنی کتاب کو ختم کہاں پہ کیا، ''اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ'' اور درمیان میں کیا کہا'' اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا'' جوایک دفعہ کہہ دے کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ڈٹ جائے یہ معمولی مسئلہ نہیں ہے، اور جو اللہ سے باغی ہو گئے انہوں نے کہا'' اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلیٰ'' وہ اللہ کے مقابلہ میں یہ نعرہ لے کر آئے۔

اور دجال اکبر آرہا ہے، بہت قریب زمانہ آگیا ہے اس نے بھی آکر یہ دعویٰ کرنا ہے کہ میں تمہارا رب ہوں اس لیے حضور ﷺ نے بار بار کہا ہے کہ وہ (کانا) ہوگا اور اپنے آپ کو رب کہے گا۔

اس لیے تم یہ سبق یاد کرلو اور سبق تمہیں یاد رہے یا نہ رہے، یہ سبق پکا کرلو'' اِنَّ رَبَّکُمْ لَیْسَ بِاَعْوَرَ (مشکوٰۃ ۴۷۲ ج ۲ بخاری ۱۳۲ ج ۲)'' تمہارا رب کانا نہیں ہے، یہ نہ بھولنا، موٹی سی بات ہے اور اس کو یاد رکھنے میں کوئی دقت بھی نہیں ہے، یہ کوئی علم بلیغ بھی نہیں ہے۔

بہر حال بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اول کائنات سے لیکر آخر تک یہ رب کا مسئلہ پھیلا ہوا ہے، یہ بھی توحید کا عنوان ہے اس کا مفہوم بھی ''لا الہ الا اللہ'' ہے۔

اللہ نے اولاد آدم کو ایک جیسا پیدا کیوں نہیں کیا؟:

بات کچھ اور کہنے لگا تھا وہ یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد پر نظر ڈالی تو کوئی اندھا نظر آیا، کوئی آنکھوں والا، اور کوئی لنگڑا نظر آیا، اور کوئی دو ٹانگوں والا نظر آیا،

کسی کا بازو نہیں ہے، کوئی بیماری کا مارا ہوا ہے، اولاد کے مختلف حالات حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے آ گئے آخر باپ تھے بول پڑے یا ربِّ ''لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ'' یا اللہ سارے ایک ہی جیسے کیوں نہیں بنا دیئے، مساوات کی بات سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کے سامنے کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، یا آدم! ''اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ'' اب سوال اور جواب کا جوڑ دیکھو! آدم! میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا شکر ادا کیا جائے یہ آدم علیہ السلام کے سوال کا جواب ہے۔

اب بظاہر بات جڑتی ہوئی نظر نہیں آتی، کیا مطلب ہے اس کا؟ مطلب یہ ہے کہ سارے ایک جیسے ہوں گے تو میری نعمت کا احساس نہیں ہوگا، شکر کون کرے گا؟

- آنکھوں کی قدر ہوگی اندھے کو دیکھ کے،
- ٹانگوں کی قدر ہوگی لنگڑے کو دیکھ کے،
- صحت کی قدر ہوگی بیمار کو دیکھ کے،
- اپنے غنا کا احساس ہوگا فقیر کو دیکھ کے،

یہ ہیں وہ اضداد جو اللہ نے پیدا کیں جن کے ساتھ اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اللہ کے شکر پر انسان کی طبیعت آمادہ ہوتی ہے، اور کوئی انسان آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کے پاس کوئی نہ کوئی نعمت ایسی نہ ہو جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے ہر انسان کے پاس کوئی نہ کوئی نعمت ایسی ہے، جو دوسرے کے پاس نہیں ہے، ایک کے پاس مال ہے، اولاد نہیں، ایک پاس اولاد ہے، مال نہیں، اور کسی کے پاس کچھ ہے، دوسرے کے پاس وہ نہیں، اس کے پاس جو ہے وہ کسی تیسرے کے پاس نہیں، تو اس طرح احساس ہوتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے یہ دے رکھا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سفر میں جاتے ہوئے میرا جوتا ٹوٹ گیا تو مجھے ننگے پاؤں چلنا پڑ گیا تو مجھے بہت احساس ہو رہا تھا کہ میرے پاس جوتا نہیں ہے، جب میں دمشق کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں دروازے پر ایسا آدمی پڑا تھا جس کی دو ٹانگیں نہیں تھیں، میں نے کہا یا اللہ تیرا شکر ہے، جوتا نہیں تو کوئی بات نہیں ٹانگیں تو ہیں، اس طرح پھر نعمت کا احساس ہوتا ہے، تو اللہ کے جواب کا یہ مطلب ہے کہ میں پہچانا جاؤں گا اسی اختلاف کی بنا پر، اور لوگوں کو میری نعمت کا احساس ہو گا اسی اختلاف کی بناء پر، اس لیے لوگ پھر میرا شکر ادا کریں گے۔

تو جس طرح یہ اضداد ہیں اس طرح توحید کی ضد شرک ہے وہ آدمی توحید کا مسئلہ قطعاً نہیں سمجھ سکتا جو شرک کا مفہوم نہ سمجھے، کیوں کہ روشنی کا احساس تب ہی ہو گا جب پہلے اندھیرے کو جانتا ہو، صحت کا احساس تب ہو گا جب پہلے آپ بیماری کو جانتے ہوں تو جب توحید اور شرک دونوں آپس میں ضد ہیں تو توحید سمجھنے کے لیے شرک کا سمجھنا ضروری ہے اور جو آدمی شرک نہیں سمجھتا، توحید نہیں جانتا، یہ ہے حج کا پہلا سبق ''لاشریك لك'' یا اللہ تیرا کوئی شریک نہیں، اب یہ سمجھ کر کہو کہ ''لا شریك لك'' کا مطلب کیا ہے تا کہ آپ کی توحید پکی ہو جائے۔

اضداد کا یہ معنیٰ ہوتا ہے تو ہم نے حج کی ابتداء کی ہے ''لاشریك لك'' سے ''اللھم لبیك اللھم لبیك'' اے! اللہ میں حاضر ہو گیا اے! اللہ میں حاضر ہو گیا ''لاشریك لك'' تیرا کوئی شریک نہیں ہے، اور یہ حج مشرک بھی کرتے تھے۔

مشرکین مکہ بھی اللہ کو رب مانتے تھے:

یہ بھی ایک عجیب بات ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے جو مشرک تھے یعنی مشرکین مکہ جو تمام دنیا کے مشرکوں کے امام ہیں حج یہ بھی کرتے تھے اور ساتھ تلبیہ بھی

پڑھتے تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اور مشرک آتے حج کرنے تو تلبیہ پڑھتے "لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك" جب یہاں تک پہنچتے تو حضور ﷺ فرماتے چپ چپ آگے نہ بولنا "لا شريك لك" پر ٹھہر جاؤ لیکن وہ آگے کہتے تھے "لا شريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك (مشکوٰۃ ۲۲۴ ج ا، مسلم ص ۳۷۶ ج ا)" ان کا تلبیہ یہ تھا معنیٰ اس کا یہ ہے کہ یا اللہ تیرا کوئی شریک نہیں ہاں ایسا شریک ہے جس کا تو مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں کہ تو نے اپنے شریک خود بنائے ہوئے ہیں جو تیرے بنائے ہوئے ہیں وہ تیرے شریک ہیں اور کوئی شریک نہیں ہے۔

اب نکتہ سامنے آ گیا اس لیے حضور ﷺ فرماتے تھے کہ "لا شريك لك" پر رک جاؤ لیکن وہ آگے اس طرح کہتے تھے جس سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین مکہ اللہ کا انکار نہیں کرتے تھے اللہ کو مانتے تھے، وہ مانتے تھے کہ آسمان اللہ نے پیدا کیا ہے، زمین اللہ نے پیدا کی ہے بارش اللہ دیتا ہے، زرق اللہ دیتا ہے، قرآن بھرا پڑا ہے "لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان: ۲۵)" یہ سارے سوال قرآن میں ہیں۔

ان سے پوچھو زمین کس نے پیدا کی ہے؟ یہ کہیں گے اللہ نے پیدا کی ہے، آسمان کس نے پیدا کیا؟ یہ کہیں گے اللہ نے پیدا کیا ہے، بارش کون اتارتا ہے؟ یہ کہیں گے اللہ اتارتا ہے (عنکبوت: ۶۳) جو بھی پوچھو تو جواب اللہ ہے پھر یہ مشرک کہاں سے ہو گئے "الا شريكا هو لك تملكه وما ملك" ہاں یہ جن کو ہم تیرے شریک ٹھہراتے ہیں، تیرے بنائے ہوئے ہیں، تو ان کا مالک ہے وہ تیرے مالک نہیں ہیں۔

اب یہ بھونڈی ذرا مشکل سے سمجھ میں آتی ہے کہ تیرے بنائے ہوئے ہیں یہ تھا شرک ورنہ اللہ کو تو مانتے تھے، ہر چیز کا خالق اللہ کو مانتے تھے، بہر حال میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ جس طرح توحید اہم اور اتنی اہم کہ پوری کائنات کا خلاصہ "لا الٰه الا الله" اور پورے دین کا خلاصہ "لا اله الا الله" ساری کائنات کی بقاء کا تعلق "لا اله الا الله" کے ساتھ ہے، جب "لا اله الا الله" نہیں ہوگا، تو کائنات ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

مادی کائنات کی روح بھی ”لاالہ الا اللہ“ دینی کائنات کی روح بھی ”لاالہ الااللہ “ ہے،اس ” لا الہ الا اللہ“ کو معمولی نہ سمجھو،علامہ اقبال اسی لئے کہتے ہیں کہ جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کہ ” لاالہ الااللہ“ کی مشکلات کو میں سمجھتا ہوں کہ ” لاالہ الا اللہ “ کی کیا مشکلات ہیں، یہ اتنا اہم ہے کہ آخرت میں جس وقت بدقسمت لوگ جہنم میں چلے جائیں گے جنتی جنت میں چلے جائیں گے فیصلہ ہو جائے گا تو پھر اللہ کی طرف سے شفاعت اور سفارش کا دروازہ کھلے گا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عزت دینے کے لیے یہ حق دیں گے،تم اپنے جاننے اور پہچاننے والوں کو جہنم سے نکال لو۔

ہم نے بھی جہنم میں جانا ہے:

اس لیے میں کبھی کبھی دلچسپی کے طور پر کہا کرتا ہوں کہ ہم نے بھی جہنم میں جانا ہے پتا نہیں آپ تیار ہوں گے یا نہیں ہوں گے، ہم نے جانا ہے جہنم میں یہ بات یاد رکھو! جہنم میں ہر کوئی سزا یافتہ نہیں ہے، انتظام کرنے والے فرشتے بھی تو ہیں ،جیل میں جو سرکاری ملازم ہوتے ہیں وہ جیل میں تو ہوتے ہیں ،لیکن سزا یافتہ نہیں ہوتے آخرافسر بھی تو جیل میں ہوتے ہیں، لیکن وہ اپنے آپ کو جیل میں نہیں سمجھتے اگر چہ ہوتے وہ چار دیواری کے اندر ہی ہیں۔

اس طرح آپ بھی جائیں گے ،حاجی بھی جائیں گے، نمازی بھی جائیں گے اور اپنے جاننے اور پہچاننے والوں کو تلاش کریں گے۔

مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ اعلان ہو جائے گا جہنم میں جنتی آرہے ہیں اپنی جان پہچان والوں کو لینے کے لیے تو جہنمی قطاریں باندھ کے کھڑے ہو جائیں گے، ایک جنتی گزرے گا، لائن میں کھڑا ہوا ایک جہنمی بولے گا یا عبد اللہ! او اللہ کے بندے وہ جنتی متوجہ ہوگا، وہ جہنمی کہے گا تو نے مجھے پہچانا نہیں وہ غور کرے گا، اور کہے گا کہ نہیں میں

نے تجھے نہیں پہچانا، وہ کہے گا فلاں دن تجھے وضوء کے لیے پانی کی ضرورت تھی میں نے لوٹا بھر کے دیا تھا، وہ کہے گا اچھا اچھا آجا بازو پکڑ کے لے آئے گا (مشکوٰۃ ص ۴۹۴ ج ۲)

اتنا اتنا تعلق بھی وہاں جا کے کام آئے گا، انبیاء علیہم السلام سفارش کریں گے، فرشتے سفارش کریں گے، حافظ سفارش کریں، شہید سفارش کریں گے، سب کا ذکر حدیث شریف میں آتا ہے سارے جائیں گے، اور اپنے پہچاننے والوں کو نکال کے لے آئیں گے، آخر میں اللہ تعالیٰ کو اطلاع کر دی جائے گی انبیاء علیہم السلام کی طرف سے کہ یا اللہ! ہم نے جہنم میں کوئی ایسا نہیں چھوڑا کہ جس میں خیر ہو ہم نے سب کو نکال لیا ہے۔

اب ارحم الراحمین کی باری ہے:

یہ بات سننے کے بعد اللہ کہے گا کہ انبیاء علیہم السلام نے سفارش کر لی سب نے سفارش کر لی ''لَمْ یَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن (مشکوٰۃ ۴۹۰ ج ۲، مسلم ۱۰۳ ج ۱)'' اب ارحم الراحمین کا نمبر ہے آخری، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر جہنم سے اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو نکالے گا جو جل کے کوئلہ ہو چکی ہوگی، اور وہاں سے مخلوق کو نکالے گا، نکالنے کے بعد اس کو آب حیات میں ڈالے گا وہ سرسبز وشاداب ہو کے اٹھیں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ جہنم سے نکلنے والوں کا لقب جنت میں جانے کے بعد بھی جہنمی ہوگا (مشکوٰۃ ص ۴۹۲ ج ۲: بخاری ص ۹۷۰ ج ۲)

لوگ ان کو جہنمی کہہ کر پکاریں گے اور یہ اس میں خوشی محسوس کریں گے اور آپ جیسے صوفیوں کو آنکھیں دکھائیں گے کہ تم نے سردیوں کی نمازیں پڑھیں اور جنت لی، تم نے گرمیوں کے روزے رکھے اور جنت لی، اور ہم نے کیا کچھ بھی نہیں اور جنت مل گئی۔

کیونکہ ان کے بارے میں ہے ''لَمْ یَعْمَلُوْا خَیْراً قَطُّ'' (مشکوٰۃ ۴۹۰ ج ۲ مسلم ۱۰۳ ج ۱)'' انہوں نے کبھی نیکی کا کام نہیں کیا ہوگا، جلے ہوئے ہوں گے، کوئلہ بنے ہوئے ہوں گے لیکن اس کے ساتھ اس بات کو جوڑ و شرک کی بخشش نہیں۔ یہ ہوں گے موحد عقیدہ ان کا ٹھیک ہوگا، کافر اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی، وہ تو قرآن میں اعلان آ گیا جیسے کہ میں نے

خطبہ میں آیت پڑھی ہے ''اِنْ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُاَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ'' جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا اللہ قطعاً معاف نہیں کرے گا۔

''وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ'' اس کے علاوہ جو ہوں گے اللہ چاہے گا تو بخشش دے گا مشرک کی بخشش نہیں، اور یہ جو جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے ان کا عقیدہ ٹھیک ہوگا، اس کے علاوہ کوئی نیکی نہیں ہوگی، اتنی اہمیت ہے عقیدہ توحید کی کہ زندگی میں کوئی نیکی نہیں کر سکا لیکن ان کا عقیدہ ٹھیک ہے، تو جہنم میں پتا نہیں کروڑ سال رہے گا، ارب سال رہے گا، وہاں جتنا بھی رہے آخر بخشا جائے گا۔

شرک کا وبال:

اور ضد کے طور پر دوسری بات کو دیکھ لو کہ اگر کسی نے شرک کر لیا نبی کا باپ ہوگا نہیں بخشا جائے گا، کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا قصہ قرآن میں نہیں ہے؟ آج ولیوں کی اولاد کو سب کچھ بنائے بیٹھے ہو چاہے وہ کچھ بھی نہ جانتے ہوں لیکن وہ دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر اپنے باپ کو نہیں بخشوا سکے گا۔

ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو نہیں چھڑا سکیں گے:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آمنا سامنا ہو جائے گا اور آزر کے منہ پر گرد و غبار اور ظلمت طاری ہوگی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے کہیں گے ابا میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کر ابا کہے گا کہ بیٹا آج وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ نافرمانی نہیں کروں گا لیکن آج وعدے کا کیا فائدہ، تو پھر حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سامنے عرض گزار ہوں گے کہ یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کروں گا اور اس سے بڑھ کر میرے لیے رسوائی کیا ہے کہ میرے باپ کا یہ حال ہے، یہ میرا باپ جو رحمت سے اتنا دور ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حسرت ہے جو دل میں اٹھی اللہ تعالیٰ کا

جواب ہوگا کہ ''اِنِّی حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْن'' ابراہیم جنت کافروں پر حرام ہے کافر جنت میں نہیں جاسکتا، باقی رہا کہ تیرے ساتھ وعدہ کہ تجھے رسوائی سے بچاؤں گا رسوائی تب ہوگی کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہے۔

تو اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو متوجہ کریں گے کہ تیرے پاؤں کے نیچے کیا ہے ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو آزر کو بجھو کی شکل میں بدل دیا جائے گا اور گندگی کے ساتھ لتھڑا ہوا ہوگا، جس کو دیکھ کر نفرت آئے گی اور فرشتے اس کو ٹانگوں سے پکڑ کے جہنم میں پھینک دیں گے کوئی پہچان ہی نہیں سکے گا کہ یہ ابراہیم کا باپ ہے (مشکوٰۃ ص ۴۸۳ ج ۲ بخاری ص ۴۷۳ ج ۱)

اگر توحید کی دعوت سے محروم ہوگیا تو ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو نہیں چھڑا سکیں گے نوح علیہ السلام بیٹے کو نہیں چھڑا سکیں گے، اپنی بیوی کو نہیں چھڑا سکیں گے، بیوی ناز نہ کرے کہ میں نبی کی بیوی ہوں، لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو نہیں چھڑا سکیں گے یہ قرآن کریم کی باتیں آپ کو سنا رہا ہوں، ''ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَأَةَ نُوْحٍ وَّامْرَأَةَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا'' یہ سورۃ تحریم میں ہے، سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل سید الرسل ہیں قرآن کریم میں کیا ابولہب کا تذکرہ نہیں ہے؟ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا ہے، اور یہ وہ بدبخت و بدنصیب ہے کہ پورے مشرکین میں سے صرف اس کا نام لے کر اور اس کی بیوی کا تذکرہ کر کے اس کو جہنمی قرار دیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کو بھی نہیں چھڑا سکیں گے:

پھر اگر میں یہ کہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کو بھی نہیں چھڑا سکیں گے تو پھر؟ چچا بھی تو باپ کی جگہ ہوتا ہے، یہ تو دشمن تھا، اور ایک چچا وہ بھی تھا جو آپ کی شان میں نعتیں پڑھتا تھا ابوطالب کی ایک بہترین نظم ہے جس کا ایک شعر حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں بھی نقل کیا ہے (بخاری ص ۱۳۷ ج ۱) پوری نظم شارحین نے نقل کی جو ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھی تھی تین سال بائیکاٹ کیا مشرکین نے اور شعب ابی طالب

میں بند ہو کے رہ گئے، تو جہاں باقی مسلمان پھنسے ہوئے تھے ابو طالب بھی تین سال تک حضور ﷺ کے ساتھ رہے ہیں، کسی موقعہ پر ساتھ نہیں چھوڑا، ساری مصیبتیں اور تکلیفیں حضور ﷺ کے ساتھ اٹھائیں اس کے تینوں بیٹے مسلمان ہوئے صحابی ہوئے، اور اس کی اجازت سے ہوئے سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور تیسرے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوئے۔

اور طالب جن کے نام پر ابو طالب کی کنیت ہے وہ پہلے فوت ہو گئے تھے شرک کی حالت میں، ابو طالب کا اصل نام عبد مناف ہے، طالب بیٹے کی وجہ سے ابو طالب کہلاتے ہیں، تینوں باپ کی اجازت سے مسلمان ہوئے ہیں، لیکن باپ نے کلمہ نہیں پڑھا حتیٰ کہ جب بیمار ہو گئے اور مایوسی کی حالت ہوئی، تو رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے ہیں ابو طالب کے پاس وہاں ابو جہل بیٹھا تھا دوسرے بڑے بڑے قریشی بیٹھے تھے چونکہ ابو طالب عبد المطلب کی اولاد میں نمایاں شخصیت تھی، دس بیٹے تھے عبد المطلب کے جن میں سے عبد اللہ بہت جلدی فوت ہو گئے تھے، اٹھارہ سال کی عمر تھی، جب عبد اللہ کا انتقال ہوا باقی موجود رہے ہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے ہیں، تو پاس بیٹھ کے رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ چچا ''لا الــــه الا الــلــه'' کہہ دے تا کہ میں تیرے بارے میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو کر سکوں اور جو پاس بیٹھے تھے وہ کہنے لگے ابو طالب جاتے ہوئے اب اپنا مذہب نہ چھوڑ دینا (بخاری ص ۱۸۱ ج ۱ مسلم ص ۴۰ ج ۱) ابو طالب نے جواب یہ دیا کہ بھتیجے! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قریش (کی عورتیں) کہیں گیں کہ ابو طالب نے ڈر کے کلمہ پڑھ لیا تو تیرا دل ضرور ٹھنڈا کر دیتا (مسلم ص ۴۰ ج ۱) یعنی میں یہ عار برداشت نہیں کر سکتا جہنم برداشت کر لوں گا۔

بدنصیبی اس کو کہتے ہیں، ''اِخْتَرْتُ النَّارَ عَلَی الْعَارِ'' عار کے مقابلہ میں نار مجھے پسند ہے رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کے آ گئے۔ اللہ نے تسلی دی ''اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ (بخاری ج ۲ ص ۷۰۳)'' ہدایت تیرے اختیار میں نہیں اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ بعد میں جب ابو طالب فوت ہو گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آ کر اطلاع دی وہاں لفظ یہ ہیں۔

یارسول اللہ! تیرا گمراہ چچا مر گیا ہے، فرمایا جاؤ جا کے اسکو مٹی میں چھپا آؤ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۸ ج ۳) اس کے بارے میں نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں جانے والوں میں سے سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا، ''اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا'' اہل نار میں سے اھون از روئے عذاب کے ابو طالب ہے (مسلم ص ۱۱۵ ج ۱، مشکوۃ ص ۵۰۲ ج ۲) ایک روایت میں ہے کہ اس کو صرف آگ کا جوتا پہنایا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ صرف ٹخنوں تک آگ میں ہوگا، دونوں کا مطلب ایک ہے کیونکہ جوتا بھی عموماً ٹخنوں تک ہی ہوتا ہے باقی سارا بدن آگ سے بچا ہوا ہوگا۔

لیکن حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جیسے ہانڈی ابلتی ہے، اور وہ سمجھ رہا ہوگا کہ جتنا عذاب مجھے ہے شاید کسی اور کو نہیں (ایضاً) یہ اس شخص کا انجام ہے جس نے نو سال کی عمر سے لے کر ترپن سال کی عمر تک حضور ﷺ کا ساتھ دیا ہے لیکن ''لا الہ الا اللہ'' نہیں پڑھا تو جہنم سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔

اللہ کی شانِ بے نیازی:

مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، اور مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، ان کی کتاب ہے ترجمان السنۃ بہت بہترین کتاب ہے اردو تشریحات کے ساتھ۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی شان بے نیازی دیکھو، کہ ایک قتل کے ارادے سے گیا ہے اور ایمان کے دولت پا گیا ہے، کون؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک پچاس

سال تک خادم رہا لیکن ایمان کی دولت سے محروم رہا، کون پوچھے ''لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ'' وہ خود کہتا ہے جو کروں مجھ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا تو شرک یہ ایسا جرم ہے کہ انسان کتنی ہی نیکیاں کرے جہنم سے نہیں بچے گا۔

کیا ابو طالب کی نیکیوں کا اعتبار ہے؟

ایک مرتبہ ایک شخص، نے مجھے فون کیا کہ آپ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ کسی مشرک کی کسی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں ،تو پھر ابو طالب کو سب سے کم عذاب کیوں ہے؟ جب ابو طالب کو سب سے کم عذاب ہورہا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس کی نیکیوں کا اعتبار ہے، یہ اس نے سوال کیا میں نے کہا، ابو طالب کو کم عذاب اس کی نیکیوں کے قبول ہونے کی وجہ سے نہیں ، بلکہ اس میں برائی نہ ہونے کی وجہ سے ہے ایک مشرک بھی ہے زانی بھی ہے، ایک مشرک ہے اور ڈاکو بھی ہے، ایک مشرک ہے اور قاتل بھی ہے، اور ایک مشرک ہے، لیکن وہ غریب پرور ہے ،لوگوں کو کھلاتا پلاتا ہے،تو کیا دونوں کا مقام برابر ہوگا؟ آخر جہنم میں بھی مختلف درجات ہیں تو وہ اعمال کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہیں اس لیے ابو طالب کے دامن پر شرک کے سوا کوئی داغ نہیں ، وہ شرک کی سزا ہے جو جہنم سے نکلنا نہیں ہوگا، باقی اس نے پاک صاف زندگی گزاری ہے کوئی عیب اس کے اندر نہیں تھا، جتنی ہمدردی کرسکتا تھا اس نے کی ہے۔

حضور ﷺ کی شان میں نظمیں پڑھتا تھا، ہر تکلیف میں ساتھ دیا لیکن توحید کے معاملہ میں شکست کھا گیا اب شرک کی یہ نوعیت ہے ، اور توحید کی وہ نوعیت ہے کہ ''لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ'' والے بھی نکل ہی گئے ،اس لیے اس بات کا سمجھنا بہت ضروری ہے ہمارے حج کی ابتداء اس بات سے ہے جس وقت تک اس کو صحیح طرح سمجھیں گے نہیں اور عقیدہ صحیح نہیں کریں گے ، اس وقت تک اعمال کا کوئی اعتبار نہیں ہے ، یہ میں نے تمہید باندھ دی ہے، کہ شرک کتنی بری چیز ہے، اور توحید کتنی اہم چیز ہے، اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عقیدہ توحید کی حقیقت

بموقع: سفرِ حج

بتاریخ: ۱۴۳۱ھ

بمقام: مکہ معظمہ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء:۲۵)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

تمہید:

کل آپ کی خدمت میں توحید اور شرک ان دونوں کی اہمیت واضح کی تھی کہ توحید کا نتیجہ کیا ہے، اور شرک کا نتیجہ کیا ہے، توحید میں انسان کی عزت ہی عزت ہے اور شرک میں انسان کی ذلت ہی ذلت ہے۔

مشرک جگہ بجگہ دھکے کھاتا ہے:

بطور تمہید کے یہ دو چار لفظ بول رہا ہوں کہ جتنی عزت انسان کو توحید سے ملتی ہے اتنی کسی چیز سے نہیں ملتی کہ انسان ساری مخلوق سے بے نیاز ہو کر صرف ایک کا ہو کر رہ جاتا ہے، جتنی ذلت انسان کو شرک سے ملتی ہے کسی چیز سے نہیں ملتی، کہ مشرک جگہ بجگہ سر ٹیکتا ہے، دھکے کھاتا ہے، اور ساری مخلوق کو اپنے اوپر مسلط کر لیتا ہے۔

- کہیں پانی کے سامنے جھکا ہوا ہے،
- کہیں درخت کے سامنے جھکا ہوا ہے،
- کہیں گائے کے سامنے جھکا ہوا ہے،
- کہیں آگ کے سامنے جھکا ہوا ہے،
- کہیں سورج کو پوج رہا ہے،
- کہیں ستاروں کو پوج رہا ہے،

دربدر دھکے کھاتا ہے اس کو اللہ نے اشرف المخلوق بنایا تھا اور باقی مخلوق کو اس کا خادم بنایا تھا تو یہ اشرف المخلوق اپنے خدا کے سامنے ذلیل ہوتا پھرتا ہے، اس سے بڑھ کر شرک میں اور ذلت کیا ہو سکتی ہے۔

شرک بدترین جرم ہے:

اور اللہ کے نزدیک شرک ہی سب سے بدتر جرم ہے اور شرک کی معافی نہیں ہے،

سورۃ الانعام (آیت ۸۳تا۸۸) میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ اٹھارہ پیغمبروں کا اکٹھا ذکر کیا ہے، اور پھر آگے اس کی تعمیم کردی ''ومن آبائهم و ذريتهم واخوانهم'' یہ تین قسم کے لوگ آگے بولے ہیں کہ ان کے آباؤاجداد اور ان کی اولاد، اور ان کے بھائی، سب کو اکٹھا ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ ''وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ'' کہ اگر اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں گے تو سب عمل باطل ہو جائیں گے، سارے پیغمبروں کی جماعت کا ذکر ہے۔

اور ایک جگہ خصوصیت کے ساتھ حضور ﷺ کو خطاب کر کے کہا ہے کہ تیری طرف بھی ہم نے وحی کی اور دوسرے لوگوں کی طرف بھی ہم نے وحی کی تھی، ''لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (زمر:۶۵)'' اگر آپ نے شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ عمل ضائع کر دے گا، کسی کا لحاظ نہیں ہے، نہ کسی بڑے کا نہ کسی چھوٹے کا، شرک ایسا جرم ہے، اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے، آخر بات یہاں آئی تھی کہ توحید اور شرک کا مفہوم کیا ہے؟ ایک لحاظ سے دیکھیں تو یہ آسان ترین مسئلہ ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ مسئلہ

بدوؤں کو،

ان پڑھ لوگوں کو،

بکریوں کے چرواہوں کو،

اونٹوں کے چرواہوں کو،

بھی سکھایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت آسان ہے کوئی زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن اگر اس کو علمی انداز میں لے کر اس کی تشریح شروع کر دی جائے تو سب سے زیادہ مشکل ترین مسئلہ یہی ہے، جس میں عقل مند آدمی بھی الجھے پھرتے ہیں۔

اس کے دونوں پہلو ہیں اسی لیے کل سے میرے دماغ پر یہ دباؤ تھا یا اللہ! اس مسئلہ کو میرے لیے آسان کر دے تا کہ میں بقدر ضرورت اس کی تفہیم کر دوں، کہاں سے

شروع کروں اور کدھر کو جاؤں تو رات بھی دماغ چکراتا رہا اس لیے کوشش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق کی ساتھ کہ کسی ترتیب سے اس مسئلہ کا ذکر آپ کے سامنے کردوں تاکہ بقدر ضرورت اس کی حد بندی ہو جائے کہ یہاں تک توحید ہے اور یہاں سے شرک شروع ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے بطور تمہید کے آپ دنیوی حکومت کا تصور کرلیں باقی ملکوں میں کیا ہوتا ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، اپنے ملک پاکستان کو ہم جانتے ہیں، ملک کی حکومت کا کیا دستور ہے، اس کا ایک بڑا ہوتا ہے بلکہ اپنے ملک کو چھوڑو کہ آپ کہیں گے کہ جمہوری نظام ہے، ہر کوئی جکڑا ہوا ہے۔

دنیا کے نظام سلطنت کا خاکہ:

یہ تصور کرو کہ مثلاً ایک بادشاہ ہے جسکو ہم کہتے ہیں کہ اس ملک میں تخت نشین ہے، تخت نشین کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے تخت نشین کا مطلب کیا ہے؟ کہ ایک تخت ہے جس کے اوپر اس کو بٹھایا ہوا ہے چیئرمین، کرسی والا اب میں کرسی پر بیٹھا ہوں تو میں چیئرمین ہوں لیکن یہ عنوان ہوتا ہے، اختیارات کے حاصل ہونے کا، بادشاہ تخت نشین ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں تک اس ملک کی حدود ہیں اب یہ اس کا حاکم ہے، یہ بااختیار ہے،

تخت نشین کا یہ معنیٰ ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ اس کو تخت پر ہی بٹھایا جائے، یہ اختیارات کے حاصل ہونے کا عنوان ہے، اسی طرح لفظ چیئرمین ہے، جب اس کو اختیارت حاصل ہوگئے وہ بادشاہ بن گیا۔

اب اس نے اس ملک کا نظام چلانا ہے، نظام چلانے کے لیے وہ شخص مجبور ہے کہ اپنے معاون قائم کرے، وہ اکیلا نظام نہیں چلا سکتا، اس نے چار گورنر بنا دیے،

ایک پنجاب کا بنا دیا،

ایک سرحد کا بنا دیا،

ایک بلوچستان کا بنا دیا،

اور ایک سندھ کا بنا دیا،

اب گورنر کو ایک صوبہ سپرد کر دیا، اب وہ گورنر بھی سارا صوبہ نہیں سنبھال سکتا اس نے صوبہ کے ڈویژن بنا کے اس کے کمشنر بنا دیئے، جیسے پنجاب میں

ملتان ڈویژن ہے،

بہاول پور ڈویژن ہے،

سرگودھا ڈویژن ہے،

راولپنڈی ڈویژن ہے،

لاہور ڈویژن ہے،

علاقے تقسیم کر کے وہاں کمشنر بٹھا دیئے اب وہ کمشنر بھی سارا نظم نہیں سنبھال سکتا اس نے اور چھوٹے چھوٹے علاقے متعین کر کے اپنے نائب متعین کر دیئے، ڈپٹی کمشنر بنا دیئے، اب ایک ڈپٹی کمشنر کے پاس ایک ضلع آ گیا اب ڈپٹی کمشنر پورے ضلع کو نہیں سنبھال سکتا تو اس نے اس کی تقسیم کر کے، تحصیلیں بنا کے اپنے نائب متعین کر دیے، ایک تحصیل دار پوری تحصیل نہیں سنبھال سکتا، اس نے اپنے نیچے پٹواری وغیرہ بنا دیئے، مختلف محکموں میں ایک بڑا بنا دیا، بڑے نے اپنے نیچے چھوٹا بنایا، محکمہ پولیس ہے، ایک اس کا آئی جی ہے جو صوبہ کا بڑا ہوتا ہے، نیچے انسپکٹر آتے ہیں، حتی کہ آپ کے علاقہ کا تھانے دار آ گیا، اور تھانے دار کے نیچے سپاہی ہوتے ہیں، یہ ملک کے انتظام کا ایک خاکہ ہے۔

اب جو اوپر بیٹھا ہوا ایک بادشاہ، گورنر وہ بناتا ہے، گورنر کا بنانا بھی اس کے اختیار میں ہے، گورنر کا ہٹانا بھی اسکے اختیار میں ہے، گورنر نے آگے جو عہدے تقسیم کیے وہ دینے بھی اس کے اختیار میں ہیں، چھیننے بھی اس کے اختیار میں ہیں، اگر اس نے کسی کو تھانے دار

بنایا ہے، تو بنانا بھی اس کے اختیار میں ہے، اور ہٹانا بھی اس کے اختیار میں ہے، آخر تک جو آخری آخری عہدے دار ہوتا ہے، اس کا بنانا اور ہٹانا بھی اس کے اختیار میں ہے۔

یہ اختیار اوپر سے چلا ہے اور یوں تقسیم ہوتا ہوتا نیچے آ گیا جب نیچے تک آ گیا تو اب مخلوق جو ہے پبلک، عوام الناس، علاقہ کے رہنے والے یہ اپنی ضروریات کے لیے حکومت کے تعاون کے محتاج ہوتے ہیں، حکومت کے تعاون کے بغیر یہ اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتے نظم جو قائم ہو گا حکومت کے تعاون سے ہو گا۔

اب آپ نے ایک پلاٹ خریدنا ہے تو اس کی حد بندی کے لیے آپ پٹواری کے پاس جائیں گے، پٹواری صاحب اس کی حد بندی کروائیں گے، اگر آپ پلاٹ خریدنا چاہیں اور سیدھے گورنر کے پاس چلے جائیں کہ کہروڑ پکا کے علاقہ میں ایک پلاٹ ہے، جو میں خریدنا چاہتا ہوں آپ اس کی حد بندی کر دیجیے، تو لوگ آپ کو عقل مند کہیں گے یا احمق کہیں گے؟

یہ کام تو پٹواری کا ہے گورنر کا تو نہیں ہے، اگر آپ کی ملاقات گورنر سے ہو بھی گئی تو وہ کہے گا کہ جاؤ جا کے پٹواری سے رابطہ کرو، وہ آئے گا پٹواری کے دروازے پر، اس کو کوئی تعلق نہیں گورنر سے، کوئی تعلق نہیں کمشنر سے، وہ محتاج ہے پٹواری کا، اس لیے پٹواری کو خوش کرنے کے لیے وہ پٹواری کو رشوت دے گا، صدر مملکت کو نہیں دے گا وہ کہے گا کہ پٹواری اگر خوش ہو گا تو میرا کام جلدی کر دے گا، اور اگر خوش نہیں ہو گا تو آئے دن ٹال مٹول کر کے مجھے پریشان کرے گا۔

تو اس علاقہ کی عوام کا تعلق زمین کے قطعات کے متعلق پٹواری سے ہے وہ کبھی بھی اپنی درخواست لے کر اوپر والے افسر کے پاس نہیں جائے گا، اور پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بنایا تو اس نے اس کو، اس نے اس کو، اس نے اس کو، لیکن یہ جتنے ہیں، یہ سارے کے سارے حکام کہلاتے ہیں، اور نیچے والا حاکم اپنے فیصلہ میں بڑے سے پوچھنے کا محتاج نہیں ہے۔

ذرا!! اس نقطہ کو سمجھ لو۔

پٹواری جس وقت آپ کو لکیریں لگا کر دے گا، تو وہ اوپر سے پوچھنے نہیں جائے گا میں اس کو لکیریں لگا دوں؟ پلاٹ کی تعیین کر دوں؟ اس بارے میں وہ کسی سے نہیں پوچھے گا، کمشنر جو احکام جاری کرتا ہے، کیا وہ ہر حکم کی منظوری گورنر سے لیتا ہے؟ گورنر جو احکام صوبہ میں جاری کرتا ہے، کیا وہ ہر حکم اوپر سے پوچھ کر دیتا ہے؟ صدر نے بنا دیا آگے خود مختار ہیں، یہی تو وجہ ہے آپ رشوتیں ان کو دیتے ہیں، اگر یہ خود مختار نہ ہوں تو آپ ان کو رشوت کیوں دیں؟

بس اسی سے شرک کو سمجھ لیجیے، کہ بنایا تو اس نے ہے "تملکه" لیکن وہ آگے خود مختار درخواست دی جائے گی تو وہ چھوٹے کو دی جائے گی براہ راست بڑے کو نہیں دی جائے گی، ہاں بڑے کو اختیار ہے اس کو معطل کر دے، عہدے سے ہٹا دے۔

لیکن جس وقت تک وہ اپنے عہدے پر ہے، اس وقت تک اس کے اقدامات اس کے فیصلے اپنی صواب دید پر ہوتے ہیں، وہ ہر اقدام کرتے وقت، اوپر سے پوچھنے کا محتاج نہیں ہوتا، اس لیے اوپر سے لے کر پٹواری تک سارے حکام ہی کہلاتے ہیں۔

- صدر بھی حاکم ہے،
- وزیر اعظم بھی حاکم ہے،
- گورنر بھی حاکم ہے،
- کمشنر بھی حاکم ہے،
- ڈپٹی کمشنر بھی حاکم ہے،
- پٹواری بھی حاکم ہے،
- آئی جی بھی حاکم ہے،
- ڈی ایس پی بھی حاکم ہے،

حکام کے علاوہ ایک اور طبقہ:

یہ سارے کے سارے حکام کہلاتے ہیں، اور ایک دوسری قسم کے ملازم ہوتے ہیں، جیسے کمشنر کے دروازے پر ایک چپڑاسی کھڑا ہوتا ہے، اندر حاکم ہے، وہ دروازے پر کھڑا ہے، اس کا کیا کام ہے کہ اندر سے اس نے کوئی کاغذ دینا ہے، وہ جا کے دے آئے گا، فلاں کو بلا کے لے آؤ وہ بلا کے لے آئے گا، کام تو وہ بھی کرتا ہے، لیکن با اختیار نہیں ہے، اس نے کہا کہ تو زید کو بلا کر لا، اس کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عمر کو بلا کے آئے، یا وہ کہتا ہے کہ یہ کاغذ فلاں کو دے کر آ، تو اسکو یہ اختیار نہیں کہ یہ کاغذ فلاں کے باپ کو دے آئے یا اسکے بیٹے کو دے دے، اس کو اختیار نہیں ہے وہ صرف حاکم کے حکم کی تنفیذ کرتا ہے۔

جس وقت آپ کو کوئی کام کروانے کی ضرورت ہو، تو درخواست آپ چپڑاسی کو دیں گے یا حاکم کو دیں گے؟

اگر آپ چپڑاسی کو کہیں کہ بھائی یہ پلاٹ میرے نام کر دو تو وہ کہے گا کہ یہ میرا کام نہیں وہ با اختیار بیٹھا ہے اس سے جا کر کہو ہماری حکومت کی تقسیم اس طرح سے اول سے لیکر آخر تک یہ ہے حکام کی لائن اور یہ ہے عوام کی لائن اور عوام اپنے کام کروانے کے لیے حکام کی محتاج ہے، اور تھانے دار کو رشوت دیں گے، پٹواری کو دیں گے، ذہنی طور پر آپ اوپر والوں سے مستغنی ہوتے ہیں، اور اگر کوئی کمشنر کو خوش کر لے، تھانے دار کی مخالفت کر کے تو اس کا کیا فائدہ، اگر ان کو خوش کرنا ہے یا ان سے کچھ لینا ہے، تو ان چھوٹوں سے بنا کر رکھو! چھوٹے خوش ہیں تو سارے خوش ہیں، اور اس کا معاملہ بڑے کے ساتھ ہے، جب تک وہ ہے چاہے اس کو معطل کرے چاہے رکھے، ہم نے اس کے دروازے کے چکر لگانے ہیں، ہم نے اس کو خوش رکھنا ہے، اور اس کو خوش رکھنے کے لیے اسکی خدمت کرنی ہے اس کو ہدیے دینے ہیں، بڑوں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے، ہم زندگی پاکستان میں اس طرح گزار رہے ہیں۔

اب کہیں گے کہ صدر بااختیار ہے، گورنر اس کے ساتھ اختیار میں شریک ہے، وزیراعظم، کمشنر، تھانیدار، پٹواری، یہ سب اس کے ساتھ اختیارات میں شریک ہیں، یہ سب مل کے نظام چلاتے ہیں، یہ سارے کے سارے اختیارات میں شریک ہیں، لیکن صدر کے محتاج ہیں جب چاہے ان کو بنائے، جب چاہے ان کو ہٹادے، اس لیے سارے ہی حکام کہلاتے ہیں، اور صدر کو اس سے کوئی تکلیف نہیں کہ گورنر کو حاکم کہا جائے، گورنر کو تکلیف نہیں کہ وزیراعظم کو حاکم کہا جائے، وزیراعظم کو کوئی تکلیف نہیں کہ تھانیدار کو اس کے حلقہ کی عوام حاکم کہیں۔

مشرک کے ذہن میں اللہ کا تصور:

اگر یہ حکومت کا نظم سمجھ میں آ گیا ہے، تو مشرک نے اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی حاکم مانا ہوا ہے، "تملکه وما ملك" "تیرا کوئی شریک نہیں ہاں ایسا شریک ہے جس کو تو نے بنایا ہے، وہ تیرے قبضہ میں ہے، وہ مالک نہیں ہے، وہ تیرے تابع ہے، ایسا شریک ہے، اس لیے مشرکانہ ذہن کا تقاضہ یہ ہے کہ انہوں نے محکمے تقسیم کر لیے، یہ علاقہ فلاں کے ذمہ ہے، یہ علاقہ فلاں کے ذمہ ہے، اور محکمے کر لیے تقسیم، کہ

- اس کے ذمہ بچے دینا ہے،
- اس کے ذمہ بارش دینا ہے،
- اس کے ذمہ رزق ہے،
- اس کے ذمہ یہ ہے،
- اس کے ذمہ یہ ہے،

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ مشرک آخری آخری کے پاس جاتے ہیں یا اللہ سے مانگتے ہیں؟ جہاں چاہو آنکھیں کھول کے دیکھ لو، ملتان میں جا کے دیکھ لو،

لاہور میں جا کے دیکھ لو، جہاں کسی بزرگ کا دربار ہوگا، مسجد ساتھ ہوگی، مسجد ویران پڑی ہے، اور وہاں جا کے دیکھو کہ کس طرح سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ سے کیا لینا، اللہ نے جو دینا تھا ان کو دے دیا، اب ہمارا واسطہ تو ان سے ہے اگر یہ خوش ہیں تو اوپر والا بھی خوش ہے، اگر انہوں نے منہ موڑ لیا تو ہمارا کام اوپر والا بھی نہیں کرے گا، بتایئے!

- چڑھاوے کہاں چڑھتے ہیں؟
- مسجد میں یا درباروں پر؟
- طواف کس کے ہوتے ہیں؟
- چادریں کہاں چڑھتی ہیں؟
- اور کیا ان مشرکوں کا مسجدوں سے تعلق ہے؟

وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے سب کچھ تقسیم کر دیا ہے، جو کچھ لینا ہے ہم ان سے لے لیں گے۔

نظام چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ کے کارندے:

اب دوسری بات سمجھنی آسان ہوگئی، ہم نے اللہ تعالیٰ کو ''مستوی علیٰ العرش'' مانا ہے اللہ کہتا ہے میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور عرش پر مستوی ہوگیا، اللہ تخت نشین ہوگیا، اس کائنات میں تخت نشین کون ہے؟ (اللہ) اب اللہ نے کسی احتیاج کے تحت نہیں، اپنی حکمت کے تحت، اپنی کائنات کا نظم چلانے کے لیے کارکن متعین کر دیئے، یہ فرشتے سارے کے سارے اللہ کے کارکن ہیں، اللہ نے علم اتار امخلوق کے لیے، جبرائیل علیہ السلام کو واسطہ بنایا، اور آپ جانتے ہیں کہ فرشتوں میں سے چار فرشتے سردار ہیں جبرائیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام اسرافیل علیہ السلام، عزرائیل علیہ السلام۔

موٹی سی بات ہے کہ موت کا محکمہ کس کے سپرد ہے؟ (عزرائیل علیہ السلام) عزرائیل علیہ السلام کو موت کا محکمہ دیدیا۔

اور اس دنیا کو فناء کرنے کا اور اس کائنات کو ختم کرنے کی ذمہ داری کس کے سپرد ہے؟ (اسرافیل علیہ السلام)۔ اور یہ بارش اور ہوا کا نظم کس کے ذمہ ہے؟ (میکائیل علیہ السلام)۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی لائن لگا رکھی ہے، جیسے حاکم وقت جیل بناتا ہے، اللہ نے بھی اسی طرح جیل بنائی جس کو جہنم کہتے ہیں اور اس کے نظام کے لیے اللہ تعالیٰ کہتا ہے (علیها تسعة عشر) اس کے اوپر انیس فرشتے حاکم ہیں، اور جو جیل کا بڑا ناظم ہے اس کا نام (مالک) ہے، جس کا ذکر سورۃ زخرف میں ہے، جنت بنائی اللہ تعالیٰ نے مہمان خانہ، (نزلاً من عند الله) وہ اللہ کا مہمان خانہ ہے، اور اس کے نظم کے لیے فرشتوں کی قطاریں لگی ہوئی ہیں۔

بڑے کو (رضوان) کہتے ہیں، جو ساری جنت کا انچارج ہے، اللہ نے بھی محکمے بنا دیئے اوپر سے لیکر نیچے تک فرشتوں کی لائن لگی ہوئی ہے، یہ تو مخفی ہے جو آپ کو نظر نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لیے، کیونکہ بندے براہ راست اللہ کی صفات کو سمجھ نہیں سکتے، اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق قائم رکھنا ہر بندے کے بس کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اسباب کا پردہ ڈال دیا، اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اسباب کے پردہ میں۔

اسباب کی ضرورت:

اور اللہ نے اپنی کچھ عادتیں متعین کر کے مخلوق کو بتا دیں کہ دیکھو! اس زمین کو میں نے تمہارے لیے خزانہ بنایا ہے یہ زمین میرا خزانہ ہے، تم میری مخلوق ہو، میں نے تمہاری ضروریات پوری کرنی ہیں، تو میرے سے ضروریات پوری کروانے کا طریقہ یہ ہے کہ میرے خزانہ میں سے نکالتے جاؤ اور کھاتے جاؤ اور اپنی ضرورتیں پوری کرتے جاؤ۔

- لیکن اس کا ایک طریقہ ہے، اگر آپ نے آم کھانے ہیں،
- تو آم کا پودا بولو یہ علامت ہے کہ تمہیں اس سے آم ملیں گے،

- بیر کھانے ہیں تو بیری بولو،
- سب کچھ اسی زمین میں ہے،
- کپڑے لینے ہیں تو کپاس بولو،
- چینی لینی ہے تو کماد بولو،
- گندم لینی ہے تو یہ کرلو،
- جو لینے ہیں تو یہ کرلو،

اپنی ضرورت کے لیے تمہیں لوہے کی ضرورت ہے تو زمین کھودو تمہارے لیے لوہا موجود، تمہیں پیتل چاہیے زمین کھودو پیتل موجود، اللہ کو قدرت ہے کہ کیکر پر آم لگادے لیکن عادت نہیں ہے، آپ کو اولاد چاہیے اس کا ایک طریقہ متعین ہے، تو دنیا میں ہم لیتے ہیں اسباب کے ساتھ۔

اب ایک آدمی شادی تو کرتا نہیں اور صبح سے لیکر شام تک ہاتھ اٹھا کر روتا ہے کہ یا اللہ! بیٹا دے دے یا اللہ! بیٹا دے دے تو نہیں ملے گا، اللہ کہتا ہے بیٹا لینا ہے تو طریقہ اختیار کرو، جو میں نے بتایا ہے، اور پھر اسباب کا پردہ ڈال کر بات وہی بتائی، کہ ان کو کچھ سمجھ نہ لینا یہ بھی میرے اختیار میں ہے، بہت سارے ہم جیسے لوگ پھرتے ہیں شادیاں کر کے اور اولاد نہیں ہوئی۔

اسباب کی قدر دانی:

اسباب بنائے لیکن اسباب کے ضمن میں بات ڈالی یہ مخلوق کو اپنے ساتھ کس طرح جوڑا ہے، جب ہم اس پر غور کرتے ہیں، تو اللہ کی قسم اتنا مزہ آتا ہے کہ اللہ نے اس مخلوق کو اپنے ساتھ کس طرح جوڑا ہے، ایک دوسرے کا ضرورت مند بنادیا کپڑا سلانا ہے آپ درزی کے محتاج ہوگئے، جوتا لینا ہے آپ موچی کے محتاج ہوگئے، کارخانہ کا مالک مزدور کا محتاج ہے، مزدور کارخانہ دار کا محتاج ہے، تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہنچتی ہیں

بالواسطہ، پھر اوپر سے حکم آ گیا کہ جس واسطہ سے میں تمہیں نعمت دوں وہ تمہارا محسن ہے، تم نے اسکا بھی شکر ادا کرنا ہے، پیدا کرتا ہے اللہ، واسطہ بنے والدین، ''اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ '' میرا بھی شکر گزار بن کر رہ اور اپنے والدین کا بھی شکر گزار بن کے رہ، علم دیتا ہے اللہ، واسطہ بنا استاذ جس واسطہ سے نعمت ملی ہے، جب تک اس کا شکر ادا نہیں کرو گے، میں اپنا شکر گزار نہیں سمجھوں گا۔

''مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (مشکوٰۃ ص ۲۶۱ ج ا ترمذی ص ۱۷ ج ۲)'' کس طرح آپس میں جوڑ دیا! کیسے جڑتے چلے گئے، ایسے ہی باقی نعمتیں ہیں کہ جو احسان کرنے والا ہے، اس پر تو پابندی لگائی کہ تو نے جتانا نہیں ہے، اگر جتلاؤ گے تو احسان باطل ہو جائے گا، لیکن جس پر احسان کیا گیا ہے اسے کہا گیا ہے کہ اپنے محسن کی تعریف بھی کر اور اس کا شکریہ بھی ادا کر۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مَنْ اَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ (مشکوٰۃ ص ۲۶۱ ج ا، ترمذی ص ۲۳ ج ۲)'' جو اپنے محسن کی تعریف کرتا ہے وہ شکر گزار ہے، اور جو کسی کے احسان کو چھپا لیتا ہے تذکرہ تک نہیں کرتا کہ فلاں نے مجھ پر احسان کیا ہے وہ ناشکرا ہے جس پر احسان کیا گیا ہے، وہ بولے۔

احسان کرنے والا نہ بولے وہ کہے'' اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر: ۹)'' ہم نے تو اللہ کی رضاء کے لیے تمہیں کھلایا ہے ہمیں نہ جزاء کی ضرورت ہے نہ شکر گزاری کی ضرورت ہے اس کو یہ بتایا کتنا شاندار جوڑ لگایا ہے۔

ورنہ آپ جانتے ہیں کہ احسان کرنے کے بعد اگر احسان آدمی جتلاتا ہے، تو اس سے بہتر تھا کہ احسان نہ کرتا تو اس کو اتنی تکلیف نہ ہوتی، لیکن احسان کرنے کے بعد جتلانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کی نظر میں ذلیل ہو گیا ہوں مجھے اس کا احسان قبول ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے محبت کو جوڑ دیا نیچے سے اوپر تک محبت ہوتی چلی جاتی ہے۔

حتی کہ دنیا کے اندر سب سے بڑے محسن انبیاء علیہم السلام ہیں ان سے محبت ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے، ساری مخلوق کو اس طرح جوڑ دیا اس میں کوئی شک نہیں کہ اولاد اللہ دیتا ہے والدین کی وساطت سے لیکن والدین کا اختیار نہیں ہے، اب فرق آ گیا، علم دیتا ہے اللہ، دیتا ہے استاذ کی وساطت سے لیکن استاذ کا اختیار نہیں ہے استاذ چاہے کہ میں اس کو عالم بنا دوں یہ اس کے بس کی بات نہیں، استاذوں کے اپنے بیٹے جاہل رہ جاتے ہیں جاہلوں کے بیٹے پڑھ جاتے ہیں۔

واسطے ہم نے بھی مانے لیکن:

تو واسطے ہم نے بھی مانے نظم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح قائم کیا، لیکن پورے کا پورا نظم اللہ کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ کوئی بااختیار نہیں ہے، ڈاکٹر آپ کو صحت نہیں دے سکتا لیکن ملے گی آپ کو صحت ڈاکٹر اور طبیب کی وساطت سے، ورنہ اگر ڈاکٹر کے اختیار میں یہ بات ہوتی تو کم از کم ہسپتالوں سے جنازے نہ اٹھتے۔

ہم کائنات کا نظم مانتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بااختیار نہیں سمجھتے اس لیے حاکم صرف ایک ہے، ہم کسی دوسرے کے لیے حاکم کا لفظ نہیں بول سکتے۔

میں حاکم کا ترجمہ کرتا ہوں الٰہ کے ساتھ، الٰہ واحد ہے آلہہ نہیں ہیں، آلہہ وہی ہیں جن کو ہم حکام کہتے ہیں، اور مشرکوں کے سامنے جب یہ بات آتی، ایک ہی آیت سے سارا خاکہ سمجھ میں آ جاتا ہے، سورۃ ص کی پہلی آیتیں جن میں مشرکوں نے اپنی حیرانی کا ذکر کیا ہے ''اَجَعَلَ الْآلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا'' یہ ہے پریشانی کیا اس نے سارے خداؤں کو ایک ہی خدا بنا دیا ایک آدمی سارا نظم کیسے چلا سکتا ہے یہ ان کی حیرانی ہے، ''اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ'' یہ تو عجیب بات ہے یہ کہتا ہے کہ الٰہ ایک ہی ہے، کوئی اور ہے ہی نہیں، سارے الٰہوں کو ایک ہی اِلٰہ بنا دیا، وہ ان دونوں باتوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔

اس لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر کیا ہے، جہاں شرک کا ذکر کیا ہے، وہاں اپنی صفات کو بہت نمایاں کیا ہے کہ اللہ کو اپنے پر قیاس نہ کرو، ''لَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (نحل:۷۴)'' اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، اللہ تعالیٰ کا تعلق اپنی مخلوق کے ساتھ، اتنے ہی فرق کے ساتھ براہ راست ہے، قدرت کا تعلق بھی براہ راست ہے، علم کا تعلق بھی براہ راست ہے ذرہ ذرہ سے وہ واقف ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، اور اس پر کبھی اپنی مخلوق کی طرف سے غفلت طاری نہیں ہوتی ''لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ'' وہ ہر وقت بیدار ہے باقی ساری مخلوق جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی پر احسان کرنے کے لے واسطہ بنایا ہے وہ اللہ کے کارندے ہیں اللہ کے ساتھ اقتدار میں شریک نہیں۔

مثال سے وضاحت:

میں اس کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ہمارے پاس مسافر طالب علم ہوتے ہیں دور دور کے، کسی طالب علم کا منی آرڈر آتا ہے تو ڈاکیا لے کے آ گیا، وہ طالب علم کو بلاتا ہے دستخط کرواتا ہے اور سو روپے دے دیتا ہے، دوسرا طالب علم کھڑا دیکھ رہا ہے اس ڈاکیے کو وہ آگے بڑھ کر کہے کہ کل میرے لیے بھی لے آنا تیری مہربانی ہوگی میں تجھے چائے پلاؤں گا میں تیری خدمت کروں گا، منتیں کرے اس کو سجدہ کرے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کیا ڈاکیا منی آڈر لے آئے گا۔

وہ کہے گا میرے اختیار میں نہیں ہے اس کے ماں باپ نے بھیجا تھا میں نے پہنچا دیا اپنے ماں باپ کو کہو کہ وہ بھیجیں، جب وہ بھیجیں گے میں مجبور ہوں پہنچا کے جاؤں گا، میرے اختیار میں کیا ہے، پیچھے سے آئے گا تو پہنچاؤں گا، اگر پیچھے سے نہیں آئے گا تو کیسے پہنچاؤں گا، اب عزرائیل علیہ السلام ہے آپ جانتے ہیں کہ یہ جان نکالتا ہے، آپ کا بچہ بیمار ہے آپ عزرائیل علیہ السلام کے نذرانے دیں، چڑھاوے چڑھائیں، تسبیحیں پڑھیں، گیارہویں دیں، جو چاہیں کرتے رہیں کہ عزرائیل علیہ السلام میرے بچہ کی جان نہ نکال۔

اللہ تعالیٰ کہتا ہے ''یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ (السجدۃ:۱۱)'' موت کا فرشتہ تمہیں وفات دیتا ہے اب تم میرے اوپر مہربانی کرنا تم میرے بچہ کو وفات نہ دینا، قرآن کہتا ہے، ''یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ'' جب موت کا فرشتہ وفات دیتا ہے تو میں تیرے نام پر چڑھاوے چڑھاتا ہوں تیرے نام کا وظیفہ پڑھتا ہوں، تجھے سجدے کرتا ہوں، تیری مہربانی ہوگی، میرے بچہ کی جان نہ نکالنا، وہ کہے گا بابو! ہم تو اس طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ''لَایَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَایُؤْمَرُوْنَ'' اللہ کی نافرمانی ہمارے اختیار میں نہیں جو حکم ہو ہم تو ویسے ہی کرتے ہیں۔

اب بتاؤ! یہ حاکم ہوا، کیا یہ حاکم ہے؟ یہ تو اس طرح ہے کہ جس کے متعلق کہہ دیا کہ اس کی جان نکال لو تو اس نے اس کی جان نکالنی ہے کسی اور کی نہیں نکالنی اور جہاں نکالنی ہے وہیں نکالنی ہے کسی دوسری جگہ نہیں نکالنی، ''لایعصون اللہ ماامر ھم'' اللہ جو حکم دے دے وہ نافرمانی نہیں کرتے ''ویفعلون مایؤمرون'' جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں۔

عزرائیل علیہ السلام گھور رہے تھے:

حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ہے ''شفاء الصدور فی احوال الموتیٰ والقبور''، اس میں انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے دور میں فرشتے بھی انسانوں کو نظر آجایا کرتے تھے، سلیمان علیہ السلام کا دربار تھا، تو وہاں عزرائیل علیہ السلام آگیا، جب عزرائیل علیہ السلام آگئے تو ایک آدمی کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں اور وہ پریشان ہوگیا کہ یہ جو گھور گھور کر دیکھ رہا ہے تو ضرور کوئی خطرے کی بات ہے، وہ سلیمان علیہ السلام کے پاس جا کر کہنے لگا مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے عزرائیل علیہ السلام مجھے بہت غور سے دیکھ رہا تھا، مہربانی کر کے مجھے کسی محفوظ جگہ پہنچا دو سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ کہاں جانا چاہتے ہو؟

کہتا ہے مجھے ہند پہنچا دو مراد اس سے ہندوستان ہے، سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے اس کو اٹھایا اور اٹھا کے ہندوستان کے کسی علاقہ میں پہنچا دیا اور جب وہ ہندوستان میں پہنچا تو پہنچتے ہی مر گیا۔

دوسرے وقت میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کی ملاقات حضرت سلیمان علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں پوچھا کہ وہ تیری شکایت کر رہا تھا کیا بات تھی کہنے لگے مجھے حکم تھا کہ اس کی جان ہندوستان میں نکالنی ہے وقت بہت تھوڑا رہ گیا تھا میں حیران تھا کہ یہ وہاں پہنچے گا کیسے۔

دیکھو! کیسے پہنچ گیا اب حکم ہوتا ہے کہ میری جان فلاں جگہ نکلنی ہے مثال کے طور پر میں کہروڑ پکا بیٹھا ہوا ہوں اور مرنا میں نے میاں والی میں ہے حکم یہ ہے کہ اس کی جان میاں والی نکالنی ہے میں باقاعدہ گاڑی نکالوں گا، ڈرائیور بلاؤں گا، پٹرول ڈالوں گا، گیس بھرواؤں گا اسے کہوں گا چلو میاں والی چلنا ہے، جب میاں والی پہنچوں گا تو جان نکال لے گا یوں چل کے جاتی ہے مخلوق اللہ کے حکم کے تحت۔

توحید اور شرک میں بنیادی فرق:

تو کیا ہوا؟ اس کا آسان ترین مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ سارے مجبور، مختار اللہ کے علاوہ کوئی نہیں، یہ ہے توحید اور چھوٹے چھوٹے بنا لینا کہ ہمارا واسطہ ان سے ہے یہ آگے کہیں گے، اور یہ کہیں یا نہ کہیں یہ شرک ہے، ''الا شریکاً ھُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ'' ہیں تیرے اختیار میں بنائے ہوئے تیرے ہیں لیکن ہیں شریک، اس لیے ان کے لیے آلہہ کا لفظ بولتے تھے جیسے اللہ کو الٰہ کہتے تھے، ان کو بھی الٰہ کہتے تھے، جیسے بادشاہ کو حاکم کہتے ہیں اور باقیوں کو بھی حاکم کہتے ہیں۔

وہ آلہہ کا لفظ بولتے تھے، تو لفظ آلہہ پر آپ غور کریں اس لیے ان کو با اختیار مانتے تھے اگر چہ اللہ کے تابع مانتے تھے، لیکن جس وقت تک اللہ نے ان کو کسی منصب پر بٹھایا ہوا ہے اس وقت تک ہمارے یہ ہیں، ہمیں اوپر والے سے کوئی واسطہ نہیں یہ کام کریں گے تو ہو جائے گا، یہ نہیں کریں گے تو اوپر والا بھی نہیں کرے گا، اور وہ کہے گا کہ انہی سے جا کر رابطہ کرو اس لیے سجدے ان کو، چڑھاوے ان کے، طواف ان کی قبروں

کے ، یہ ذہنی طور پر تقسیم کر کے ہم یوں بیٹھ گئے ، یہ ہے سارے کا سارا فلسفہ شرک کا جو لوگوں نے اختیار کر رکھا تھا، کہتے تھے کہ اتنی بڑی کائنات کو ایک نہیں سنبھال سکتا اس کو چھوٹے چھوٹے الٰہوں کی ضرورت ہے۔

شرک یہ ہوتا ہے، عنوان لے لو تو بہت آسان کہ اللہ کے علاوہ سارے مجبور کوئی مختار نہیں اور تفصیلات میں جب آئیں گے تو اسباب کے اندر آ کے عقل دھوکہ کھا جاتی ہے، جبکہ ہمیں سبق یہ پڑھایا گیا ہے کہ اسباب تو پردہ ہے جو اللہ نے اپنی عادت کے طور پر ڈالدیا، انسان ظاہر کو دیکھتا ہے، باطن کی طرف اس کی نظر نہیں جاتی ، ورنہ اسباب میں کچھ نہیں جو کچھ کرنا ہے اللہ نے کرنا ہے، تمہارا کام ہے تم بیمار ہو تو طبیب کے پاس چلے جاؤ، طبیب دوائی دے گا ، بیماری معلوم ، دوا معلوم ، سو جگہ آزمائی ہوئی ہے کہ اس دوائی کیساتھ مریض ٹھیک ہو گیا، لیکن آپ نے لی ہے تو آپ کو کچھ فرق نہیں ، جس سے معلوم ہو گیا کہ دوائی میں کچھ نہیں ہے ، سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے ، اللہ جو چاہے کرے ، جو چاہے نہ کرے۔

یہاں آ کے فرق پڑتا ہے تو ایمان کا تقاضہ ہے کہ نظریہ یہ ہو کہ پوری کائنات میں حاکم صرف اللہ ہے ، باقی اللہ کے کارندے ہیں انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا ہے ، اختیار میں کسی کے کچھ نہیں ہے ، جب چاہے وہ آباد کرے جب چاہے برباد کرے ، پھر ایک بات اور بھی یاد رکھیے! کہ رعب جو ہوتا ہے وہ اختیارات کی وجہ سے ہوتا ہے ، اب جو وزیر اعظم ہوتے ہیں ان کی دو ہی ٹانگیں ہوتی ہیں ، ہماری بھی ہیں ، جب وزیر نہیں ہوتے تو اس وقت بھی دو ٹانگیں ہی ہوتی ہیں البتہ جس وقت وزیر نہیں ہوتے تو دھکے کھاتے پھرتے ہیں ، کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہوتا ، لیکن جب اختیارات مل گئے تو اب جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قیامت برپا ہو گئی ، ایک فوج کا افسر ہے اس کے اختیارات فوج

میں ہیں وہ کسی جگہ دورے پر آئے تو فوج والے تو بھاگتے پھریں گے، تاجروں کو کوئی پرواہ نہیں، پولیس کا افسر آئے گا تو تھانے والے تو بدکتے پھریں گے لیکن سکول ماسٹر کو کوئی پرواہ نہیں، محکمہ تعلیم کا آدمی آجائے تو سکول کے ماسٹر تو سارے ڈرتے پھریں گے لیکن دوسروں کو کوئی پرواہ نہیں۔

توحید کے اثرات:

رعب اصل میں اختیارات کا ہوتا ہے، بے اختیار کا کوئی رعب نہیں ہوتا، اسلئے موحد صرف اللہ سے ڈرتا ہے کسی اور سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اس کو پتہ ہے کہ میرا کوئی کچھ بگاڑ تو سکتا نہیں تو ڈرنے کی کیا بات ہے، یہ تھی وہ روایت جو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تمہارے سامنے پڑھی تھی کہ بیٹا اللہ کا خیال رکھنا اللہ تیرا خیال رکھے گا" اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْكَ " دھیان رکھنا اللہ تیرے سامنے ہے۔

اگلی بات تھی جو اصل کہنے کی ہے" اَنَّ الاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ " اگر انسانوں کی ساری جماعت اکٹھی ہو جائے" عَلٰی اَنْ یَنْفَعُوْكَ بِشَیْءٍ " کہ تجھے کوئی نفع پہنچا دیں " لَمْ یَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ " نہیں فائدہ پہنچا سکتے مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے" وَلَوِ اجْتَمَعُوْا " اور اگر سارے ہی انسان جمع ہو جائیں" علٰی ان یضروك بشیء " کہ تیرا کچھ بگاڑ دیں" لَمْ یَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَیْكَ " نہیں بگاڑ سکتے مگر وہی جو اللہ نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھالئے گئے صحیفے خشک ہو گئے، جو فیصلہ ہونا تھا ہو گیا اب کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

اور یہ مشرک جو ڈرتے ہیں قرآن میں بار بار کہا گیا ہے مثلاً " لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ (یونس ١٨) " ڈرتے کیوں ہو نہ نفع ان کے ہاتھ میں ہے نہ نقصان ان کے ہاتھ میں ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا کر لیا تو پیر بیڑہ غرق کر دے گا، یہ پیر ہمارے بچے کو مار دے گا تو یہ نہ بگاڑ سکتے ہیں نہ سنوار سکتے ہیں، یہ اختیار صرف اللہ کا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کتنے اچھے انداز میں بیان کیا ہے کہ موحد اللہ کو ایک ماننے والا اس کے پاؤں پہ سونے کے ڈھیر لگا دو وہ اپنے مؤقف سے نہیں ہٹے گا، نہ اس کو کسی سے امید ہوتی ہے، اور نہ کسی سے خوف ہوتا ہے، توحید کی بنیاد اسی پر ہے کہ نہ کسی سے امید اور نہ کسی کا خوف، بس جو کچھ ہے اللہ کے اختیار میں ہے، تو مجھے بتاؤ کہ ساری مخلوق سے بے نیاز کرنے والا عقیدہ توحید انسان کو کتنی عزت دیتا ہے۔

اور بخلاف اس کے اگر تمہارے گھٹنے میں تکلیف ہے تو فلاں قبر پہ جا کے چڑھاوے چڑھاؤ، اگر تمہیں کوئی اور تکلیف ہے تو فلاں قبر پہ جا کے چادر چڑھاؤ تو تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی، اور اگر تمہیں رزق کی ضرورت ہے تو فلاں قبر پہ جا کے منتیں مانو تمہیں رزق مل جائے گا، اور اگر تمہیں بارش کی ضرورت ہے تو فلاں قبر پہ جا کے درخواست کر کے آؤ، دھکے کھاتے پھرتے ہیں ذلیل ہوتے پھرتے ہیں، اس لیے میں نے کہا کہ شرک انسان کو سب سے زیادہ ذلیل کرنے والی چیز ہے، اور توحید سب سے زیادہ انسان کو عزت دینے والی چیز ہے۔

یہ ہے حقیقت اور یہ ہے آپ کے حج کا پہلا سبق ''لاشریک لک لاشریک لک'' تیرا کوئی شریک نہیں، یعنی تیرے علاوہ کوئی بادشاہ نہیں یہ ہم نعرے لگاتے ہوئے آتے ہیں اور سارے سفر حج کے اندر آپ نے یہ اصول حاصل کرنا ہے اور حضرت ابرہیم علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ ستاروں کی الوہیت کے قائل تھے انہوں نے اس کو باطل کیا، وقت کے بادشاہ رب بنے بیٹھے تھے اس سے ٹکر لی وقت کا بادشاہ نمرود تھا'' حَاجَّ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ رَبِّهٖ (بقرہ ۲۵۸) رب کے معاملہ میں جھگڑا کیا تھا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور موت بھی دیتا ہے، اس نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں ''قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ '' فرعون نے ''انا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (نازعات ۲۴)'' کا نعرہ لگایا، سارے بااختیار بنتے ہیں، لیکن اللہ کہتا ہے ''اَنْ آتَاهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ'' چونکہ نمرود کو میں نے مالی طور پر سلطنت دے رکھی تھی تو اس کے دماغ میں آ گیا کہ میں رب ہوں۔

اور پھر جب اللہ تعالیٰ ان کے خناس کو نکالنے پر آتا ہے تو پھر ایک مچھر کے ذریعہ سے بھی نکال دیتا ہے، فرعون کہتا تھا ''انا ربکم الاعلیٰ'' زیادہ سے زیادہ چھٹانک یا دو چھٹانک پانی ناک میں گیا ہوگا، فوراً کہا '' آمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ (یونس: ۹۰) ''میں تو رب نہیں ہوں میں موسیٰ اور ہارون کے رب کو مانتا ہوں، دو چھٹانک پانی سے ساری خدائی نکل گئی۔

یہاں پھر پتا چلتا ہے کہ قدرت والا کون ہے، اختیار کس کا ہے، کسی کا کوئی اختیار نہیں، '' لا الہ الا اللہ ''اصل بات یہی ہے اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کو اپنانے کی توفیق دے۔

دیکھو! میں نے وہ دوسری بات جوڑ دی محسنین کا ادب، محسنین سے محبت، محسنین کی شکرگزاری، یہ توحید کے خلاف نہیں بلکہ یہ اسی الٰہ کا حکم ہے

 اس لیے محدثین ہمارے محسن،

 فقہاء ہمارے محسن،

 انبیاء ہمارے محسن،

 صحابہ ہمارے محسن،

 ہمارے استاد ہمارے محسن،

 اولیاء اللہ جنہوں نے دین پھیلایا ہے وہ ہمارے محسن،

ان سب کے ہم شکرگزار ہیں،

ان سب کے لیے ہم دعائیں کرتے ہیں، ان کا ادب کرتے ہیں، ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

یہ دیکھو! اسی عقیدہ توحید سے ساری کی ساری مخلوق یوں آپس میں جڑی ہوئی ہے، اب اگر کوئی کہے کہ یہ اولیاء اللہ کو نہیں مانتے، تو یہ سب بہتان ہے، ان کا حقیقت سے

کوئی تعلق نہیں اولیاء کا منکر، محدثین کا منکر، فقہاء کا منکر، والدین کا گستاخ وہ سارے اللہ کے بھی گستاخ ہیں، اور اللہ کے بھی نافرمان ہیں، ''مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ'' جو بندوں کا شکر گزار نہیں، وہ اللہ کا بھی شکر گزار نہیں، اس طرح سب کو جوڑ کر رکھ دیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقت اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سب سے بڑا محسن کون؟

بموقع: ختم بخاری شریف

بتاریخ: 6 شوال 1431ھ

بمقام: جامعہ اشرفیہ مانکوٹ

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ !

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

سب سے بڑا سخی کون؟:

مشکوٰۃ شریف میں کتاب العلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا "هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْداً" کیا تمہیں معلوم ہے "مَنْ اَجْوَدُ جُوْداً" لفظ جود عام طور پر ہم اس کا ترجمہ سخاوت سے کر دیتے ہیں سخاوت بھی عربی کا لفظ ہے اور جود بھی عربی کا لفظ ہے۔

دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے عام طور پر سخاوت کا لفظ بولا جاتا ہے کسی کو مالی نفع پہنچانے پر اور جود کا لفظ اس کے مقابلہ میں عام ہے کوئی نفع پہنچایا جائے

علمی ہو۔

عملی ہو۔

اخلاقی ہو۔

مالی ہو۔

جو بھی نفع پہنچایا جائے اس کو جود کہتے ہیں تو جود عام ہے اور سخاوت خاص ہے اپنی زبان میں چونکہ لفظ جود استعمال نہیں ہوتا اور لفظ سخاوت استعمال ہوتا ہے اور سخاوت کرنے والے کو سخی کہتے ہیں۔

تو اس عام عرف کے اعتبار سے اسکا معنی کیا جا سکتا ہے کہ تمہیں پتا ہے کہ سب سخیوں میں سے بڑا سخی کون ہے؟

اس کا معنی عام عرف کے مطابق یہ کیا جا سکتا ہے، ورنہ جود کا مفہوم سخاوت میں بند نہیں ہے معنی یہ ہوگا کہ تمہیں پتا ہے کہ جود کی صفت سب سے زیادہ کس میں پائی جاتی ہے یعنی دوسرے کو نفع پہنچانے کی صفت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مجلس میں اس قسم کی گفتگو ہوتی اور وہ سمجھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے پوچھنا مقصود نہیں ہے بلکہ ہمیں

کچھ بتانا مقصود ہے اس لیے ایسے موقع پر ان کا جواب یہی ہوتا تھا ''اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم''
اس سوال کا جواب اللہ جانتا ہے یا اللہ کا رسول جانتا ہے اس کا معنی ہمیں نہیں معلوم یعنی ہمیں
نہیں معلوم کہ جود کے اعتبار سے سب سے زیادہ کون ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''اَللّٰہُ اَجْوَدُ جُوْداً'' جود کے اعتبار سے سب سے
زیادہ اللہ ہے جتنا نفع مخلوق کو اللہ کی ذات سے پہنچتا ہے کسی سے تصور نہیں کیا جا سکتا، ہر قسم کا
نفع، ہر قسم کی راحت مخلوق کو اللہ کی جانب سے پہنچتی ہے وہ تو ہے ہی ایک حقیقت ہر چیز کا
مالک وہی، ہر چیز کا خالق وہی تو جود اس کی طرف سے ہے۔

بنی آدم میں سب سے بڑا سخی:

اور پھر فرمایا ''ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ آدَم'' اللہ تعالیٰ کے بعد ساری آدم کی اولاد
میں سے سب سے زیادہ صاحب جود میں ہوں واقعہ ہے کہ اللہ کی ذات کے بعد پوری
مخلوقات کو جتنا فائدہ آپ کی ذات سے پہنچایا آپ کی ذات نے پہنچایا ہے اور پہنچتا رہے گا
قیامت کے بعد تک اللہ کی مخلوق میں اور کوئی نہیں ہے، جود کے اعتبار سے تمام بنی آدم سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہیں۔

پھر فرمایا ''ثُمَّ اَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ'' پھر میرے بعد تمام لوگوں میں سے زیادہ
جود والا ''رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَ'' (مشکوۃ/ا ص ۳۷/ شعب الایمان/۲ ص/۲۸۱) پھر وہ
شخص ہے جس نے علم حاصل کیا اور پھر علم حاصل کرنے کے بعد اس کو پھیلایا گویا کہ علم کا
حاصل کرنا یہ تو اپنی ذات کے لیے ہوا اور پھر اس کا پھیلانا یہ مخلوق کے لیے ہوا تو اصل جود
پھیلانا ہے، میرے بعد آدم کی اولاد میں سے سب سے زیادہ صاحب جود وہ شخص ہے جس
نے علم حاصل کیا اور پھر اس کی نشر و اشاعت کی یہ ہے اس روایت کا ترجمہ۔

آخری جزء ہے جس کے متعلق کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے علم پھیلانے والا
یہاں پر علم سے مراد شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے احکام، اس کی

مرضیات ونامرضیات کو جاننا اس جاننے کو شرعی اصطلاح میں علم کہتے ہیں یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج آپ کسی سکول اور کالج کی دیوار کے پاس سے گزریں گے تو اکثر و بیشتر دیوار پر لکھا ہوتا ہے ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ/۱/ص۲۰، مشکوٰۃ /۱/ص۳۴) علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے مسلمۃ کا لفظ روایت میں نہیں ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہے مرد پر بھی فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے۔

تو وہاں اس حدیث کو جو نقل کرتے ہیں تو پڑھنے والے کو یہ تأثر دینا مقصود ہوتا ہے کہ اس کی چار دیواری میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے یہ ہے ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ'' کا مصداق جو ہر مسلمان کے اوپر فرض ہے کہ اس علم کو حاصل کرے اس کا مصداق وہ ہے جو اس سکول، کالج کی چار دیواری میں پڑھایا جاتا ہے۔

دیوار پر لکھنے کا مقصد یہی ہوا کرتا ہے اس لیے عام لوگوں کے ذہن میں یہ ہے کہ شاید علم اسی کو کہتے ہیں جو سکول، کالج کی چار دیواری میں پڑھایا جاتا ہے اس لیے میں عرض کر رہا ہوں کہ شریعت کی اصطلاح میں، قرآن وحدیث میں علم کا مصداق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات ونامرضیات کا جاننا شریعت کے اعتبار سے، عرف کے اعتبار سے علم اس پر صادق آتا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ پڑھایا پڑھایا جاتا ہے وہ شرعی علم نہیں۔

بدنی ضروریات کا علم:

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ دوں کہ علم دو قسم پر ہے۔

ایک علم وہ ہے کہ جس کے ساتھ انسان کی بدنی ضروریات پوری ہوتی ہیں،

بدنی ضروریات کیا ہیں؟ مثلاً

- آپ کی غذا ہے۔
- آپ کی دوا ہے۔

آپ کا لباس ہے۔

آپ کی راحت کے اسباب ہیں۔

آپ کے سفر کی سہولیات ہیں۔

یہ ساری کی ساری چیزیں انسان کی بدنی ضرورت ہیں پیٹ بھرنے کے لیے آپ کو زمین کی پیداوار کی ضرورت ہے۔ پیداوار سے جو چیز تعلق رکھتی ہے اس کا جاننا یہ علم زراعت کہلاتا ہے جس کے لیے زرعی کالج موجود ہیں۔

آپ کے بدن کو صحت کی ضرورت ہے، بدنی صحت اور بیماری یہ جس علم میں زیر بحث آتی ہے یہ علم علم طب کہلاتا ہے جس کو انگلش میں آپ میڈیکل کہتے ہیں یہ سارا علم طب اور میڈیکل یہ آپ کی بدنی تکالیف سے بحث کرتا ہے۔

آپ کا سر درد کرے۔

آپ کا پیٹ درد کرے۔

آپ کی ہڈی ٹوٹ جائے۔

کوئی کسی قسم کی تکلیف ہو تو اس کا علاج معالجہ جس علم میں کیا جاتا ہے اس کو علم طب کہتے ہیں، اس علم کے مراکز میڈیکل کالج کہلاتے ہیں، دار الطب کہلاتے ہیں، میڈیکل کالجوں میں یہی ہوتا ہے، آپ کی صحت زیر بحث ہوتی ہے کہ تکلیف ہو جائے تو اس کا ازالہ کیسے کرنا ہے، مثانہ میں تکلیف ہوگئی، پتھری ہے، پیشاب نہیں آتا، اس کا ازالہ کیسے کرنا ہے، گردے میں تکلیف ہوگئی، آنکھ میں ہوگئی، کان میں ہوگئی، بدن میں درد رہتا ہے، کوئی ہڈی ٹوٹ گئی، یہ سارے کا سارا موضوع علم طب کا ہے، اس کو طب کہتے ہیں۔

اور جہاں ان چیزوں پر بحث ہوتی ہے اس کو میڈیکل کالج کہتے ہیں، میڈیکل کالجوں میں یہی کچھ پڑھایا جاتا ہے کہ آپ کا پیشاب صحیح ہے یا نہیں؟ پاخانہ صحیح ہے یا نہیں؟ س کی رنگت کیسی ہونی چاہیئے، آپ کو اپنی زندگی میں لباس کی ضرورت ہے لباس بنانے کے

لیے لباس تیار کرنے کے لیے کتنے صنعتی کارخانے ہیں جہاں آپ کا لباس تیار کیا جاتا ہے،

گرمی کے مطابق۔

سردی کے مطابق۔

زیب وزینت کے مطابق۔

آپ کو سجانے کے لیے یہ سارے کے سارے کارخانے آپ کے لباس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ آپ کی جتنی ضرورتیں ہیں آپ کو سڑکوں کی ضرورت ہے تو انجینئرنگ کالج موجود ہیں جہاں انجینئر تیار کئے جاتے ہیں۔

اور اسی طرح سائنسی ترقی کے تحت دوسری چیزیں ہیں۔ پہلے آپ پیدل سفر کرتے تھے۔ گھوڑے گدھے پر سفر کرتے تھے۔ لیکن اب موٹریں بن گئیں۔ کاریں بن گئیں آپکو ہوا میں اڑا دیا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لئے کتنے آسان ذرائع آپ کے لئے بنا دیئے یہ سب آپ کے سائنسی کارنامے ہیں۔ اور یہی صنعت کے اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ایسی جو ضرورت بھی آپ کے علم میں آجائے آپ کے بدن کی اس کے لئے دنیا میں مختلف علوم پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔

اور سکولوں کالجوں کی چاردیواری میں یہی چیزیں ہیں جو آپ کو پڑھائی اور سکھائی جاتی ہیں۔ لیکن آپ اگر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ساری کی ساری ضرورتیں ایسی ہیں جو انسان سے تعلق رکھتی ہیں، آدم کی اولاد سے تعلق رکھتی ہیں، ان ضروریات میں کافر اور مسلم کا کوئی امتیاز نہیں ہے، یہ کافر کی ضرورتیں بھی ہیں اور مسلمان کی ضرورتیں بھی ہیں، اس لئے یہ سارے کام کافر بھی کرتا ہے اور مسلمان بھی کرتا ہے۔

زراعت میں مہارت کافروں کو بھی ہے۔

صنعت میں مہارت کافروں کو بھی ہے۔

میڈیکل میں مہارت کافروں کو بھی ہے۔

بلکہ اگر آپ دیکھیں گے تو کافر اس میدان میں آپ کو زیادہ آگے معلوم ہونگے مسلمان کے مقابلہ میں، یہ بالکل ایک بدیہی چیز ہے اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

☆ ڈاکٹر یہودی بھی ہے۔

☆ عیسائی بھی ہے۔

☆ ہندو بھی ہے۔

☆ سکھ بھی ہے۔

☆ بدھ بھی ہے۔

وہ بھی ہیں جو سرے سے اللہ کے وجود کے قائل نہیں ،صنعت کار وہ بھی ہیں، زراعت کے ماہر وہ بھی ہیں۔ کیونکہ یہ ساری کی ساری چیزیں انسانی ضرورت کی ہیں اس میں مسلم اور کافر کی کوئی تفصیل نہیں ہے اس لئے جو علم مسلم اور کافر دونوں کے لئے مشترک ہے، اس کو ہم وہ علم نہیں کہہ سکتے جس علم کو شریعت ہمارے اوپر فرض قرار دیتی ہے، یہ تو انسان کی ضرورت ہے ہر انسان اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

انسان روح اور جسم کا مرکب ہے:

شریعت ہمارے لئے جس علم کو فرض قرار دیتی ہے وہ علم کچھ اور ہے وہ علم کیا ہے؟ وہ علم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق کرتے ہوئے جو قرآن کریم میں تفصیل بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کا وجود اللہ نے مٹی سے بنایا ہے مٹی اس کا غالب عنصر ہے پھر اس مٹی کو خشک کیا گیا تو اس میں حرارت کا اثر بھی آیا اور مٹی کو گوندھا گیا تھا تو اس میں پانی کا اثر بھی آیا اور اس کے کھوکھلے پن کی بناء پر اس میں ہوا کا گزر بھی رکھا تو پرانی اصطلاح کے

مطابق انسان کا بدن عناصر اربعہ سے مرکب تھا۔ اور یہ آدم کی اولاد عام ہے کافر ہو یا مسلم اس سے بحث نہیں ہے لیکن یہ ڈھانچہ جو آدم کا بنایا گیا تھا یہ ڈھانچہ بے حس وحرکت پڑا ہوا ہے کوئی نقل وحرکت اس میں نہیں ہے۔

آپ کو پتہ ہے کہ ہم تو چھوٹے سے پیدا ہوتے ہیں آہستہ آہستہ بڑے ہوتے ہیں لیکن آدم ایسے نہیں تھے آدم کو یوں نہیں پیدا کیا گیا کہ پہلے قطرہ تھا پھر لوتھڑا بنا یوں نہیں بلکہ اس کا وجود یکدم بنایا گیا سارے کا سارا ڈھانچہ یکدم بنایا گیا اور ایسا تھا جیسے بے حس پڑا ہے سمجھانے کے لئے کہوں جس طرح لوہے کے سٹیل کے پرزے تیار کرنے کے بعد فٹ کر کے ایک کارخانے کی شکل بنا دی اب وہ کارخانہ غیر متحرک ہے جیسے بجلی کا کرنٹ دیا جائے تو وہ سارا کارخانہ متحرک ہو جاتا ہے۔

اسی آدم کا ڈھانچہ جو بے حس پڑا ہوا تھا ''نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِيْ'' جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں روح پھونکی تو روح پھونکنے کے ساتھ یکدم وہ مشین متحرک ہوگئی آدم کی تخلیق یوں ہوئی ہے آدم علیہ السلام چھوٹے سے بڑا نہیں ہوا اس کی ابتداء اس طرح نہیں ہوئی جیسے ہماری ابتداء ہوتی ہے تو ساری مشین یکدم متحرک ہوگئی تو یہ مشین متحرک جو ہوئی یہ اثر ہے اس ''نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُوْحِيْ'' کا جو اللہ نے اس کے اندر روح ڈالی تو جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ چلتا پھرتا آدم اور چلتا پھرتا انسان یہ دو چیزوں سے مرکب ہے جن میں ایک اس کا بدن ہے جس کو ہم دھڑ کہہ لیں اور ایک وہ روح ہے جس کی بناء پر یہ متحرک ہوا یہ دو چیزیں ہیں آدم کے اندر۔

انسان میں اصل روح ہے:

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس میں اصل کیا ہے اور تابع کیا ہے؟ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جس وقت تک انسان کے اندر یہ روح موجود ہوتی ہے تو ساری دنیا کے ساتھ اس کا اپنی حیثیت سے رابطہ ہے۔

- یہ متحرک انسان کسی کا باپ ہے۔
- یہ متحرک انسان کسی کا بیٹا ہے۔
- یہ متحرک انسان کسی کا چچا ہے۔
- کسی کا ماموں ہے۔
- اور یہ متحرک انسان کسی کا شوہر ہے۔
- متحرک مستورات میں سے ہے۔
- تو کسی کی بیوی ہے۔
- کسی کی ماں ہے۔
- اور کسی کی بہن ہے۔

یہ ساری نسبتیں انسان کے ساتھ اس وقت تک لگی نظر آتی ہیں جس وقت تک یہ دھڑ متحرک نظر آتا ہے ساری ضرورتیں اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔ بھوک ہے روٹی کی ضرورت ہے۔ سردی گرمی ہے کپڑے کی ضرورت ہے۔ اور باقی چیزیں ہیں یہ سب ضروریات اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں۔

روح کے بغیر انسان مردہ لاش ہے:

ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ نفخ روح کو جو اس بدن کے اندر تھی اس کو واپس بلا لیتا ہے جب روح کو واپس بلا لیتا ہے تو وہی انسان بے حس ہو کے چارپائی کے اوپر پڑا ہوا ہے جیسا کہ روح ڈالنے سے پہلے تھا اب جس وقت وہ بے حس پڑا ہوا ہے روح نکل جاتی ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا خاندان کے اندر ایک کہرام مچ جاتا ہے۔

- بیٹا روتا ہے کہ باپ نہیں رہا۔
- باپ روتا ہے کہ بیٹا نہیں رہا۔
- بھائی روتا ہے کہ بھائی چلا گیا۔

○○ بہن روتی ہے کہ بھائی چلا گیا۔

○○ ماں روتی ہے کہ بیٹا چلا گیا۔

○○ بیوی روتی ہے کہ شوہر چلا گیا۔

○○ شوہر کہتا ہے کہ بیوی چلی گئی۔

اب کوئی کہے کہ کہاں چلی گئی چارپائی پر تو پڑی ہے وہی ٹانگیں، وہی ہاتھ، وہی سر، وہی بدن پڑا ہے چارپائی کے اوپر، کیا کہتے ہو کہاں چلا گیا تو اس کا جواب ہوتا ہے کہ یہ وہ نہیں ہے یہ ابا نہیں ہے ابا کی لاش ہے۔

❁ یہ بیٹا نہیں ہے یہ بیٹے کی لاش ہے۔

❁ یہ بھائی نہیں ہے بھائی کی لاش ہے۔

اب بھائی کیا تھا جو خود تو چلا گیا اور پیچھے لاش رہ گئی تو اس میں اصل کیا ہے روح یا بدن؟

اصل روح ہے کہ

○○ روح تھی تو چچا تھا روح نہیں تو چچا کی لاش ہے۔

○○ روح تھی تو ماموں تھا روح چلی گئی تو ماموں کی لاش ہے۔

ایک مثال:

اس لاش کی مثال ایسے ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یوں سمجھو جیسے کسی گھر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر آجائیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عام طور پر سواری گدھا مشہور تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گدھے پر سوار ہوا کرتے تھے عرب میں عام طور پر اس کا رواج تھا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر آگئے تو یہ کیسا عقلمند انسان ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہی نہیں پوچھتا اور گدھے کی خدمت پر لگا ہوا ہے اب وہ حال ہمارا ہو گیا، اس دلیل اور اس وضاحت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اصل انسان

روح ہے بدن تو اس کے لئے ایک سواری ہے جس کے ساتھ اس روح کو دنیا میں ظاہر کیا گیا تھا ورنہ اصل کے اعتبار سے انسان روح کا نام ہے بدن کا نام نہیں ہے۔

دنیوی فنون بدن کی ضرورت ہیں:

لیکن جب تک اکھٹے ہیں تو مرکب انسان کہلاتا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے چونکہ بدن ہے تو ہم اس بدن کو ہی انسان سمجھتے ہیں۔ اس دلیل سے معلوم ہوا کہ جتنے علوم اور فنون ہیں اس بدنی خدمت کے لئے ہیں اور ان کی ضرورت اس وقت تک ہے جب تک یہ بدن متحرک ہے اور جس وقت بدن کی حرکت ختم ہو جائے تو

- نہ ڈاکٹر کی ضرورت۔
- نہ انجینئر کی ضرورت۔
- اور نہ کسی طبیب کی ضرورت۔
- نہ کسی کارخانے کی ضرورت۔
- نہ کپڑے کی ضرورت۔
- نہ آگ کی ضرورت۔
- نہ مکان کی ضرورت۔
- نہ پانی کی ضرورت۔

کسی چیز کی ضرورت نہیں ساری ضرورتیں ختم ہو گئیں اور یہ کتنی دیر کے لئے ہوتی ہیں کوئی پتا نہیں۔

- کوئی پانچ سال میں مر گیا۔
- کوئی دس سال میں مر گیا۔
- کوئی بیس سال میں مر گیا۔

- کوئی چالیس سال میں مر گیا۔
- کوئی ستر سال کا ہو گیا۔

اور آج کے دور میں زیادہ سے زیادہ عمر اگر کسی کی ہوتی ہے تو سو کے آس پاس اتنی مدت کے لئے ضرورت ہے آپ کے ان سارے علوم وفنون کی جتنے کہ میں نے آپ کے سامنے ذکر کئے ہیں جس کے لئے اتنی بڑی بڑی یونیورسٹیاں بنی ہوئی ہیں۔ جس کے لئے اتنے بڑے بڑے کالج بنے ہوئے ہیں۔ اور جس کے لئے آپ کا سارے کا سارا محکمہ تعلیمات متحرک ہے۔

عصری علوم میں روح زیر بحث نہیں ہے:

آپ جب چاہیں جا کے سکولوں اور کالجوں میں بیٹھ جائیں سارے نصاب کو اول سے آخر تک دیکھیں اور جو پڑھے لکھے ہیں وہ تو جانتے ہونگے کہ کسی دن بھی کسی صفحہ پر بھی کسی کتاب میں انسان کی روح اس چار دیواری کے اندر زیر بحث نہیں آتی میرے علم کے مطابق کیونکہ میں نے بھی کچھ وقت سکولوں میں گزارا ہے میرے علم کے مطابق اس جدید تعلیم کے جتنے ادارے ہیں ان میں انسان کی روح کبھی زیر بحث نہیں آتی روح صحت مند کب ہوتی ہے۔ بیمار کب ہوتی ہے۔ بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کیا ہے۔ اس کی صحت اور قوت کس طرح حاصل ہوتی ہے۔

ان کالجوں اور سکولوں میں یہ موضوع ہی نہیں اس لئے شرعی اصطلاح سے ان سارے کاموں کو جو دنیا میں کئے جاتے ہیں فنون معیشت سے تو آپ اس کو تعبیر کر سکتے ہیں لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ وہ علم نہیں جس کو شریعت فرض قرار دیتی ہے تو وہ علم کونسا ہے جس کو شریعت فرض قرار دیتی ہے؟

دینی علوم روح کی ضرورت ہیں:

”طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (ابن ماجہ/۱/۲۰۔ مشکوٰۃ

۳۴/۱/۱)''، مسلم کا لفظ ہے بنی آدم کا لفظ نہیں ہے جو مسلمان کے لئے ضروری ہے وہ علم ہے جس میں انسان کی روح زیر بحث آتی ہے کہ اللہ نے اس کو بھیجا تھا اور بھیجنے کے بعد جس طرح بدنی ضروریات پوری کرنے کے لئے زمین میں سب کچھ رکھ دیا۔

اسی طرح روح کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے علم اپنی طرف سے اپنے چنے ہوئے افراد پر اتارا جو کتابیں وہ لے کے آئے جو نصاب وہ لے کے آئے اللہ کی جانب سے جو وحی کے ذریعے آیا یہ ہے جس کو آپ روحانی کائنات کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں جبکہ زمین ساری کی ساری مادی کائنات ہے اور یہ جسمانی کائنات ہے۔

وہ کتابیں اور علم جو اللہ نے آسمان سے اتارا اپنے چیدہ بندوں پر، یہ ہے اصل کے اعتبار سے روحانی کائنات اور انسان کی روح کی ضرورت، تو اصل کے اعتبار سے علم وہ ہے جو انسان کی روح کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

دین کو غیر دین کے لیے حاصل کرنے کی مذمت:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری علامات قیامت بیان فرمائی ہیں۔ ایک ہی روایت کے اندر پندرہ علامتیں مذکور ہیں کہ قیامت آنے سے پہلے یہ ہوگا، یہ ہوگا، یہ ہوگا، ان سب کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ان پندرہ میں سے ایک علامت یہ بھی ہے '' تُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ '' (مشکوٰۃ ۴۷۰) جس کا معنیٰ بنتا ہے کہ غیر دین کو سیکھا جائے گا عام طور پر ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ علم حاصل کیا جائے گا غیر دین کے لیے جس کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے کہ لوگ علم دین تو حاصل کریں گے لیکن دین مقصود نہیں ہوگا دنیا مقصود ہوگی یہ بھی اس کا معنیٰ ہے، اور یہی عام طور پر مدارس میں طلباء کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ جیسے قیامت قریب آتی جاتی ہے اخلاص اور خلوص رخصت ہوتا چلا جاتا ہے۔

اب اکثر و بیشتر علم دین بھی حاصل کرتے ہیں تو بسا اوقات پہلے دن ہی سے بعض بدنصیبوں کی نیت یہ ہوتی ہے کہ پڑھنے کے بعد ہم سند لیں گے اور پڑھنے کے بعد ہم سکول

ٹیچر ہو جائیں گے، مزے کے ساتھ روٹی کھائیں گے، یا پی، ایچ، ڈی کر کے پروفیسر لگ جائیں گے، یا کسی بڑے عہدے پر چلے جائیں گے۔ سکول اور کالج کے اخراجات برداشت نہیں ہوتے۔

چلو مدرسہ کی ڈگری لے کر جو مفت میں مل جاتی ہے سکولوں میں ملازمت مل جائے گی کھانے پینے کے راستے کھل جائیں گے جس طالب علم کی نیت پہلے دن سے یہ ہو آپ جانتے ہیں کہ اس نے علم تو حاصل کیا لیکن دین کے لیے نہیں کیا وہ بھی اس کا مصداق ہے۔

لیکن اس کا دوسرا مفہوم اس سے زیادہ عام ہے کہ سیکھنا سکھانا تو بہت ہو جائے گا علم حاصل کیا جائے گا سیکھا سکھایا جائے گا لیکن وہ سیکھنا سکھانا غیر دین کے لیے ہوگا یہ علوم دینیہ نہیں ہوں گے وہ سارے کے سارے غیر دینی علوم ہوں گے، جو سیکھے اور سکھائے جائیں گے۔

علامات قیامت میں یہ بھی ہے سیکھنا سیکھانا تو بہت ہو جائے گا، گلی گلی میں، کوچے کوچے میں سکول ہوں گے کہتے ہیں کہ یہ پڑھا لکھا دور آ گیا اس کو یہ پڑھا لکھا دور کہتے ہیں یہ ہے جو غیر دین کے لیے لیا جائے گا، یہ ہے جس کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔ اور جو اصل علم تھا جس کے ساتھ انسان کی انسانیت کو نمایاں کیا جاتا تھا اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے۔ اصل علم وہ ہے۔

پیدائش کے بعد انسان کو فنا نہیں:

اور اللہ تعالیٰ نے جہاں انسان کو پیدا کیا تو یاد رکھیے! انسان کو پیدا کر دیا اس اعتبار سے انسان حادث ہے قدیم نہیں ہے۔ لیکن پیدا کرنے کے بعد آگے اس کو دوام ہے پھر فنا نہیں ہے اس بات کو یاد رکھیے۔ یہ جملہ ذرا آپ کو بوجھل سا معلوم ہوگا لیکن اس کو سمجھ لیجئے۔

اللہ نے پیدا کیا ہے انسان مخلوق ہے اس اعتبار سے حادث ہے قدیم نہیں ہے لیکن پیدا کرنے کے بعد پھر اس کے لئے فنا نہیں۔ درجات بدلتے ہیں ایک جہان اس کا

ماں کے پیٹ میں ہے وہاں سے بدل کے دنیا میں آیا فنا نہیں ہوا۔ دوسرا جہاں اس کا دنیا میں ہے یہاں سے پھر زمین کے پیٹ میں منتقل ہوگا فنا نہیں ہوا۔ قبر کے اندر بھی انسان باقی ہے اور قبر سے پھر نکلے گا حشر کی طرف آئے گا، فنا نہیں ہوا اور حشر میں جانے کے بعد جنت میں جائے یا دوزخ میں جائے رہے گا ہمیشہ کے لیے کافر کہتا ہے کہ مر کے مٹی ہو جائیں گے اللہ کہتا ہے تمہیں مٹی ہونے کے لیے نہیں بنایا، مٹی سے بنایا ہے لیکن مٹی ہونے کے لیے نہیں بنایا یہ نظریہ غلط ہے کہ ہم مر کے مٹی ہو جائیں گے مر کے مٹی نہیں ہوں گے جہان کے اطوار بدلتے ہیں، طور بدلتا ہے لیکن انسان کو فنا نہیں ہے۔

ماں کے پیٹ میں بھی تھا تو انسان فنا نہیں ہے ماں کے پیٹ سے باہر آ گیا فنا نہیں ہے، اس دنیا سے پھر مٹی کے پیٹ میں چلا گیا پھر بھی فنا نہیں ہے مٹی سے پھر نکلے گا حشر میں آئے گا فنا نہیں ہے، اور حشر میں حساب و کتاب کے بعد جنت میں جائے گا تو دوام ہے دوزخ میں جائے گا تو دوام ہے۔

فنا اس نے کہاں ہونا ہے، پھر باقی ہی باقی ہے، کافر کہتے ہیں ہم نے مرنا ہے، ہم کہتے ہیں نہیں تم نے نہیں مرنا، تم نے زندہ ہی رہنا ہے، چاہے دوزخ میں رہو، چاہے جنت میں رہو، اطوار بدلتے ہیں، پیدا ہونے کے بعد انسان ختم نہیں ہوتا شکلیں بدلتی ہیں، آپ ماں کے پیٹ میں بھی زندہ تھے، ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد بھی آپ وہی ہیں، اور زندہ ہیں اور اس دنیا سے پھر آپ نے قبروں میں منتقل ہونا ہے، آپ زندہ ہیں اور پھر قبروں میں سے نکل کر آپ نے حشر میں جانا ہے، آپ زندہ ہیں اپنے اعمال کا فیصلہ ہونے کے بعد آپ نے جنت میں جانا ہے تو آپ زندہ ہیں، جہنم میں جانا ہے تو زندہ ہیں۔

موت پر فنا طاری ہو جائے گی:

''یَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ یَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ '' کیا حدیث شریف میں یہ اعلان نہیں ہے، یہ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ قیامت کے دن جس وقت جنتی جنت میں

چلے جائیں گے دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں حاضر کیا جائیگا، جنتیوں کو کہا جائیگا پہچانتے ہو وہ کہیں گے ہاں پہچانتے ہیں یہ موت ہے، جہنمیوں سے کہا جائیگا پہچانتے ہو وہ بھی کہیں گے کہ ہاں پہچانتے ہیں، یہ موت ہے سب کے سامنے اس موت کے اوپر فناء طاری کر دی جائیگی اور اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور اس کے بعد کہہ دیا جائیگا ''يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ يَا اَهْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ فَلَا مَوْتَ' جنتیو! اس کے بعد مرنا نہیں ہے، موت ختم ہوگئی، جہنمیو! اس کے بعد مرنا نہیں ہے، موت ختم ہوگئی، تو جب موت ہی ختم ہوگئی تو پھر مرنا کہاں ہوا پھر ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہوگیا، اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ مٹی سے ہم بنے تو ہیں لیکن مٹی ہونے کے لئے نہیں، آگے ہماری زندگی دوام ہے۔

دائمی زندگی کو سنوارنے والے دینی علوم ہیں:

جب یہ زندگی دوام ہے تو کیا ماں کے پیٹ سے نکلنے کے بعد مٹی کے پیٹ میں جانے تک درمیان میں جو چند سال ہیں، آپ کی راحت، آپ کی تکلیف، آپ کی زیب و زینت کیا صرف ان چند دنوں کے لئے ہے یا دوام کی زندگی کے لئے بھی آپ نے سوچنا ہے۔

کہ ہمیں راحت کیسے ہوگی،

- ہمیں مکان کیسے ملیں گے۔
- ہمیں باغات کیسے ملیں گے۔

جیل خانے میں ڈالا جائیگا کہاں ڈالا جائیگا؟ جو آنے والی لامحدود زندگی ہے وہ ہماری اس نظام تعلیم میں زیر بحث ہی نہ رہی، صرف زیر بحث یہی ہے کہ ماں کے بطن سے باہر آنے کے بعد یا زیادہ سے زیادہ ماں کے بطن میں ظاہر ہونے کے بعد قبر میں جانے تک ہمارے تمام علوم وفنون وہ صرف ہماری اس چند سالہ زندگی کی ضرورت ہیں آگے کچھ نہیں ہے۔

تو پھر آپ کی ضرورت تو وہ علم ہوا جو آپ کی دائمی زندگی کو سنوارے، اور دائمی زندگی کو سنوارنے کے لئے یہ فنون نہیں ہیں، جو سکولوں اور کالجوں کی چار دیواری میں پڑھائے جاتے ہیں، دائمی زندگی کو سنوارنے کے لئے یہ علوم ہیں جن کو ہم لیے بیٹھے ہیں، اور ان مدرسوں میں پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں اور ہمیں ایک ایک چیز سے آگاہ کر دیا گیا۔

سب سے قیمتی چیز ایمان ہے:

اس کی اصل ہے ایمان اور ایمان اتنی قیمتی چیز ہے، قرآن کریم میں اللہ تعارف کراتا ہے کہ اگر اس شخص کو جو اللہ کی گرفت میں آ گیا اگر اس کے پاس زمین اور آسمان بھرے ہوئے ہوں سونے کے "مِلْءُ الاَرْضِ ذَهَباً" یہ لفظ ہیں قرآن کریم میں، زمین کا بھرا ہوا سونا، اس وقت زمین کی پشت کے اوپر کتنے بڑے بڑے پہاڑ ہیں ہمالیہ پہاڑ سب سے بڑا ہے اور سارے زمین کے اوپر ہیں لیکن ایسے لگتے ہیں جیسے ایک کنارے پر لگائے ہوئے ہیں زمین ساری خالی پڑی ہوئی ہے۔

تو یہ پہاڑ نہیں "مِلْءُ الاَرْضِ" اتنا سونا جو زمین کی سطح سے لیکر آسمان تک خالی فضاء کو بھر دے اب یہ سارے پہاڑ مل کر تو نہیں بھرتے تو "مِلْءُ الاَرْضِ ذَهَباً" کا مطلب یہ ہوگا اتنا سونا جو زمین کو بھر دے یعنی زمین سے لیکر آسمان تک سونے سے بھر جائے اگر کسی کافر مشرک کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ کہے کہ یا اللہ! یہ سارا سونا لے لے اور مجھے عذاب سے نجات دے دے، تو "لَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" اس عذاب سے چھٹکارے کے لئے یہ "مِلْءُ الاَرْضِ ذَهَباً" قبول نہیں کیا جائیگا۔ (سورۃ آل عمران، ۹۱)

اور اللہ کے عذاب سے نجات کس چیز سے ہوتی ہے "لا الہ الا اللہ" اور ایمان سے، اب دونوں باتوں کو آپس میں جوڑ لیجئے کہ "لا الہ الا اللہ" اور ایمان اتنا قیمتی ہے کہ "مِلْءُ الاَرْضِ ذَهَباً" بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں، زمین و آسمان سونے کے ساتھ بھرا ہوا ہو تو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں، یہ ایمان اتنا قیمتی ہے جس کو آج ہم دو دو ٹکے

کے پیچھے فروخت کر دیتے ہیں، اور بے ایمان ہو جاتے ہیں تمہیں اس کی قدر وقیمت نہیں معلوم کہ یہ کتنا قیمتی ہے''مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَباً ''اس کی قیمت نہیں ہے یہ اتنا قیمتی ہے، خدا تعالیٰ کی رحمت حاصل ہونی ہے عذاب سے چھٹکارا ہونا ہے تو ایمان کی برکت سے ہونا ہے، وہاں زمین بھری ہوئی ہو تو آپ کے کام نہیں آئے گی تو جو شخص آپ کو ایمان دیتا ہے اور ایمان کی بات بتاتا ہے تو کیا وہ آپ کو ایسی دولت نہیں دیتا جو''مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَباً ''کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہے۔

ایمان کے بغیر نسبت بھی کام نہیں آئے گی:

قرآن کریم نے جو ہمیں قصے سنائے ہیں وہ ایسے نہیں سنائے یہ افسانہ نگاری نہیں ہے ایک ایک واقعہ بہت بڑے بڑے حقائق پر مشتمل ہے۔

 حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا قصہ کیوں سنایا؟

 حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا قصہ کیوں سنایا ؟

 حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا قصہ کیوں ذکر کیا ؟

 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا قصہ کیوں نقل کیا ؟

کیا مقصد ہے ان کا کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کو بھی چاہیئے کہ صاحب زادگی پر مغرور نہ ہو کہ میں بڑے باپ کا بیٹا ہوں اگر ایمان پاس نہ ہوا تو بڑے باپ کا بیٹا ہونا کام نہیں آئے گا اس لیے صاحب زادوں کو توجہ کرنی چاہیئے اس بارے میں جو اپنی نسبت پر فخر کریں کہ ہم بڑے باپ کے بیٹے ہیں اس لیے ہم بڑے ہیں ایسی بات نہیں ہے، بڑا بنتا ہے انسان ایمان کی دولت کے ساتھ۔

اسی طرح نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اسی طرح غرق ہوا جس طرح کافر غرق ہوئے کیوں کہ اس کے پاس ایمان نہیں تھا تو بڑے باپ کی نسبت کام نہیں آئی، بڑے شوہر کی بیوی ہونا کوئی فخر کی بات نہیں ہے اگر یہ بیوی ہونا کام آتا تو یہ نسبت نوح علیہ السلام کی بیوی کے

کام آتی کہ وہ نوح علیہ السلام کی بیوی ہے، یہ نسبت لوط علیہ السلام کی بیوی کے کام آتی کہ وہ لوط علیہ السلام کی بیوی ہے۔

لیکن قرآن کریم کہتا ہے سورۃ تحریم کے اندر "ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَأَةَ نُوْحٍ وَّامْرَأَةَ لُوْطٍ" (سورۃ تحریم،۱۰) نوح اور لوط کی بیوی کی مثال اللہ بیان کرتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے شوہر کی بات نہیں مانی اور ایمان قبول نہیں کیا تو جاؤ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں چلی جاؤ یہ نسبت بھی کام نہ آئی، باپ والی نسبت بھی کام نہیں آئی، شوہر والی بھی نسبت کام نہیں آئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے قرآن بھرا پڑا ہے۔

ایمان نہ ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد جہنم میں:

حتی کہ حدیث شریف میں یہ تفصیل آتی ہے کہ قیامت کے میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات اپنے باپ آذر سے ہو جائے گی جب آمنا سامنا ہو جائے گا تو آذر پر سیاہی طاری ہوگی تو ابراہیم علیہ السلام اسے کہیں گے کہ ابا میں تجھے کہتا نہیں تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، اب دیکھو! بیٹا باپ سے کہتا ہے یہ لفظ قرآن میں ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں "يَا أَبَتِ قَدْ جَاءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْ" بڑے ادب کے ساتھ کہتے ہیں اے ابا "قَدْ جَاءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ" میرے پاس علم آگیا "مَا لَمْ يَاْتِكَ" جو تیرے پاس نہیں ہے "فَاتَّبِعْنِيْ" میری پیروی کر، میرے پیچھے چل، جس سے معلوم ہو گیا کہ پیروی علم کی ہے، اس میں باپ بیٹے کا جھگڑا نہیں ہے، جس کے پاس علم ہے اس کے پیچھے چلو، چاہے وہ باپ ہے، چاہے وہ بیٹا ہے، اگر بیٹے کے پاس علم ہے اور باپ کے پاس نہیں ہے تو اس موڈ میں نہ آئے کہ میں پیدا پہلے ہوا تھا میں اس کا باپ ہوں، لہذا اس کو چاہیئے کہ میرے پیچھے چلے یہ بات نہیں ہے دیکھنا یہ ہے کہ تیرے پاس علم ہے یا نہیں

اگر تو جاہل ہے اور تیرے پاس علم نہیں ہے اور اللہ نے تیرے بیٹے کو علم دیدیا ہے تو تو علم والے کی اتباع کر ابراہیمی اصول یہ ہے۔

''یَا اَبَتِ قَدْ جَاءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا'' (سورۃ مریم ۴۳) میں تجھے سیدھا راستہ دکھاؤں گا میرے پیچھے چل، یہی بات اس وقت کہیں گے کہ میں نے نہیں کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر، تو رسول اللہ فرماتے ہیں کہ آذر کہے گا آج وعدہ کرتا ہوں کہ نافرمانی نہیں کروں گا، ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سامنے کہیں گے کہ یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے دن تجھے رسوا نہیں کروں گا، اور اس سے بڑھ کر رسوائی کیا ہوگی کہ لوگ دیکھیں کہ ابراہیم کا والد اس ذلت کی حالت میں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ہوگا، ابراہیم! میں نے جنت کو کافر پر حرام کردیا ہے کافر جنت میں نہیں جا سکتا، البتہ تیری رسوائی مٹانے کا ایک طریقہ ہے کہ کسی شخص کا باپ کسی بری حالت میں پھر رہا ہو تو اس کے لئے ذلت تب ہوگی کہ لوگوں کو پتہ ہو کہ یہ فلاں کا باپ ہے اور یہ فلاں کا بیٹا ہے اور اگر لوگوں کے علم میں نسبت ہی نہیں کہ کون پھرتا ہے کون نہیں پھرتا تو اس کا ذلیل ہونا بیٹے کے لئے ذلت کا باعث نہیں ہوتا کیونکہ لوگوں کو پتہ ہی نہیں کہ یہ کس کا بیٹا ہے کس کا نہیں ہے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں گے ابراہیم علیہ السلام کو کہ متوجہ ہو جب ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے تو وہ بجو کی شکل میں مسخ ہو کے ایسا ہوگا جیسے گندگی میں لتھڑا ہوا ہے فرشتے اس کو پاؤں سے پکڑ کے گھسیٹ کے جہنم میں پھینک دیں گے لوگ پہچانیں گے ہی نہیں کہ یہ ابراہیم علیہ السلام کا رشتہ دار ہے (بخاری ۱/۳۷۴، مشکوٰۃ ۴۸۳) تو نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کیا ہوگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے رشتہ داروں کو خطاب:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلان کیا تھا تو کیا ایک ایک کا نام لیکر نہیں کہا تھا کہ اپنے آپ کو بچالو میں کچھ نہیں کرسکوں گا اگر ایمان نہیں لائے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام لے

کر کہا پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا کا نام لے کر کہا ایک ایک رشتہ دار کا نام لے کر کہا (مشکوٰۃ ۴۶۰) مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہوا تو نسبتیں ساری کی ساری ایسی ہو جائیں گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا جہنم کی لپیٹ میں:

چچا کے بارے میں صراحت ہے ابولہب حقیقی چچا ہے ابوجہل کو جو چچا کہتے ہیں وہ حقیقی چچا نہیں ہے لیکن ابولہب حقیقی چچا ہے ایسا بدنصیب کہ پورے قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کسی مشرک کا نام لے کر جہنمی نہیں کہا گیا اس چچا کو نام لے کر جہنمی کہا گیا ہے ''تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَهَبٍ وَّتَبَّ '' اور صرف وہ نہیں اسکی بیوی کا ذکر بھی ساتھ ہے ''وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ '' پوری امت میں سے کسی کافر کا نام نہیں ہے، ابوجہل کا نام نہیں ہے، کسی دوسرے کا نام نہیں ہے اور اسی طرح ابوطالب چچا ہے کتنے ہی خدمت گزار تھے لیکن جب وہ آخر وقت تک ایمان نہیں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ '' جہنم میں جتنے لوگ ہوں گے ان سب میں سے سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا (مسلم ۱/۱۱۵، مشکوٰۃ ۵۰۲) جہنم سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا کیونکہ ایمان نہیں لائے فرمایا ٹخنوں تک وہ آگ میں ہوگا، یا ایک روایت میں ہے کہ اس کو آگ کی جوتی پہنائی ہوئی ہوگی اور اس آگ کی جوتی کی وجہ سے اس کا دماغ ایسے کھولتا ہوگا جیسے ہانڈی کھولتی ہے اور وہ سمجھتا ہوگا جتنی سزا مجھے ہے شاید کسی کو نہیں حالانکہ وہ '' اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ '' ہوگا، پوری جہنم والوں میں سے ہلکا عذاب اسے ہوگا۔

سب سے بڑا محسن کون؟:

یہ مثالیں آپ کے سامنے قرآن کریم سے واضح اس لیے کر رہا ہوں کہ آپ کو ایمان کی قدر و قیمت آئے کہ ایمان ایک ایسی چیز ہے کہ اس کی تلافی نہیں ہو سکے گی اگر دنیا کے اندر اس کو حاصل نہ کیا لہٰذا جو شخص آپ کو ایمان دیتا ہے اور ایمان کی بات بتاتا ہے

اور وہ بات بتاتا ہے جس کے ساتھ آپ کو روح کی صحت کے ساتھ آپ کو دائمی راحت حاصل ہو آپ بتایئے کہ اس سے بڑا محسن کوئی اور ہو سکتا ہے؟ یہ سب سے بڑا احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جنہوں نے یہ راستے واضح کیے اس کے بعد وہ شخص ہے جو دنیا کے اندر ایمان پھیلاتا ہے اور ایمان کی بات پھیلاتا ہے اس لیے اس کو اجود بنی آدم کہا گیا کہ تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی اور جود والا یہ ہے۔

بات تو آپ ساری مکمل طریقہ سے سمجھ گئے ہونگے لیکن میں خاص طور پر آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ دیکھو ایک شخص اس علاقہ میں آیا جس نے علم سیکھا تھا اور اس نے اس علم کو پھیلانے کے لیے اس ادارے میں کام کیا تو آج اسکی وجہ سے ایمان کی بہاریں چاروں طرف آپ کو نظر آرہی ہیں تو کیا آپ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی محسن ہو سکتا ہے جہاں جہاں ان کی اس تعلیم وتربیت کے ساتھ ایمان کی دولت آئے گی وہاں وہاں سب کے اوپر ان کا احسان ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے (آمین)

اہل مدارس سے عصری علوم کے ماہرین پیدا کرنے کا سوال بے وقوفی ہے:

ایمان کی بہاریں تقسیم کرنے والے یہ سارے کے سارے لوگ قابل قدر ہیں اور یہ ادارے قابل قدر ہیں جن کے اندر یہ علم پڑھایا جاتا ہے جس کا تعلق روح سے ہے اب اگر میڈیکل کالج میں جاکر آپ پوچھیں کہ آپ نے کتنے حافظ تیار کیے؟ وہ کہیں گے تمہارا دماغ خراب ہے، میڈیکل کالج حافظ تیار کرنے کے لیے ہیں؟

محکمہ زراعت والوں سے پوچھو آپ نے کتنے مفتی تیار کیے؟ وہ کہیں گے تمہارا دماغ خراب ہے یہ زرعی کالج تو جڑی بوٹیوں پر بحث کرتا ہے، یہ مفتی بنانے کے لیے ہے؟ اگر میڈیکل کالج سے حافظ کا سوال کرنا پاگل پن ہے تو مدارس سے سوال کرنا پاگل پن کیوں نہیں ہے کہ یہاں سے ڈاکٹر کیوں نہیں نکلتے، یہاں سے انجینئر کیوں نہیں نکلتے، اگر وہاں

کوئی پوچھے تو آپ کہیں گے کہ اس کو پاگل خانہ میں بھیج دو اس کو پتہ ہی نہیں کہ میڈیکل کالج بنایا کس لیے ہے۔

انجینئر کالج والوں سے پوچھو تم نے ڈاکٹر کتنے بنائے تو وہ کہیں گے ہم نے ڈاکٹر بنانے کے لیے کالج نہیں بنایا، ہم تو سڑکیں بنانا سکھاتے ہیں، ہم تو پل بنانا سکھاتے ہیں، ہم سے یہ سوال کرنا کہ تم نے کوئی ڈاکٹر بنایا ہے یا نہیں؟ یہ پاگل پن ہے، ان سے جا کر پوچھو تو پاگل پن ہے، اور یہ مسکین وغریب مولوی جو مصیبت آتی ہے اس پر آتی ہے یتیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یتیم دین لے کر یہ یتیموں کی طرح وقت گزار رہے ہیں ان سے پوچھتے ہیں کہ تم ڈاکٹر کیوں نہیں بناتے؟ تم انجینئر کیوں نہیں بناتے؟ تم کپڑا بننا کیوں نہیں سکھاتے؟ صنعت کاری تمہارے اندر کیوں نہیں ہے؟ ان کو تم لوگ پاگل کیوں نہیں کہتے جب یہ لوگ آ کر اس قسم کا سوال کرتے ہیں۔

مدارس کا مقصد قرآن وحدیث کی حفاظت ہے:

ہم نے مدرسہ بنایا حافظ بنانے کے لیے تا کہ قرآن محفوظ ہو، ہم سے پوچھو تم نے کتنے حافظ بنائے؟ ہم گن کر بتائیں گے کہ اتنے بنائے ہیں ہم نے مدرسہ بنایا ہے مفتی بنانے کے لیے محدث پیدا کیے، ہم تمہیں بتائیں گے کہ ایک ایک سال میں ہمارے مدارس سے پندرہ پندرہ بیس بیس ہزار عالم تیار ہوتے ہیں تو ہمارے نظام تعلیم سے یہ سوال کرنا کہ تم یہاں نالیاں بنانے والے کیوں نہیں پیدا کرتے، قارورہ چیک کرنے والے کیوں پیدا نہیں کرتے، یہ پیشاب، پاخانہ دیکھ کر بتا نہیں سکتے کہ یہ صحت ہے یا بیماری مدرسہ سے یہ سوال کیوں کرتے ہو؟ کیا مدارس اس لیے کھولے گئے ہیں تم ایک سوال کا جواب دیدو کہ کسی ایک میڈیکل کالج سے ایک تیار شدہ انجینئر دکھاؤ سوال اس کے لیے ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لیے کام کیا ہے اس میں کامیابی کتنی ہے۔

اب یہ ایک دیہات کا علاقہ ہے دور دراز کا علاقہ ہے یہ حافظ دیکھو جو یہاں سے بنے
ہوئے ہیں یہ مدرسہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے یا نہیں ہے یہ دیکھو کتنے علماء تیار کردیئے
تو کیا مدرسہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے یا نہیں ہے۔

یتیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یتیم وارث:

لیکن وہی بات ہے کہ یتیم نبی کے یتیم وارث جو مصیبت بھی ہوگی ان کے سر ڈالی
جاتی ہے کسی جگہ قتل ہو جائے تو کہا جاتا ہے مدارس دہشت گرد ہیں کسی جگہ دھماکہ ہو گیا
تو مدارس دہشت گرد ہیں، انگلینڈ میں دھماکہ ہوتا ہے، گرفتاریاں پاکستان میں ہوتی ہیں
عقلمندوں کا یہ حال ہے کہ یہ لوگ انگلینڈ میں دھماکہ کرتے ہیں، جن بیچاروں کو یہاں سے
ملتان پہنچنے کا کرایہ نہیں ملتا وہ لندن میں جا کے دھماکے کرتے ہیں، بات وہی ہے کہ یتیم نبی
کے یتیم وارث لیکن انشاء اللہ العزیز یہ اسی طرح رہیں گے دنیا زور لگالے جب تک انسان کو
ایمان کی ضرورت ہے اس وقت تک مدرسوں کی ضرورت ہے، اور اللہ اس ضرورت کو پوری
کرے گا، ہاں البتہ اگر آپ نے فیصلہ کرلیا ہے کہ کافر ہو کے ہی مرنا ہے اور ہمیں ضرورت
نہیں ہے ایمان کی اور آخرت کی نجات کی تو ٹھیک ہے پھر مدرسوں کی ضرورت نہیں ہے،
اگر مومن ہو کے جانے کا ارادہ ہے اور آخرت کی کامیابی چاہتے ہو تو مدرسہ کے بغیر چارہ
نہیں ہے، پھر ان کو حافظ بنانے دو ان کو مولوی بنانے دو۔

پھر ان میں جدید علوم گھسیڑ گھسیڑ کے ان کے اصل مقصد کو خراب نہ کرو پھر ان کو
اسی نہج پر چلنے دو جس نہج پر لوگوں کا ایمان محفوظ ہوتا ہے، علماء وفضلاء تیار ہوتے ہیں،
یہ مختلف راستے ہیں نقب لگانے کے کہ ان کو کمپیوٹر سکھاؤ، میں پوچھتا ہوں کہ جس نے مسجد
میں بیٹھ کے قرآن پڑھانا ہے اس کو کمپیوٹر سیکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ مختلف راستے
جو دکھائے جارہے ہیں وہ اس لئے دکھائے جارہے ہیں کہ کسی طرح یہ سلسلہ ختم ہو جائے

بہر حال اس بات سے میں نے اہمیت بیان کی ہے اس تعلیم کی جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے ان اداروں میں دی جاتی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے نزدیک اس سے بڑھ کر سخاوت اور کوئی نہیں جتنی سخاوت اہل مدارس کرتے ہیں۔

ختم بخاری کا اہتمام کیوں؟

بہر حال چونکہ تعلیمی سال کا اختتام ہے اور اللہ کے فضل وکرم سے شروع سال میں بسم اللہ سے ابتداء کروائی تھی اب یہ سال پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ بہت خوشی کی بات ہے اور آئندہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں دوام اور استقامت بخشے (آمین)

اگرچہ پورے سال میں ہمارے ہاں حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے لیکن چونکہ بخاری کو صحت کے اعتبار سے عظمت حاصل ہے اس لئے آخر میں اس عنوان سے اجتماع کرلیا جاتا ہے کہ عوام کو بھی مدرسہ کی کارکردگی کا پتا ہو اور اختتام میں آ کے جس طرح ختم قرآن کے موقع پر ہم دعا کرتے ہیں اسی طرح ختم حدیث کے موقع پر بھی دعا میں شمولیت ہو جائے۔

اصل کے اعتبار سے ختم حدیث کی مجلس ہے صرف ختم بخاری کی نہیں لیکن صحیح بخاری چونکہ ممتاز کتاب ہے اس لیے اس کو سامنے رکھ کے اس کی آخری روایت پڑھ لیتے ہیں تو ہم اس کے لیے ختم کا عنوان رکھ دیتے ہیں، ورنہ اصل کے اعتبار سے یہ تعلیمی سال کا اختتام ہے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جو میرے سامنے رکھی ہوئی ہے اس میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخری آخری باب وزن اعمال کے متعلق قائم کیا ہے باقی کیا طرز اختیار کیا اور کن کن چیزوں کی رعایت رکھی ہے۔

وقت زیادہ ہو گیا اور خلاف توقع بات لمبی ہو گئی صرف آخری بات ذکر کرتا ہوں کہ زندگی کا خلاصہ قیامت کے دن جو نکلے گا وہ وزن اعمال کے ساتھ نکلے گا۔

عقل پرستوں کے اعتراض کا جواب:

پرانے زمانہ میں ایک طبقہ تھا جو اپنے آپ کو بہت عقل پرست سمجھتا تھا آج کل

کے روشن خیالوں کی طرح وہ کہتے تھے کہ جب تک عقل میں بات نہ آئے ہم اس وقت تک نہیں مانیں گے یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ یہ قول کیسے تولا جائے گا زبان سے ایک آواز نکلتی ہے ختم ہوگئی فنا ہوگئی اس کا وجود ہی نہیں رہا تو بس تولیں گے کیا اور عمل ایک حرکت ہے آپ نے نماز پڑھی وہ ایک حرکت ہے اور اس حرکت کا کوئی خارجی وجود ہی نہیں ہے تو لیں گے کیا؟

یہ ان کا ایک بہت بڑا اشکال تھا، دلائل کے ساتھ اس کا رد ہمارے اکابر نے اپنی کتابوں کے اندر کیا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ آج کے دور میں تو سوال کرنے والا خود اپنے آپ کو پاگل تصور کرے گا آج تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ قائل سے علیحدہ کر کے لفظ بھی محفوظ اور عمل کرنے والے کی حرکت کو حرکت کرنے والے سے علیحدہ کر کے حرکت بھی محفوظ۔

اب اگر میری یہ بات ریکارڈ ہو رہی ہو تو وہ مشین کے اندر جو میری آواز بند ہو رہی ہے تو کیا مجھ سے علیحدہ ہو کر نہیں بند ہو رہی میں نہیں ہوں گا آواز موجود ہوگی، اور فلم کے اندر اگر حرکت محفوظ کر لیں گے تو میں نہیں ہوں گا۔

لیکن حرکت موجود ہوگی دس سال کے بعد بھی دیکھو گے تو الفاظ بھی سنو گے اور حرکت بھی دیکھو گے تو معلوم ہو گیا کہ حرکت کرنے والے سے علیحدہ کر کے حرکت بھی محفوظ ہو جاتی ہے بولنے والے سے علیحدہ کر کے اس کے الفاظ بھی محفوظ ہو جاتے ہیں یہ اب اتنی نمایاں حقیقت بن گئی کہ اب اس کے لیے کوئی دلیل دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، باقی تولنے کا پیمانہ اپنا اپنا ہوتا ہے، سونا تولنے کے لیے ترازو اور ہے، لکڑیاں تولنے کیلئے ترازو اور ہے، پتھر تولنے کے لیے ترازو اور ہے ''موازین'' جب جمع آ گیا تو ہو سکتا ہے مختلف ترازو مختلف قسم کے ہوں وہ حکمت اللہ بہتر جانتا ہے اس سے بحث نہیں۔

اللہ کی قدرت پر اعتراض بے وقوفی ہے:

ہم تو جانتے ہیں کہ

- انسان کی عقل نے حرارت کو تول لیا ہے۔
- انسان کی عقل نے برودت کو تول لیا ہے۔
- ٹھنڈک کتنی ہے۔
- گرمی کتنی ہے۔
- بدن میں بخار کتنا ہے۔
- اور انسان کی عقل نے ہوا کو تول لیا ہے۔
- بارش کو تول لیا ہے۔

یہ بڑے بڑے پیمانے تم نے ان چیزوں کے تولنے کے لیے بنا لیے۔

تو سوال ہے اپنے خالق پر کہ اللہ عمل کیسے تولے گا؟

گویا کہ تم عقلمند زیادہ ہو اور اللہ اس سے عاجز ہے، اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے ترازو آئیں گے اور ان کے ساتھ خیر و شر کا فیصلہ ہوگا۔

آخری حدیث کا درس:

یہ ترجمۃ الباب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں رکھا جس سے آپ میں فکر آخرت پیدا کرنی مقصود ہے کہ ہر قول و عمل کو سوچ سمجھ کر کیا کرو یہ ضائع ہونے والی چیز نہیں ہے آخر اس نے ایک دن سامنے آنا ہے اس سے فکر آخرت پیدا ہو جائے گی باقی آگے انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے عقیدہ ذکر کیا ''اَنَّ اَعۡمَالَ بَنِیۡ آدَمَ وَقَوۡلَهُمۡ یُوۡزَنُ'' پھر آگے قسط کا معنیٰ کر دیا عدل اور بتایا ہے کہ یہ باب افعال سے بھی استعمال ہوتا ہے اور انصاف کے معنیٰ میں ہے ''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ'' (سورۃ المائدۃ ۴۲) مجرد سے استعمال ہوگا تو ظلم کے معنیٰ میں ہے ''وَاَمَّا الۡقَاسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا لِجَهَنَّمَ حَطَباً'' (سورۃ الجن، ۱۵) قاسطون یہ ظالمون کے معنیٰ میں ہے۔

آگے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دو کلمے ہیں رحمٰن کو بہت زیادہ محبوب ہیں، زبان کے اوپر ہلکے پھلکے ہیں، میزان میں بہت وزنی ہوں گے یہ جملہ ترجمۃ الباب کی دلیل ہے ان کلمات کو قیامت کے دن تولا جائے گا اور ان کا وزن بہت نمایاں ہوگا ترجمۃ الباب یہاں سے ثابت ہوا وہ کلمے یہ ہیں۔

''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم''

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
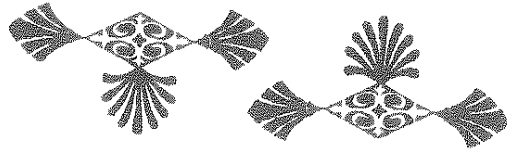
اہل علم کی ذمہ داریاں

بموقع: ختم بخاری شریف

بتاریخ: 27 جولائی 2010ء بروز بدھ

بمقام: جامعہ نظامیہ بہاولپور

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

مدرسہ کے کوائف آپ نے سن لیے، حالات آپ کے سامنے آ گئے اللہ کا شکر
ہے کہ اس نے اس مدرسہ میں یہ علمی چشمہ جاری کیا ہوا ہے جس میں قرآن وحدیث بہت
محنت کے ساتھ اور باقاعدگی کے ساتھ پڑھایا جا رہا ہے نتیجہ سے اصل میں اندازہ ہوا کرتا
ہے کہ تعلیم کی کیفیت کیا ہے اور سال کے آخر میں جب یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ (سترہ
17) بچیاں ہیں جنہوں نے تعلیم مکمل کی ہے اور وہ فاضلات کا امتحان دے کر اب فاضل
ہو جائیں گی۔

اصل کے اعتبار سے یہ سبق انہی کا ہے ان کے سبقوں کا اختتام ہے باقی عام مجمع
کے لیے تقاریر یہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے علماء کچھ کر چکے ہوں گے اور کچھ ابھی کریں گے وہ بیان
ہوگا آپ حضرات کے لیے مردوں کے لیے بھی اور عورتوں کے لیے بھی، لیکن یہ سبق طالبات
کا ہے کیوں کہ ان کی کتاب تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔

ختم بخاری کے موقع پر دعا توسل بالاعمال الصالحہ ہے:

اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ ختم صحیح البخاری کے موقع پر قبولیت دعا کی توقع ہے یہ بات
ہمارے اکابر سے چلی آرہی ہے، اکابر میں معمول رہا ہے کہ کوئی مشکلات پیش آجائیں کوئی اہم
معاملہ پیش آگیا تو ایک ہی مجلس میں بیٹھ کے حضرات طلباء، علماء ساری بخاری کی تلاوت کرلیا
کرتے تھے اور تلاوت کرنے کے بعد پھر اس عمل صالح کے وسیلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے قبولیت
کی دعا کرتے تھے تو عام طور پر تجربہ یہی تھا کہ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرما لیتے ہیں۔

اور یہ اصل کے اعتبار سے توسل بالاعمال الصالحہ کی مثال ہے جس کو اہل علم سمجھتے
ہیں کہ کسی نیک کام کا وسیلہ دے کے اللہ سے دعا کی جائے کہ یا اللہ! فلاں کام تجھے پسند
ہے، میں نے تیری رضاء کے لیے کیا تھا تو اس کی برکت سے ہمارا یہ کام کر دے ہماری

یہ مشکل حل کردے اس کو اعمال کا وسیلہ پکڑنا کہتے ہیں اور اعمال کا وسیلہ پکڑنا اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق صحیح ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، جس کے لیے لفظ بھی بولا جاتا ہے توسل بالاعمال الصالحہ۔

توسل بالاعمال الصالحہ کی دلیل:

صحیح بخاری میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ یہ روایت نقل کی ہے اور سورۃ کہف کی تفسیر میں حدیث غار کے عنوان کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے. جس میں یہ واقعہ بیان کیا یہ بنی اسرائیل کا واقعہ ہے کہ تین شخص پہاڑی علاقہ میں سفر کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ بارش شروع ہوگئی تو وہ بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے جیسا کہ پہاڑوں کے اندر غار ہوتی ہے بارش سے بچنے کے لیے وہ اس میں گھس گئے اور پہاڑوں کے رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اگر بارش زوردار ہو تو بسا اوقات اوپر سے چٹانیں نیچے کو لڑھک جاتی ہیں کیوں کہ چٹانوں کے درمیان جو مٹی ہوتی ہے وہ بارش کے ساتھ گیلی ہو کے نرم ہو جاتی ہے اور وہ مٹی بارش کے اثر سے نکل جاتی ہے تو وہ پتھر اپنے وزن کے ساتھ نیچے کو لڑھک آتے ہیں۔

آئے دن یہ واقعات پہاڑی علاقوں میں پیش آتے رہتے ہیں. جس کو وہاں کے رہنے والے لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں تو ایک پتھر اوپر سے لڑھکا اور آ کے غار کے منہ پہ ٹک گیا اور غار کا منہ بند ہو گیا تو پتھر اتنا وزنی تھا کہ وہ تینوں بھی مل کر اسکو دھکا لگائیں تو وہ نہیں ہلتا تھا۔

اب وہ سوچتے ہیں آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ یہاں سے تو اب نجات کا کوئی ذریعہ نہیں بس یوں کرو اپنی زندگی کا کوئی عمل یاد کرو جو اللہ کی رضاء کے لیے کیا ہو اور پھر اس عمل کا واسطہ دے کے اللہ سے دعا کرو ان تینوں کا آپس میں اس بات پر اتفاق ہو گیا، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ایک شخص نے خدمت والدین کا وسیلہ دیا کہ یا اللہ!

میں نے والدین کی خدمت ایسی کی ہے کہ میں نے بچوں کی پرواہ نہیں کی، میں نے بیوی کی پرواہ نہیں کی، پہلے اپنے والدین کو کھلاتا تھا، اس کے بعد اپنے بیوی بچوں کو کھلاتا تھا، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مجھے ساری رات ان کی خدمت کے لئے جاگنا پڑا اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کے لئے کیا ہے اور تیرے ہاں قبول ہے تو تو اس کی برکت سے اس کے وسیلہ سے اس عمل کے طفیل ہماری اس مصیبت کو ٹال دے تو سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ چٹان اپنی جگہ سے تھوڑی سی کھسک گئی کہ غار میں روشنی ہوگئی۔

پھر دوسرے نے کہا کہ یا اللہ! تیرے علم میں ہے کہ مجھے تیری نافرمانی کرنے پر مکمل قدرت حاصل ہوگئی تھی اور اس گناہ کے اسباب مہیا کرنے کے لئے میں نے سو دینار بھی محنت کر کے کما کے خرچ کیا تھا لیکن عین اس موقع پر مجھے تیرا خوف آیا اور میں نے اس گناہ کو چھوڑ دیا، تیرے خوف سے تیرے عذاب کے اندیشہ سے میں اس فعل سے باز آ گیا تو میرا یہ باز آنا اور میرا یہ رک جانا گناہ کے اسباب مہیا ہو جانے کے باوجود اگر تیرے ہاں یہ قبول ہے تو یا اللہ! تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ چٹان تھوڑی سی اور ہل گئی۔

تیسرے نے مزدور کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا وسیلہ پکڑا کہ میں نے ایک مزدور کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کیا تھا میرا وہ عمل اگر قبول ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے تو غار کا منہ مکمل کھل گیا اور ان تینوں شخصوں کو اس مصیبت سے نجات مل گئی (بخاری/۱/ص ۹۴۳، مسلم/۲/ص ۳۵۳) تو یہ حدیث بالکل صحیح اور صحیح بخاری میں کئی جگہ آئی ہوئی ہے، یہ دلیل ہے اہل سنت والجماعت کی کہ نیک عمل کا وسیلہ دے کے اللہ سے دعا کرنا یہ بالکل جائز ہے، اس کو توسل بالاعمال الصالحہ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

توسل بذوات الفاضلہ بھی جائز ہے:

لیکن ہمارے اکابرین میں علماء دیوبند میں توسل بالاعمال الصالحہ کے ساتھ ساتھ

توسل بذوات الفاضلہ بھی واقع ہے، توسل بذوات الفاضلہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی بزرگ شخصیت کا واسطہ دے کر

- اپنے کسی استاد کا۔
- اپنے کسی پیر کا۔
- کسی بزرگ کا۔
- صحابہ کا۔
- سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا۔
- اولیاء اللہ کا۔

یوں وسیلہ دے کے دعا کرنا کہ اللہ ان کی برکت سے میری دعا قبول کرے اسکو ذوات فاضلہ کا وسیلہ دینا کہتے ہیں، ہمارے علماء دیوبند میں یہ بات بھی معمول ہے کہ ذوات فاضلہ کے ساتھ بھی وسیلہ پکڑا جا سکتا ہے اس پر بعض لوگوں کو خواہ مخواہ اشکال ہو جاتا ہے کہ یہ ذوات فاضلہ کا وسیلہ پکڑنا درست نہیں ہے عقلی ڈھکوسلوں کے ساتھ یہ بات کرتے ہیں۔

توسل بذوات الفاضلہ اصل میں توسل بالاعمال الصالحہ ہی ہے:

حالانکہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر غور کیا جائے تو ذوات فاضلہ کا وسیلہ یہ بھی اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے کیونکہ ہم وسیلہ میں اس کا ذکر کرتے ہیں جس سے ہمیں محبت ہوتی ہے، جس سے ہمیں عقیدت ہوتی ہے اور اللہ کے کسی مقبول بندے کے ساتھ محبت کرنا اس کے ساتھ عقیدت رکھنا یہ بھی تو قلب فعل ہے، بہت مقبول فعل ہے تو گویا کہ جب ہم کسی ذات فاضلہ کا ذکر کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کے ساتھ محبت کا وسیلہ پکڑتے ہیں، تو محبت اور عقیدت یہ بھی لوٹ کے اعمال کے اندر ہی آجاتی ہے۔

تو جیسے توسل بالاعمال الصالحہ کے ساتھ توسل کیا جا سکتا ہے تو نیک شخصیت کے ساتھ محبت یہ بھی ایک قلبی عمل ہے اور اس کے ساتھ تعلق یہ بھی ایک قلبی عمل ہے اس لئے

اگر کسی ذات فاضلہ کا وسیلہ پکڑے، اور دعا اللہ سے کرے لیکن اپنا تعلق کسی مقبول شخصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے تو اس میں ہمارے اکابر کے نزدیک علماء دیوبند کے نزدیک کوئی اشکال نہیں ہے، یہ صورت بھی درست ہے۔

ببرکت فلاں۔

بطفیل فلاں۔

بوسیلہ ءفلاں۔

یوں بھی دعا کر سکتے ہیں، اور اس کا مطلب یہی ہے کہ ہماری جو اس کے ساتھ محبت ہے، عقیدت ہے، تعلق ہے، ہم اس کا واسطہ دیتے ہیں کہ تیرے مقبول بندے کے ساتھ ہمارا جو تعلق ہے اس کی برکت سے ہماری دعا قبول فرما، یہ طریقہ بھی درست ہے۔

ختم قرآن کے موقع پر دعا بھی توسل بالاعمال الصالحہ ہے:

تو ختم قرآن کے موقع پر ہمارے ہاں جو دعا کا معمول ہے کہ بچہ قرآن ختم کرتا ہے تو ہم اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اکٹھے ہو کر اس کے ختم کے موقع پر سورۃ والناس پڑھوائی یا سورت بقرہ کی آخری آیات پڑھوائیں تو قرآن کریم ختم ہو گیا اور اس وقت دعا کرتے ہیں وہ بھی اس عمل صالح پر دعا کرنے والی بات ہے، وہ چونکہ سارا سال جاری رہتا ہے پندرہ دن کے بعد بیس دن کے بعد کوئی نہ کوئی بچہ حافظ ہو جاتا ہے، تو وہاں بیٹھ کے مختصر سے ماحول میں یہ دعا کر لی جاتی ہے، اور یہ حدیث شریف پڑھنے پڑھانے کا معمول چونکہ پورا سال جاری رہتا ہے اور یہ سال کے آخر میں اختتام پر پہنچتا ہے اس لئے اس کا اہتمام ذرا نمایاں طریقے سے ہو جاتا ہے۔

یہ بھی وہی توسل بالعمل الصالح ہے کہ اللہ نے توفیق دی سارا سال قال اللہ وقال الرسول چلتا رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا تذکرہ ہوتا رہا، کثرت سے درود شریف پڑھا جاتا رہا تو آج اس عمل کی تکمیل پر ہم اس عمل کا وسیلہ پکڑ کر اس کے طفیل اللہ تعالیٰ سے

قبولیت دعا کی امید رکھتے ہیں، یہ ہے مسئلہ اس میں نہ بدعت ہونے کا شبہ ہے اور نہ نا جائز ہونے کا شبہ ہے، بالکل حدیث کے مطابق یہ عمل ہے اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں ہے یہ تو میں نے آپ کے سامنے وجہ ذکر کی کہ مدارس میں ختم صحیح البخاری پر یہ اہتمام جو کیا جاتا ہے تو اس کا پس منظر یہ ہے۔

صرف ختم صحیح البخاری کیوں؟!

پھر یہ بات بھی آپ کے علم میں رہنی چاہیئے کہ عنوان ہم اگرچہ ختم صحیح البخاری کا رکھتے ہیں لیکن اس سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ شاید صرف ان بچوں نے بخاری ہی پڑھی ہے نہیں بلکہ حدیث شریف کی بہت ساری کتابیں پڑھی جاتی ہیں، لیکن چونکہ بخاری ان سب میں سے برتر ہے اس لئے عنوان اس کا رکھ لیتے ہیں ورنہ سارا سال حدیث شریف کی متعدد کتابیں پڑھی گئی ہیں، طالبات بھی پڑھتی ہیں طلباء بھی پڑھتے ہیں، تو یہ عمل اس اعتبار سے ذرا اہتمام سے ہوتا ہے۔

سالانہ جلسہ منعقد کرنے کا مقصد:

اور جلسہ منعقد کرنے کا دوسرا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ مدرسہ کے اندر رہنے والے احباب علماء طلباء ان کو تو معلوم ہے کہ ہم اس عمل میں کتنی محنت کرتے ہیں، صبح وشام رات دن ہمارا کتنا وقت اسمیں مصروف ہوتا ہے، لیکن باہر رہنے والے ہمارے دوست احباب اور معاونین ان کو نہیں پتہ ہوتا کہ مدرسہ میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں، تو سالانہ جلسہ منعقد کرنے کے ساتھ آپ کو بھی مدرسہ کی کارکردگی سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ ہم نے جو مال خرچ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہوا۔

اگر یہی مال ہم دوسری جگہ خرچ کرتے تو سوائے چند خواہشات پوری ہونے کے اور کچھ نہ ہوتا، اور یہاں ہم نے خرچ کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے حافظ تیار کر دیے، اللہ نے عالم تیار کر دیے، اور یہ صدقہ جاریہ ہو گیا، تو ایک حافظ کے تیار ہونے میں جتنا حصہ

اس قاری کا ہے جس نے اس پر محنت کی ہے اتنا ہی حصہ اس مالدار کا بھی ہے جس نے اپنے مال کے ساتھ یہ انتظامات کیئے۔

اس لئے سرور کائنات ﷺ نے دونوں کے لئے تعریفی جملہ بولا ہے فرمایا کہ دو آدمی ہیں جن کو دیکھ کے آدمی کے دل میں حسرت ہونی چاہئے کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا، ایک وہ مالدار جس کو اللہ نے توفیق دی ہے کہ مال حق کی اشاعت میں خرچ کرے اور ایک وہ عالم جس کو اللہ نے توفیق دی ہے کہ وہ اپنا علم پھیلا رہا ہے، دونوں کے لئے ایک ہی حدیث کے اندر رسول اللہ ﷺ نے تعریفی کلمات بیان فرمائے ہیں۔

بہر حال جب آپ کو کارکردگی کا پتہ چلتا ہے تو اس سے آپ کی ہمدردیاں مدرسہ کے ساتھ بڑھتی ہیں، اور خرچ کرنے والوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے کہ ہمارا خرچ کیا ہوا ضائع نہیں ہوا، اس کے نتیجہ میں یہ حفاظ اور علماء تیار ہو گئے جو ہمارے لئے ذخیرہ آخرت ہیں، سالانہ جلسہ منعقد کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوا کرتا ہے،

کچھ طالبات کی خدمت میں:

یہ تو تمہیدی کلمات تھے باقی اب میں ان طالبات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں جن کو اللہ نے یہ سعادت بخشی کہ چار سالہ نصاب وفاق المدارس العربیہ کا پڑھ کر وہ اب سالانہ امتحان دیں گی اور سالانہ امتحان دینے کے بعد ان کو فاضلات کی سند مل جائے گی، اور عالمہ اور فاضلہ ہونے کی حیثیت سے اپنے گھروں کو جائیں گی، ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ علم حاصل کرنے کے بعد دو ذمہ داریاں آپ پر عائد ہوتی ہیں۔

عمل کے بغیر علم بے کار ہے:

پہلی ذمہ داری جو علم حاصل کرنے کے بعد عائد ہوتی ہے وہ ہے علم کے مطابق عمل کرنا، کیونکہ جس وقت تک علم پر عمل نہ ہو وہ علم بے کار ہوتا ہے،

علمے کہ راہِ حق ننماید جہالت است

جس علم سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا، اور حق کو معلوم نہیں کیا گیا، حق کے مطابق عمل نہیں کیا گیا اس میں اور جہالت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جیسا کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (گلستان کے آٹھویں باب میں ہے)

علم چنداں کہ بیش تر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی

علم جتنا چاہو پڑھ لو اگر اس کے مطابق عمل نہیں ہے تو وہ نادانی اور جہالت ہے۔

نہ محقق شود نہ دانش مند
چار پائے برو کتابیں چند

شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گدھے کے اوپر چند کتابیں لاد دی جائیں تو کتابیں لادنے سے گدھا عقلمند اور دانش مند نہیں ہو جاتا، نہ محقق شود نہ دانش مند، نہ وہ محقق بنتا ہے نہ دانشمند، جس جانور پر چند کتابیں لاد دی جائیں، کتابیں اٹھانے کے ساتھ وہ محقق اور دانش مند نہیں بن جاتا، اس بے عقل کو تو اتنا بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میرے اوپر ایندھن لادا ہے یا کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

بے عمل عالم گدھے کی طرح ہے:

اور یہی مثال جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے یہی مثال قرآن میں موجود ہے سورۃ جمعہ کے اندر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَاراً" (سورۃ الجمعۃ ۵) یہ اس کا ترجمہ ہے جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، مثال ان لوگوں کی جن پر تورات کی ذمہ داری ڈالی گئی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو نہیں نبھایا ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہو، تو جو گدھا کتابیں اٹھائے ہوئے ہو جیسے وہ ہوتا ہے اسی طرح وہ علم والے ہیں جنہوں نے علم

تو حاصل کیا لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کیا قرآن کریم نے بھی ان کی مثال اس گدھے کے ساتھ دی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں اس لئے پہلی ذمہ داری تو یہ آتی ہے کہ جو پڑھا ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے ،اور عمل میں بہت ساری باتیں آتی ہیں۔

آپ نے عقائد پڑھے ہیں تو عقیدہ قرآن وحدیث میں جو آپ کو پڑھایا گیا ہے اس کے مطابق اپنا عقیدہ رکھو،اور آپ کو پڑھایا گیا ہے کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے تو پانچ وقت نماز کی پابندی کرو،قرآن کریم کی تلاوت کے فضائل آپ کو پڑھائے گئے تو قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کرو، زکوٰۃ ،صوم ،جو کچھ بھی ہے طہارت کے احکام آپ نے بالتفصیل سارے پڑھ لئے پہلے تو آپ نے اپنے آپ کو ان احکام کا پابند بنانا ہے،اور ان عبادات سے آگے نکل کر پھر اپنے اخلاق اور معاشرت کو درست کرنا ہے،وہ بھی عمل کا حصہ ہے بلکہ ایک اہم حصہ ہے ،دوسروں پر جو اثر ہوتا ہے وہ اچھی معاشرت سے ہوتا ہے، یہ بات آپ کے ذہن میں ہر وقت مستحضر رہنی چاہیئے۔

بدزبانی کا انجام:

آپ نے حدیث شریف میں پڑھا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بلکہ آپ کے سامنے ایک عورت کا تذکرہ ہوا، بتایا گیا کہ وہ نماز بہت پڑھتی ہے ”تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَاتِهَا“ نماز بہت پڑھتی ہے، بہت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نفل بہت پڑھتی ہے، کیونکہ پانچ نمازیں تو ہر کوئی پڑھتا ہے، اس کو بہت نہیں کہیں گے، جب ہم یہ کہیں گے کہ فلاں بہت نمازی ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ فرضوں کے علاوہ اور نمازیں بھی پڑھتا ہے، اوابین کے نوافل بھی پڑھتا ہے، تو جو نوافل کی پابندی کرے گا اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بہت نمازی ہے، اس عورت کا تذکرہ ہوا کہ بہت نماز پڑھتی ہے اور بہت روزے رکھتی ہے، بہت روزے رکھنے کا بھی یہی معنی ہے کہ صرف رمضان شریف کے روزوں پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اور نفل روزے بھی رکھتی ہے۔

اور سخاوت کی کثرت کے ساتھ اس کی شہرت ہے اور بہت خیرات کرتی ہے
دیکھو! کتنے بڑے بڑے عمل ہو گئے نماز بہت پڑھنا روزے بہت رکھنا اور خیرات بہت کرنا
لیکن اس میں ایک عیب ہے، وہ یہ ہے کہ "غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا"
زبان کی بڑی کڑوی ہے ہر کسی سے لڑتی ہے، بدزبانی کرتی ہے، اپنی زبان کے ساتھ
دوسروں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

پڑوسی کون ہیں؟

یہاں روایت میں لفظ جیران کا ہے اور جیران پڑوسیوں کو کہتے ہیں پڑوسی صرف
وہ نہیں ہوتا جو گھر سے باہر گھر کے ساتھ رہتا ہو اس کی دیوار دیوار سے لگتی ہو جیران کا اول
مصداق گھر کے اندر رہنے والے افراد ہیں وہ بھی پڑوسی ہوتے ہیں۔

بچی والدین کے گھر ہوتی ہے تو بھائی، بہنیں، بھابیاں، بھتیجے، بھتیجیاں، والدین،
یہ پہلے پڑوسی ہیں اور دیوار سے باہر اس کے بعد والے پڑوسی ہیں اور جب سسرال میں چلی
جائے تو خاوند اور خاوند کے بہن بھائی ماں باپ اور دوسرے عزیز رشتہ دار جو مکان کے اندر
رہتے ہیں یہ پہلے پڑوسی ہیں اور باہر والے بعد میں پڑوسی ہیں تو وہ اپنی بدزبانی کے ساتھ
اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

زبان کی بڑی کڑوی ہے، ہر کسی سے لڑتی ہے، گالی گلوچ کرتی ہے، یہ مفہوم بیان
کر رہا ہوں "غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِيْ بِلِسَانِهَا جِيْرَانَهَا" کا اس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ خوبیاں
تو اس میں ہیں نماز کثرت سے پڑھتی ہے، روزہ کثرت سے رکھتی ہے، خیرات بہت کرتی
ہے، لیکن وہ اپنی زبان کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے۔

تو پڑوسیوں کو تکلیف پہنچانے کی یہ تفصیل آپ کو بتا رہا ہوں کہ خاوند کی بہنوں
سے لڑتی ہے، والدین سے لڑتی ہے اپنے بہن بھائیوں سے لڑتی ہے زبان اسکی اچھی نہیں

ہے تو یہ بات سننے کے فوراً بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّهَا فِی النَّارِ'' کہ یہ عورت جہنم میں جائے گی۔

خوش زبانی کا انعام:

اور ایک دوسری عورت کا ذکر ہوا کہ وہ نماز بہت کم پڑھتی ہے کم کا مطلب یہ ہے کہ فرض پڑھتی ہے نفل نہیں پڑھتی روزے بہت کم رکھتی ہے یعنی صرف فرض روزے رکھتی ہے باقی سال کے دوران نفلی روزے نہیں رکھتی، خیرات بہت کم کرتی ہے وہاں حدیث کے الفاظ ہیں کہ کبھی کبھی پنیر کے چند ٹکڑے دے دیے زیادہ خیرات کرنے کی عادت نہیں ''غَیْرَ اَنَّهَا لَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا'' لیکن زبان کی بڑی میٹھی ہے، اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں پہنچاتی، ہر کسی کے ساتھ ادب اور احترام سے پیش آتی ہے۔

تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّهَا فِی الْجَنَّةِ'' یہ عورت جنت میں جائے گی (مشکوٰۃ ۲/۴۲۴)، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کیونکہ ہمارے اپنے علم کے مطابق گھروں میں اکثر و بیشتر لڑائیاں اسی زبان کی بے احتیاطی کی بناء پر ہوا کرتی ہیں، جس کو میں کہا کرتا ہوں کہ یہ لفظی جنگ ہے، اِدھر سے کچھ کہہ دیا، اُدھر سے کچھ کہہ دیا، لڑائی برپا ہوگئی، ہوتا کچھ بھی نہیں صرف اپنی زبان کو اگر کنٹرول میں رکھا جائے تو بہت سارے فسادات سے نجات مل جاتی ہے، اور یہ لفظی جنگ دن رات پریشان کرتی ہے اور یہ صرف زبان کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں جانے کا عورت کے لئے مدار ہی اس پر رکھا ہے کہ وہ زبان کی اچھی ہو، برا بولنے والی نہ ہو، تکلیف پہنچانے والی نہ ہو تو ایسی عورت جنت میں جائے گی۔

خالص زنانہ جلسوں کا ثبوت:

اور وہ بات تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی کہ ایک دفعہ عورتوں نے حضور ﷺ سے مطالبہ کیا تھا کہ یا رسول اللہ! مرد ہر وقت آپ کے پاس رہتے ہیں، آپ کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ہمیں موقع نہیں ملتا آپ کی باتیں سننے کا آپ ہمارے لئے بھی کوئی وقت متعین کیجئے۔

تو آپ نے کہا ٹھیک ہے فلاں دن فلاں جگہ جمع ہو جانا، میں وہاں آؤں گا، اور تمہیں وعظ کہوں گا، یہ روایت کا حاصل عرض کر رہا ہوں یہ روایت بنیاد ہے زنانے جلسوں کی، یاد رکھنا اس بات کو، عورتوں نے مطالبہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فلاں گھر میں فلاں وقت جمع ہو جانا، عورتیں اکٹھی ہو گئیں، رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور جا کے ان عورتوں کو خطاب کیا یعنی اس روایت میں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کے مجمع میں جا کے رسول اللہ ﷺ کے بیان کرنے کا ذکر ہے۔

اس کے علاوہ عید کے دن بھی عورتوں کے مجمع میں بیان کرنے کا ذکر آتا ہے کہ مردوں سے فارغ ہو کے آپ عورتوں کے پاس گئے، اور وہاں جا کے آپ ﷺ نے ان سے بھی خطاب کیا، تو یہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا عورتوں کے مجمع میں عورتوں کو خطاب کرنا۔

اس لیے یہ صورتحال آج اگر پیش آجائے کہ عورتیں جمع ہوں اور کوئی صاحب دل اللہ والا کوئی علم والا ان بچیوں کو نصیحت کرنے کے لئے ان کے اندر جا کے بیان کرے تو یہ کوئی خلاف شریعت نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ نمونہ موجود ہے کہ آپ بھی عورتوں کے مجمع میں جا کے وعظ فرمایا کرتے تھے۔

طالبات اس بات کو جانتی ہیں اور مرد بھی سن رہے ہیں کہ اس قسم کے جلسوں میں جہاں عورتیں اکٹھی ہوں اور مرد جا کے بیان کرے یہ طریقہ درست ہے، اور سرور کائنات ﷺ سے خود یہ بات ثابت ہے۔

جہنم میں عورتوں کی کثرت:

اب اگلی بات طالبات سے کہہ رہا ہوں کہ ایک ایسے ہی مجمع میں آپ نے پڑھا ہے کتاب العلم میں یہ روایت ہے اور کتاب الحیض میں بھی ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اس وعظ میں کہ اے عورتو! ''تَصَدَّقْنَ'' صدقہ خیرات خوب کیا کرو۔

''اِنِّیْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ'' مجھے دکھایا گیا کہ جہنم میں جانے والوں میں اکثریت تمہاری ہے، جہنم میں جو لوگ جائیں گے ان میں اکثریت تمہاری ہے، مجھے یہ بات دکھائی گئی ہے، اس لئے تم صدقہ کثرت سے کیا کرو۔

عورتیں ناقص العقل والدّین ہیں:

اور اس کے بعد اگلا جملہ فرمایا ''مَارَأَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَاذِقِ مِنْ اِحْدٰی کُنَّ'' (بخاری ۱/ص۴۴، مشکوۃ ۱/ص۱۳) میں نے نہیں دیکھا کوئی خود تو ناقص العقل والدّین ہو کہ عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص لیکن سمجھدار ہوشیار آدمی کی عقل مارلے تمہارے مقابلہ میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

جملہ سمجھو کہ تم ہو تو ناقص العقل اور ناقص الدین لیکن اچھے بھلے ہوشیار آدمی کی عقل مار لیتی ہو یہ مہارت تمہیں ہے، تمہارے مقابلہ میں یہ کام کرنے والا میں نے کوئی دوسرا نہیں دیکھا، یہ جملہ فرمایا، کوئی عورت بول پڑی، وہاں جمع کا لفظ ہے، عورتوں نے سوال کرلیا کہ یارسول اللہ! ''مَا نُقْصَانُ عَقْلِنَا وَدِیْنِنَا'' آپ نے جو فرمایا کہ تم ناقصات العقل والدّین ہو کہ تمہارا دین بھی ناقص تمہاری عقل بھی ناقص یہ آپ نے کیسے کہہ دیا ''مَا نُقْصَانُ عَقْلِنَا وَدِیْنِنَا'' ہماری عقل اور دین کا کیا نقصان ہے۔

عورتوں کی عقل اور دین کا نقصان کیا ہے؟

آپ نے فرمایا تمہیں پتہ تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے

قائم مقام بنائی ہے یہ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے تو ہے، اور پھر مہینہ میں تم پر کتنے دن آتے ہیں کہ تم نہ نماز پڑھتی ہو اور نہ روزہ رکھتی ہو تو مردوں کے مقابلہ میں تمہاری نمازوں اور روزوں کی تعداد کم ہے، اس لئے مردوں کے مقابلہ میں تمہارا دین بھی ناقص ہے، یہ سوال عورتوں نے کیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی۔

عورتوں کو بات منوانے کا سلیقہ آتا ہے:

ذرا توجہ! اگلی بات جو آپ نے کہی تھی کہ تم ناقص العقل والدین ہونے کے باوجود عقل منداور ہوشیار آدمی کی عقل مارلیتی ہو تو اس پر کسی عورت نے سوال نہیں کیا کہ یارسول اللہ! ہم تو ایسا نہیں کرتیں۔

کسی عورت کا سوال کسی روایت میں مذکور نہیں، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ بات وہ جانتی تھیں کہ ایسا ہوتا ہے، اچھے بھلے عقل مند کی عقل مارلیتی ہیں، کیا مطلب؟ اپنے خاوند سے ایسے مطالبے کرتی ہیں جو عقل کے مطابق نہیں ہوتے لیکن خاوند ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے، گھر میں اچھے بھلے بہن بھائی محبت سے رہتے تھے، اور ایک بیگم صاحبہ آئی اور آکے خاوند کی لڑائی بہنوں سے بھی کرادی، بھائیوں سے بھی کرادی، والدین سے بھی کرادی، اور تیسرے دن مطالبہ کرلیا کہ ہمارا چولہا علیحدہ ہونا چاہیئے ہم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، کتنی ہی عقل کے خلاف بات کیوں نہ ہو، لیکن وہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے گویا کہ مطالبہ منوانے کا ان کو بہت اچھا ڈھنگ آتا ہے۔

چاہے باہر بدنامی ہو کہ لوگ کہیں کہ بیوی کے پیچھے چلتا ہے، بیوی جو کہتی وہی کرتا ہے، یہ اپنی عقل سے کام نہیں لیتا بیوی کے پیچھے چلتا ہے، چاہے باہر ذلیل ہی ہونا پڑے وہ ہزار کہے کہ میرے پاس گنجائش نہیں ہے، لیکن بیوی نے زیور کا مطالبہ کردیا تو چاہے قرض لے تمہارا مطالبہ پورا کرے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنا مطالبہ منوانے کا بہت

ڈھنگ آتا ہے، یہ بات چونکہ معلوم تھی اس لیے کسی عورت نے پوچھا نہیں کہ جی ہم کیا عقل مار لیتی ہیں، ان کو پتہ تھا کہ اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔

اب یہ بات جو یہاں کہی گئی آپ سنتے وقت محسوس کرتے ہوں گے کہ اس میں تو عورتوں کا ایک بہت بڑا عیب اور ان کا بہت بڑا نقص بیان کیا گیا ہے کہ یہ بے وقوف ہونے کے باوجود عقلمند خاوند کو بے وقوف بنالیتی ہیں، اس عنوان سے جب آپ اس کو سوچیں گے تو واقعۃً یہ عورت کا عیب اور نقص معلوم ہوتا ہے۔

عورت اپنی صلاحیت اچھے کام میں صرف کرے:

لیکن میں جس وقت اس پر غور کرتا ہوں تو مجھے اس کے ضمن میں عورت کی ایک خوبی بھی نظر آتی ہے، اور ان بچیوں کو طالبات کو اسی خوبی کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس کو تمہارا عیب نہیں بناتا ایک خوبی بھی بناتا ہوں۔

اس لئے میرے پر ناراض نہ ہونا کہ اس نے ہماری کیا وضاحت کرنی شروع کردی مردوں کے سامنے، میں اس کو ایک خوبی بناتا ہوں، وہ خوبی یہ ہے کہ تمہیں مطالبہ منوانے کا ڈھنگ آتا ہے، تم اپنی اس صلاحیت سے جو مطالبہ منوانے کی ہے تم اچھے کام منوانے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں، آپ کا خاوند نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو آپ مطالبہ کریں کہ نماز پڑھ، تو اگر نماز نہیں پڑھے گا تو میں بولوں گی نہیں، تو نماز نہیں پڑھے گا تو میں روٹی نہیں پکاؤں گی، جیسے روٹھ کے تم بے عقلی کی باتیں منوالیتی ہو تو کیا اصرار کر کے خاوند سے اچھی باتیں نہیں منوا سکتیں۔

یہ تو تمہاری ایک نشاندھی کی گئی ہے کہ تمہارے اندر یہ صلاحیت ہے بات منوانے کی تو جہاں تم عقل کے خلاف باتیں منوا سکتی ہو تو عقل کے مطابق باتیں کیوں نہیں منوا سکو گی ایسی مثالیں تو آپ کے سامنے بے شمار ہوں گی کہ شادی کے بعد بیگم کے اصرار سے داڑھی

منڈادی، تو اگر تم داڑھی منڈوا سکتی ہو تو کیا مطالبہ کر کے رکھوا نہیں سکتی، اپنی اس صلاحیت سے تم اچھا کام کیوں نہیں کروالیتی، ضد کر کے تم ٹی وی گھر میں منگوا سکتی ہو تو کیا ضد کر کے تم ٹی وی گھر سے اٹھوا نہیں سکتی۔

عورت معاشرے سے رشوت کو ختم کر سکتی ہے:

بلکہ میں جلسوں کے اندر وضاحت کرتے ہوئے یہ بات کہا کرتا ہوں کہ ہماری قوم کو رشوت ستانی گھن کی طرح لگ گئی، رشوت کا اتنا رواج ہو گیا کہ سارے معاملات برباد ہو رہے ہیں، حکومتیں زور لگالیں، علماء وعظ کہہ لیں، رشوت نہیں ختم ہوتی، لیکن اگر بیگم صاحبہ آج ارادہ کر لیں تو صبح رشوت ختم ہو جائے گی، وہ کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ وہی بات کہ بات منوانی ہے کہ آپ کہیں اپنے شوہر سے اگر وہ سرکاری افسر ہے تو کہ آج کے بعد کوئی حرام مال گھر میں نہیں آنا چاہیئے۔

نہ میں جہنم میں جانا چاہتی ہوں، نہ تجھے جہنم میں جانے دوں گی، اور نہ میں اپنے بچوں کو حرام کھلا کے جہنم کا ایندھن بننے دوں گی، اس لئے ہم تنگی سے گزارہ کر لیں گے، خشک روٹی کھالیں گے لیکن رشوت کا مال گھر میں نہیں آنا چاہیئے، کرو یہ مطالبہ اور دیکھو کہ رشوت ختم ہوتی ہے یا نہیں، کتنی جلدی جان چھوٹ جائے گی، اور اگر اس بے چارے سے تم ہزاروں روپے کے زیورات کا مطالبہ کرو، ہزاروں روپے کے کپڑوں کا مطالبہ کرو، تو وہ رشوت لے کر پورے نہیں کرے گا تو اور کس طرح کریگا اس لئے ساری برائی کی جڑ یہاں سے شروع ہوتی ہے۔

عالمات کی ذمہ داری:

اگر بیوی خاوند کو متاثر کر کے اچھائی کی طرف لاسکتی ہے تو اب پڑھنے کے بعد آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ اپنی صلاحیت کو یوں استعمال کریں، گھر کے ماحول کو

بدلنے کے لئے یہ کام کریں، گھر میں تصویریں نہ لگائیں، کیونکہ گھر کو سجانا عموماً عورتوں کا کام ہوتا ہے اور آپ نے پڑھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر نہیں گئے تھے کہ کپڑے کے اوپر ایک تصویر لگی ہوئی تھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں اللہ کا نبی نہیں آتا۔ (قال علی القاری اللھم ان کان فیھا تماثیل فالانکار بسببھا، مرقات ۸/ص ۲۴۶)

تو تم گھر میں تصویریں لگا کر گھر کو تصویروں سے بھر کے چاہتی ہو، پانچ روپے کی مٹھائی منگوائی، میلاد پڑھا اور سمجھتی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، بیٹی کے گھر تو جاتے نہیں تھے آپ کے گھر آجاتے ہیں۔

جہاں کتا ہو وہاں رحمت نہیں آتی:

انصار کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے ایک گھر آگے تھا اس میں چلے جاتے تھے، اس سے پہلے ایک گھر تھا اس کو چھوڑ دیتے، ان کو بڑی تکلیف ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے سامنے سے گزر کر دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں، ہمارے گھر نہیں آتے، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمارے دروازے کے سامنے سے گزر کر اگلے گھر چلے جاتے ہیں، ہمارے گھر کیوں نہیں آتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تمہارے گھر میں کتا ہے، اس لئے میں نہیں آتا تو جس گھر میں کتا ہو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آتے تھے، اور فرمایا جس گھر میں کتا ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں انصار صحابہ کے گھر میں نہ آئیں جہاں کتا بندھا ہوا ہو اور ہم کتے باندھ کے پھر امید کئے بیٹھے ہیں کہ ہمارے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے ہیں، تو ہم نے تو اللہ کی رحمت کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال دیا تو ہمیں سکون کہاں سے آئے۔

اگر گھر میں قرآن کریم کی تلاوت ہو، گھر سے تلاوت کی آواز آئے تو اللہ کی رحمت بھی نازل ہوگی، گھروں کے ماحول بھی اچھے ہوں گے، برکت بھی ہوگی، اب صبح اٹھتے ہی جب بچے ٹی وی کا بٹن دبا کر وہی ناچ گانا دیکھنا شروع کر دیتے ہیں تو ان کے دل دماغ کے اوپر کیا اثرات پڑتے ہیں، تو جب انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ چونکہ تیرے گھر میں کتا ہے اس لئے میں نہیں آتا، تو کہنے لگے یا رسول اللہ! جن کے گھر میں آپ جاتے ہیں ان کے گھر میں بھی تو بلی ہے، فرمایا بلی کا کوئی حرج نہیں، (مشکوٰۃ ۲/ ۳۸۷) بلی رکھنے کی اجازت دی، کتے رکھنے کی ممانعت کی۔

تو یہ اکثر و بیشتر گھر کا ماحول سنوارنا جو ہوا کرتا ہے یہ مستورات کا کام ہوتا ہے، تو پڑھنے کے ساتھ آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آپ گھروں کے ماحول کو سنوارنے کی کوشش کریں، بچوں کی تربیت ابتداء سے ہی اچھی کریں، ایک تو یہ ذمہ داری آئی۔

علم کا فائدہ اور جہالت کا نقصان:

اور پھر دوسری ذمہ داری آیا کرتی ہے آگے خیر پھیلانے والی کہ جو مسئلہ آپ کو معلوم ہے آپ خود بھی عمل کریں دوسروں کو بھی بتائیں، ایک مسئلہ کی وضاحت تقریباً میں ہر جلسہ میں کرتا ہوں وہ آپ بھی سن لیں، بہشتی زیور میں لکھا ہوا مسئلہ آپ نے پڑھا کہ آٹا کھوندتے وقت ناخن کے اوپر کہیں آٹا جما رہ جائے اور خشک ہو جائے اور وہ اتارا نہ جائے اور وضو کیا جائے تو وضو نہیں ہوتا یہ بہشتی زیور میں لکھا ہوا مسئلہ ہے آپ نے پڑھا ہوگا، پہلے اس آٹے کو کھرچ کے اتارو اور اتارنے کے بعد پھر وضو کرو، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال آٹے کی دیدی ان کے سامنے یہی بات ہوتی تھی، اور آج کل یہ جو ناخن پالش کا رواج چلا ہے جس کی تہہ ناخنوں کے اوپر بٹھالی جاتی ہے، جس کو بعد میں کھرچا جائے تو ٹکڑیوں کی شکل میں وہ اکھڑتا ہے، ایک ہے ناخن کا رنگ بدلنا مہندی کے ساتھ یا کسی عرق وغیرہ کے

ساتھ جن کو کھرچیں تو ٹکڑیاں نہیں اکھڑتیں صرف ناخن کا رنگ بدلہ ہوا ہوتا ہے، اس کا کوئی حرج نہیں بلکہ عورت کے لئے ترغیب ہے کہ ہاتھ پر مہندی لگا کے رکھے، تا کہ مرد اور عورت کے ہاتھ میں فرق ہو، وہ رنگ مانع نہیں ہے کیونکہ اس کو اگر آپ کھرچیں گے تو اس سے ٹکڑیاں نہیں اکھڑتیں۔

لیکن اگر برش کے ساتھ آپ نے ایسی پالش لگائی ہے کہ ناخن کے اوپر اس کی تہہ بیٹھ گئی اور بعد میں آپ اس کو چاقو کے ساتھ کھرچیں تو وہ ٹکڑیوں کی شکل میں اکھڑتی ہے تو یوں سمجھو کہ وہ سوکھے ہوئے آٹے کے حکم میں ہے تو جیسے آٹا لگا ہوا ہو تو وضو نہیں ہوتا تو اس ناخن پالش کے لگے ہوئے بھی وضو نہیں ہوگا، جب وضو نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی، اور یہ ناخن پالش آپ کے لئے استعمال کرنا جائز ہے، لیکن وضو کرنے سے پہلے ناخن کو صاف کرنا ضروری ہے، ورنہ جب وضو نہیں ہوگا تو غسل بھی نہیں ہوگا۔

اب جب فرض غسل ادا نہ ہوا تو نہ تلاوت کرنی جائز، نہ نماز پڑھنی جائز، بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرہ کی بات بتاتا ہوں کہ مرنے کے بعد جنازہ تب ٹھیک ہوتا ہے جب میت کا غسل ٹھیک ہو، اور اگر میت کا غسل ٹھیک نہیں ہے تو جنازہ ہی نہیں ہوتا تو اگر ہاتھ اور پاؤں کے ناخنوں کے اوپر یہ جمی ہوئی ہو اور آپ اسی حالت میں مر گئیں اور وارثوں کو بھی خیال نہیں آیا جہالت کی بناء پر تو یوں سمجھو کہ غسل ہی نہیں ہوا جب غسل ہی نہیں ہوا تو جنازہ بھی نہیں ہوا، جب جنازہ نہیں ہوا تو بے جنازہ جاؤ گی۔

یہ ہے علم کا فائدہ، جہالت کے ساتھ بسا اوقات انسان ایسی حرکتیں کر لیتا ہے اور معمولی معمولی باتوں پر زندگی بھر کی کمائی ضائع کر کے بیٹھ جاتا ہے، ان باتوں کو دیکھو، طہارت کے احکام توجہ سے پڑھو اور دوسروں کو سکھاؤ یہ بھی فرض ہے۔

خیر کے جاری ہونے کا ذریعہ بنو:

اپنے ہاں خیر کو پھیلانا اور اپنا کردار اچھا اس طرح رکھنا کہ لوگوں کو ترغیب ہو کہ یہ بچی عربی مدرسہ میں پڑھ کے آئی ہے، کتنی سلیقہ والی ہے ہمیں بھی چاہیئے کہ ہم بھی اپنی بچیوں کو مدرسوں میں پڑھائیں۔

اور اگر تم نے عالمہ بن کے متکبرانہ چال اختیار کی اور دوسروں کے ساتھ تحقیر کا معاملہ کیا تو لوگ کہیں گے کہ مدرسہ میں پڑھانے کے بعد بچیاں بد دماغ ہو جاتی ہیں لہذا مدرسہ میں نہیں پڑھانی چاہئیں، تو الٹا خیر کے بند ہونے کا آپ ذریعہ بن جائیں گی، اس ذمہ داری کا احساس کرنا ہے، خاوند کے ساتھ نباہ کرنا ہے، خاوند کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، شادی سے پہلے اپنے گھر والوں کو، بہن بھائیوں کو خیر کا راستہ دکھانا ہے، گھر کے ماحول کو اچھے سے اچھا رکھنا ہے، تب اس پڑھنے کا فائدہ ہوگا۔

خصوصیت کے ساتھ یہ بات نصیحت کی تھی جو میں نے آپ کی خدمت میں عرض کردی کہ آپ اپنی صلاحیت کو خیر کے لئے استعمال کریں، اور ان برائیوں سے بچیں، اپنے سامنے نمونہ رکھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا، گھر کا کام وہ خود کرتی تھیں تو گھر کا کام خود کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی طریقہ ہے، اس لئے اس کو کبھی عیب نہ سمجھیں، گھر میں والدین کی خدمت کریں، چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالیں، اور جب سسرال میں جائیں تو وہاں جاکے دوسروں کو راحت پہنچانے کی کوشش کریں اور گھر کا کام خود کریں، یہ ہے علم کا فائدہ اگر آپ اس کو حاصل کرنا چاہیں۔

آخری حدیث کا درس:

باقی رہا ختم کے موقع پر چونکہ ابتداء میں آپ کو پہلی روایت باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے اور بعد میں نصاب کی مقدار آپ کی کم ہے لڑکوں کے مقابلہ میں تو تبرکاً آخری روایت پڑھ دی جاتی ہے، تاکہ اول و آخر سامنے آجانے کے بعد اللہ کی رحمت سے امید رکھیں کہ

کتاب کے ختم میں آپ بھی شریک ہو جائیں گی، ورنہ اصل کے اعتبار سے ختم صحیح البخاری طلباء کی ہوتی ہے جو اول سے لے کر آخر تک ساری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔

یہ تسبیح کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں زبان کے اوپر ہلکے پھلکے ہیں، اور جب قیامت کے دن ان کو میزان میں رکھا جائے گا تو بہت بھاری ثابت ہوں گے، وہ یہی کلمات ہیں۔

''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ''

اس روایت پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کو ختم کر رہے ہیں تا کہ خاتمہ اللہ کے ذکر پر ہو اور مجلس کے آخر میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تسبیح کی تھی ''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ'' (مشکوٰۃ ۱/۲۱۷) اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ کلمات مجلس کے آخر میں پڑھ لیے جائیں تو گفتگو کے درمیان اگر کوئی اونچ نیچ ہو جائے تو اللہ اس کا کفارہ فرما دیتے ہیں۔

میں بھی اپنی گفتگو کو انہی کلمات پر ختم کرتا ہوں۔

''سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ'' ''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ''

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اہل مدارس کے لئے لمحہ فکریہ

بموقع: افتتاحی تقریب

بتاریخ: شوال ۱۴۳۱ھ

بمقام: جامعہ دارالعلوم رحیمیہ بیر کالونی ملتان

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! حَدَّثَنَا الْحُمَیْدِیُّ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ حَدَّثَنَا یَحْیَ ابْنُ سَعِیْدِنِ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ التَّیْمِیُّ اَنَّہٗ سَمِعَ عَلْقَمَۃَ بْنَ وَقَّاصِنِ اللَّیْثِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلَی امْرَاَۃٍ یَّنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید

تعلیمی سال کا افتتاح ہے عربی مدارس میں عربی ترتیب کے تحت تعلیمی سال کا اختتام رجب میں ہوتا ہے، اور نئے سال کا افتتاح شوال میں ہوتا ہے، اس میں کوئی زیادہ جلسہ کرنا مقصود نہیں ہوتا محض ابتداء میں احباب کو جمع کر کے خیر و برکت کی دعا کرنا مقصد ہوتا ہے، اور ایک نسبت اور جوڑ پیدا کیا جاتا ہے۔

حضرت حکیم العصر مدظلہ کے اساتذہ حدیث:

۱۳۷۴ھ شوال میں، میں نے یہ کتاب جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے اور پاکستان بننے کے بعد تشریف لائے تھے، پاکستان میں وہ اسی علاقے میں رہنے والے تھے تعلیم دیوبند میں حاصل کی اور پھر بعد میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بلوالیا تھا دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے اور پاکستان بننے کے بعد ادھر تشریف لائے تھے۔

تو میں نے ان سے اس کتاب کی ابتداء ۱۳۷۴ھ میں کی تھی، اس اعتبار سے ۲۶ سال پچھلی صدی کے اور ۳۱ سال اس صدی کے، تو ۲۶ اور ۳۱.........۵۷ سال ہو گئے گویا کہ ۵۷ سال پہلے یہ کتاب شروع کی تھی اور رجب ۱۳۷۵ھ میں ختم ہوئی اس اعتبار سے ۵۶ سال ہو گئے اسے پڑھے ہوئے، جامع ترمذی بھی ہم نے انہیں سے پڑھی تھی اور صحیح مسلم، مؤطائین، ابن ماجہ کے چند اسباق حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے تھے، اور سنن ابی داؤد و شمائل حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں دار العلوم کبیر والا میں شیخ الحدیث بھی ہوئے اور مہتمم بھی ہوئے ان سے پڑھی، سنن نسائی اور طحاوی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ جو بعد میں خانپور میں ایک عرصہ تک شیخ الحدیث رہے سے پڑھی تھی، یہ میرے دورہ حدیث کے اساتذہ ہیں۔

بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث:

بہت دیر سے یہ سوچ رہا تھا کہ میں اس موقع پر کیا بیان کروں جہاں تک تو حدیث کی مباحث کا تعلق ہے وہ تو لمبی چوڑی ابحاث ہیں جو اس روایت پہ کی جاتی ہیں، اور تمہیدی ابحاث جیسے مصنف کے احوال، کتاب کے احوال، خصوصیات کتاب، طرز مصنف رحمۃ اللہ علیہ اور عظمت کتاب کیا ہے اور پھر جو عبارت آپ کے سامنے پڑھی گئی اس میں وحی کا تذکرہ ہے تو ان دونوں کا کیا جوڑ ہے، تو یہ ابتداء میں ہی اچھی خاصی طویل اور اہم ابحاث ہیں وہ تو آپ کے استاد آپ کے سامنے بیان کریں گے وہ ایک مجلس میں ذکر نہیں کی جاسکتیں اور جہاں تک کتاب کی ابتداء کا تعلق ہے وہ عبارت پڑھنے سے ہوگئی ہے۔

میرے دماغ میں ایسے ہی کچھ مجنونانہ خیالات بے ربط سے گھومتے پھرتے تھے اور سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس مجلس میں کونسی بات کروں، لے دے کے طبعیت ایک طرف مائل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اگر میں وہ آپ حضرات کو سمجھا سکوں تو میری سعادت ہے اور آپ سمجھ جائیں تو آپ کو بھی ان شاء اللہ کچھ فائدہ ہو جائیگا۔

شکر کا مفہوم:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ'' (سورۃ ابراہیم ۷) شکر کا مفہوم کیا ہوتا ہے؟ شکر اصل کے اعتبار سے کہتے ہیں ''قدردانی'' کو میری نعمت کی قدر کرو میں نعمت میں اضافہ کرونگا تو اصل مفہوم شکر کا قدردانی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ شکر اللہ کی بھی صفت ہے اور بندہ کی بھی ہے، چنانچہ فرمایا ''وَقَلِيْلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ'' (سورۃ سبا۱۳) اور دوسری جگہ فرمایا ''إِنَّهُ كَانَ عَبْداً شَكُوْراً'' اور آپ نے پڑھا ہوگا اسماء الٰہیہ میں بھی شکور کا لفظ آتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی ہے ''اَنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ'' جس طرح التواب بندہ کی صفت بھی ہے اور اللہ کی صفت بھی ہے ''اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ'' (سورۃ البقرہ ۳۷) ''كُلُّ بَنِيْ آدَمَ خَطَّاءٌ

وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ" (مشکوۃ ۲۰۴/۱) تو بعض دفعہ ایک ہی لفظ اپنے معنی کے اعتبار سے اللہ اور بندہ دونوں پر بولا جاتا ہے تو جب شکر کا معنی ہم قدر دانی کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ اللہ کی نعمت کی قدر دانی کرے تو اللہ بندہ کے عمل کی قدر دانی کرتا ہے، تو اصل بات یہ ہے کہ دونوں طرف سے قدر دانی ہو، تو اللہ اس بندہ کا قدر دان ہے جو بندہ اللہ کی نعمت کا قدر دان ہے۔

قرآن وسنت کا علم اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے:

شکر کے فضائل یا اس کے طریقے بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بات اس طرف لے جانا چاہتا ہوں کہ یہ علم جو ہم حاصل کر رہے ہیں جس کے لئے ہم جمع ہوئے ہیں یا جو احباب حاصل کر چکے ہیں ان کو اس بات کا استحضار کرنا چاہیئے کہ دنیا میں اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن یہ جو علم ہے اور علم ہے ہی قرآن وسنت کا علم تو یہ اللہ کی عظیم ترین نعمت ہے، یہی نعمت ایمان کا منشأ بنتی ہے اور ایمان سے دنیا وآخرت کی جو سعادتیں نصیب ہوتی ہیں وہ آپ حضرات کو معلوم ہیں۔

اور ایمان سے محرومی کے نتیجہ میں دنیا وآخرت کی جو بربادی آتی ہے وہ بھی آپ کو معلوم ہے، قرآن مجید میں ہے "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (سورۃ محمد، ۱۹) علم کے ساتھ ہی یہ بات سمجھ میں آیا کرتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو ایمان کا منشأ بھی علم ہی ہے تو یہ جب عظیم ترین نعمت ہے تو ہمیں اس کی قدر دانی کرنی چاہیئے۔

نعمت کی ناقدری کا انجام:

اور اگر ہم ناقدری کریں گے تو بے قدری پر اللہ تعالیٰ عام نعمتوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے اور اگر شکر کرو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کرونگا، دونوں شقیں ذکر کردی ہیں جیسے ایک دوسری جگہ دونوں شقیں ذکر کی گئی ہیں "نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ" کہ میرے بندوں کو بتادو کہ میں غفور رحیم ہوں

اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتادو "وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ" (سورۃ الحجر ۴۹،۵۰) کہ میری مار بھی ایسی سخت ہے کہ ایسی مار بھی کسی کی نہیں ہے تو دونوں پہلو سامنے رکھو۔

قرآن کریم میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے ایک بات ذکر کی ہے، سورۃ محمد کے آخر میں ہے "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ" (سورۃ محمد ۳۸) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم پیٹھ پھیرو گے اپنا رخ دوسری طرف کرلو گے تو میرا کیا نقصان ہے؟ میں اور لوگ لے آؤنگا جو تم جیسے نہیں ہونگے، دوسری جگہ فرمایا "وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا" (سورۃ آل عمران ۱۴۴) کہ اگر تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے تو میرا کیا بگاڑلو گے، جو دین کو چھوڑ کر پیٹھ پھیر جائے وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے، اور اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔

اور تیسری جگہ فرمایا "مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ" (سورۃ مائدہ ۵۴) کہ اگر تم لوٹ جاؤ گے (ارتداد لوٹنے کو کہتے ہیں) تو میرا کیا جائے گا اللہ اور قوم لے آئے گا اور وہ قوم کیسی ہوگی؟ اللہ ان سے محبت کریگا وہ اللہ سے محبت کریں گے، جس کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ محبت پارٹی ہوگی، مؤمنوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں بڑے سخت ہونگے، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے کسی کی ملامت کا خوف نہیں کریں گے، یہ تین جگہیں تو میرے ذہن میں اس وقت فوری طور پر آئی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ اور مقامات بھی ہوں جو غور کرنے سے ذہن میں آسکیں۔

ہم اللہ کے محتاج ہیں:

اور حدیث شریف میں اس کی وضاحت موجود ہے، سرور کائنات ﷺ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ اگر سارے کے سارے انسان اول تا آخر ایک میدان

میں کھڑے ہو جائیں اور تمام اپنی اپنی خواہش کا اظہار کریں کہ مجھے یہ چاہیئے، مجھے وہ چاہیئے مجھے فلاں چاہیئے اور میں ہر ایک کی خواہش پوری کر دوں تو میرے خزانہ میں مچھر کے برابر بھی فرق نہیں آئے گا، اس سے اگلا جملہ نقل کرنا مقصود ہے کہ اگر سارے کے سارے انسان اول تا آخر حتیٰ کہ جن وانس بھی اکٹھے ہو جائیں اور بدمعاش سے بدمعاش ترین انسان کے دل جیسے سب کے دل ہو جائیں، بدنصیب اور بدکردار اور سب سے زیادہ فاسق وفاجر انسان جیسے دل سب کے ہو جائیں، مطلب یہ کہ اول تا آخر تمام انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اتفاق کر لیں اور سب باغی ہو جائیں تو میرے ملک میں ایک مچھر کے برابر فرق نہیں آئے گا، اور یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ اگر یہ انسان کے ذہن میں مستحضر ہوں تو یہ سمجھ میں آئے گا کہ محتاج ہم ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے محتاج نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے جو یہ نعمت علم کی دی ہے اور ہم لوگوں کو منتخب کیا ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس کی قدر کریں اگر ہم نے اس کی بے قدری کی تو پھر اس کے نتیجہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو چھین کر کسی دوسرے ملک لے جائے۔

دنیا کی بقا دین کی بقا سے ہے:

اور یاد رکھیے! یہ بات ایمان کے درجہ کی ہے کہ جب تک دنیا باقی ہے یہ علم قرآن وحدیث اور دین باقی ہے اور اگر ترتیب بدل لو کہ جب تک علم، قرآن وحدیث اور دین باقی ہے دنیا باقی ہے تو بھی ٹھیک ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے کہ اختتام تک اس علم نے اور دین نے باقی رہنا ہے۔

آپ سنتے رہتے ہیں کہ یہ دین اور یہ علم جو دین کا منشاء ہے یہ اس دنیا کے لئے روح کی طرح ہیں اور دنیا ایک ظاہری جسد کی طرح ہے، جس طرح ہمارے اندر ایک روح ہے وہ جب تک موجود ہے ہمارے تمام اعضاء متحرک ہیں روح نے ہمارے اعضاء کو جوڑا ہے اور ایک نظم کے تحت یہ ہماری مشینری چل رہی ہے اور [illegible] روح اندر سے نکل

جائے گی تو صرف یہ نہیں کہ مشین ساکت ہو جائے گی بلکہ بکھر بھی جائے گی، تمام اعضاء اندرونی، بیرونی سب علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گے اور سارا بدن ذرات کی صورت اختیار کر جائے گا تو جس طرح اس شخصی روح نے سارے بدن کو جوڑ رکھا ہے اور اس کے نکلنے کے ساتھ اس وجود میں انتشار آ جائے گا۔

بالکل اسی طرح سے سمجھو کہ اللہ کا یہ دین اور یہ علم وایمان اس پوری دنیا کے لئے روح کی طرح ہے، جب تک یہ موجود ہے دنیا منظّم ہے اور جس دن یہ روح نکل جائے گی دنیا بکھر جائے گی، اور یہ مضمون آپ حدیث شریف کے اندر پڑھتے رہتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک دنیا میں کوئی ایک شخص اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا، اور آپ جانتے ہیں کہ صرف اللہ اللہ لفظ مقصود نہیں ہے، مشرکین کا اللہ اللہ کہنا کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس لئے اللہ کا نام باقی رہنے کا مطلب ہے کہ اللہ کی توحید اور دین اور اللہ کی صفت معرفت جب تک باقی ہے تب تک دنیا باقی ہے تو یہ علم اور دین ساری کائنات کی روح ہے اس نے باقی رہنا ہے۔

خدمت دین کی توفیق قدردانوں کو ہوتی ہے:

باقی کہاں رہنا ہے؟ یہ ہے سوچنے کی بات! اللہ نے دین کو باقی تو رکھنا ہے لیکن یہ کوئی وعدہ نہیں کیا کہ پاکستان میں رکھنا ہے، دین بہر صورت موجود رہے گا۔ (ان شاء اللہ) لیکن یہ وعدہ نہیں ہے کہ پاکستان میں رکھنا ہے مکہ والوں نے قدر نہیں کی مدینہ مرکز بن گیا، مدینہ سے اٹھا تو مرکز کوفہ ہو گیا، کوفہ سے دمشق چلا گیا، دمشق سے بغداد آ گیا، اور بغداد سے دلی آ گیا، اور دلی سے پھر دیوبند آ گیا، اگر ایک علاقہ خالی ہوا تو دوسرا آباد ہو گیا، اب فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ کہیں ناقدری سے یہ ہمارے ہاتھوں سے نہ نکل جائے اور یہ خدمت دین کی امانت کسی دوسری جگہ نہ چلی جائے۔

حضرت حکیم العصر مدظلہ کی دعا:

کہنے کو جی تو چاہتا ہے مگر طبیعت بھی رکتی ہے، صرف آپ حضرات کے فائدے کے لئے اس بات کا اظہار کرتا ہوں، ہمارے زمانہ طالب علمی میں جس دن بخاری شریف ختم ہوئی تھی اس دن میں ایک ویران مسجد میں جا کے اللہ کے سامنے بہت رویا تھا اور اس دن سے میری مسلسل ایک دعا جو اللہ توفیق دیتا رہا میں کرتا رہا رویا اس لئے تھا کہ اے اللہ! آج ہمارے احادیث شریفہ کے اسباق کا اختتام ہوا ہے اب آئندہ یہ کتابیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں، زندگی کے آخر تک یہ میرے ہاتھ میں رہ جائیں اور ایک دعا جو اللہ سے کرتا تھا آج آپ کے سامنے میں اس کا اظہار کر رہا ہوں آپ کی تعلیم کے لئے۔

میں تہجد میں یا خلوت میں اس زمانہ سے ہی جو محض اللہ کی توفیق سے ہوا یہ کوئی فخر کرنا مقصود نہیں ہے، نہ ہی کوئی فخر کی بات ہے، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے صبح اٹھنے کی عادت طالب علمی کے زمانہ سے تھی، تو میں اللہ کے سامنے تنہائی میں اور اندھیرے میں ان الفاظ کے ساتھ دعا کیا کرتا تھا کہ یا اللہ! تو نے اس دین کو قیامت تک باقی رکھنا ہے، اور تو نے باقی رکھنا بھی انسانوں کی وساطت سے ہے، جیسے قرآن کریم باقی ہے حفاظ کے سینوں میں، اسی طرح علم باقی ہے علماء کے سینوں میں، فرشتے اس کی حفاظت کرنے کے لئے نہیں آئیں گے، یا اللہ میں تیرے سامنے ہاتھ پھیلا کر درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے ان نیک بختوں میں شامل کر لے، جن کو تو اس علم اور دین کی بقاء کا ذریعہ بنائے مجھے اس سلسلہ میں شامل کر لے۔

اہلیت بھی دے اور کام بھی لے:

پھر بے وقوفوں والی بات ذہن میں آجاتی کہ اگر اللہ تعالیٰ کہہ دیں کہ تیرے اندر تو صلاحیت ہی نہیں ہے قابلیت ہی نہیں ہے، جس کے ساتھ دین کو باقی رکھا جائے گا تو پھر میں درخواست کروں گا کہ یا اللہ! مجھے وہ دروازہ بتا دیں کہ اہلیت وصلاحیت کہاں ملتی ہے میں وہاں

سے مانگ لاتا ہوں، اور اگر یہ بھی تیرے ہی پاس ہے تو پھر میری اس درخواست کے ساتھ یہ بھی درخواست ہے کہ یہ اہلیت وقابلیت بھی دے اور کام بھی لے اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ

داد تورا قابلیت شرط نیست

بلکہ شرط قابلیت داد تورا ست

تیری طرف سے عطاء قابلیت کی بناپر نہیں ہوتی بلکہ قابلیت تب ملتی ہے جب تیری طرف سے عطاء ہوتی ہے۔ آج میرا بال بال اللہ کا شکر ادا کرتا ہے کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قبول فرمایا اور آگے قبولیت اس کے اختیار میں ہے اور میں بہت پرامید ہوں کہ جب اس نے کام میں لگایا ہے جو علامت ہے قبولیت کی تو وہ ضرور قبول بھی کرے گا (انشاء اللہ) عمر کا سارا حصہ تقریباً ۶۳ سال ہو گئے مجھے مدرسوں کی روٹیاں کھاتے ہوئے اور ان میں وقت گزارتے ہوئے اور اس وقت میں اناسی ویں ۷۹ سال میں جارہا ہوں یعنی اسی ۸۰ کو ہاتھ لگانے والا ہوں تو یہ تھی قدردانی۔

مدینہ منورہ میں حضرت حکیم العصر مدظلہ کی دعا:

اور اس کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ نے توفیق دی حرمین شریفین میں جانے کی (آج تو معلوم نہیں کہ میں کیا آپ کے سامنے یہ باتیں کھول رہا ہوں) تو جب حرمین شریفین میں جانے کا اتفاق ہوا تو جانا پہلے بھی ہوتا تھا لیکن ۱۴۰۳ھ میں یہ سلسلہ شروع ہوا کہ میں رمضان میں گیا اور حج کر کے آیا تقریباً چار سوا چار ماہ ٹھہرنے کا موقع ملا ڈیڑھ پونے دو ماہ تقریباً مدینہ منورہ اور ڈیڑھ پونے دو ماہ مکہ مکرمہ میں، اور جو لوگ وہاں جاتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ رمضان شریف میں تو مسجد نبوی میں رش ہوتا ہے لیکن رمضان شریف گزر جانے کے بعد عمرہ والے واپس آجاتے ہیں اور حجاج ابھی جانا شروع نہیں ہوتے تو مسجد نبوی خالی ہوتی ہے صرف نماز کے وقت میں شہر کے لوگ آتے ہیں باقی اوقات میں

خالی ہوتی ہے تو ایسا موقع بھی ملتا رہا کہ ریاض الجنۃ میں صرف اکیلا ہی بیٹھا ہوں روضہ اقدس کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں اور ایک دعا میرے ذہن میں مجنونانہ آئی ہوئی تھی۔

جب میں ریاض الجنۃ میں بیٹھ جاتا تو سامنے محراب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا جہاں آپ نماز پڑھایا کرتے تھے اور سامنے وہ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے تو وہاں بیٹھے میں یہی دعا کرتا رہتا کہ یا اللہ! جو دین اس منبر و محراب سے شائع ہوا ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نے عطاء کیا مخلوق کی نجات کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر و محراب سے اس کی اشاعت فرمائی ہے یا اللہ! وہ پاک صاف ستھرا دین مجھے بھی نصیب فرما جس میں کفر و شرک اور نفاق کی بالکل آمیزش نہ ہو بلکہ خاص طور پر صاف ستھرا دین نصیب فرما، میں تجھ سے یہی مانگتا ہوں پھر جب وہاں سے اٹھتا تو روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر کھڑا ہو جاتا، ہمارے عقیدے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور سفارش کی درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی جاسکتی ہے، تو میں صلوٰۃ وسلام بھی پڑھتا اور پھر کہتا یا رسول اللہ! میرے لئے اللہ تعالیٰ سے ایک ہی چیز طلب فرمائیں کہ اللہ مجھے وہ خالص دین نصیب فرمائیں جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور مخلوق کی نجات کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نشر و اشاعت کی، میں اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی خدمت کے لئے وقف کرتا ہوں، مجھے قبولیت کے طور پر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دین کی خدمت کے لئے قبول کر لے، صبح و شام دن رات میری یہی ایک دعا ہوتی تھی۔

مکہ معظّمہ میں حضرت حکیم العصر مدظلہ کی دعا:

پھر مدینہ سے مکہ مکرمہ آ گیا یہاں بھی رش نہیں ہوتا تھا تو حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو کر بیت اللہ کی دہلیز سے چمٹ کر، ملتزم سے چمٹ کر، بیت اللہ کا غلاف پکڑ کے، صفاء مروہ پر عمرہ کرتے ہوئے بس یہی ایک دعا زبان پر ہوتی کہ یا اللہ! مجھے دین صحیح نصیب فرما،

قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ عطاء فرما بس آپ سے یہی مانگتا ہوں اور مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک آپ مجھے دین کی خدمت میں لگائے رکھیں اور اگر مجھے دین کی خدمت سے محروم کرنا ہو تو مجھے موت دیدینا کیونکہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

تو مکہ مکرمہ میں بھی جو بھی اجابت دعا کے مقام تھے میں نے وہاں رو رو کر، ہاتھ پھیلا پھیلا کر یہی دین حق مانگا ہے پھر حج کے دن آ گئے تو عرفات میں یہی دعا، مزدلفہ میں بھی یہی دعا مانگتا۔

دعاؤں کا اثر:

مزدلفہ میں جب ہم عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے تو اس رات میں نے ایک خواب دیکھا، حالانکہ عام طور پر مجھے خواب دیکھنے کی عادت نہیں ہے مجھے خواب نہیں آتے، تو خواب کیا دیکھتا ہوں کہ میں نے ایک لمبی قمیص پہن رکھی ہے اور میں اپنے دوستوں کو بتا تا ہوں کہ دیکھو میری قمیص کتنی لمبی ہے اور یہ آج سے نہیں میری بہت پرانی عادت ہے کہ میں لمبی قمیص پہنتا ہوں یہ میں نے خواب دیکھا جس وقت میری آنکھ کھلی فوراً مجھے وہ حدیث یاد آئی جو بخاری میں کتاب العلم میں آپ کے سامنے آئے گی، کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا تو مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قمیص سب سے زیادہ لمبی نظر آئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، یارسول اللہ! اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ''دین'' ہے تو میں یہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہے کہ جو دین آپ نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے یہی دین صحیح ہے جس کو اختیار کیا جائے۔

واللہ العظیم اتنا اطمینان قلبی حاصل ہوا کہ دنیا ادھر سے اُدھر ہو جائے میں اپنے اکابر کے مسلک میں کبھی شک نہیں پاتا جو بھی اکابر کا مسلک میرے سامنے آیا میں اس پر ٹھوس پتھر کی طرح قائم ہوں، یہ سب حضرات جانتے ہیں جنہوں نے میرے پاس سالہا سال گزارے ہیں، تو اس قدر مجھے اطمینان قلب ہو گیا۔

علم کی بے قدری سے بچو:

تو یہ ساری قصہ کہانی میں نے آپ کو صرف اس لئے سنائی ہے کہ میں ہر روز ''اسلام'' اخبار کا مطالعہ کرتا ہوں اور ایک حادثہ پہلے نہیں تھا لیکن اس سال تو بہت کثرت کے ساتھ سامنے آیا وہ یہ کہ شاید ہی کسی مدرسہ کا اشتہار اسلام اخبار میں آیا ہو جو اس عنوان سے خالی ہو کہ ہم میٹرک بھی کروائیں گے، بی اے بھی کروائیں گے، کمپیوٹر، انگریزی بھی سکھائیں گے اور یہ ہر مدرسہ کے اشتہار میں تھا گویا کہ اب دینی علم کی طرف بلانے کے لئے آپ کو انگریزی کے حوالے دیئے جارہے ہیں جو علامت ہے اس بات کی کہ علم دین کی بے قدری دل میں آ گئی اور ان چیزوں کی قدر بڑھتی جارہی ہے، اس وقت سے میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں مدارس سکول نہ بن جائیں اور ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ نعمت واپس لے لیں۔

اور یہ چیز ہم پر اتنی مسلط ہو گئی ہے کہ جب ہم باقاعدہ انگریز کے غلام تھے اس وقت بھی ہمارے دل ودماغ میں یہ اتنی مسلط نہیں تھی پوری تاریخ میں آپ دیکھ لیں کہ کبھی بھی مدارس کے جلسوں میں کانفرنسوں میں انگریزی زبان میں بچوں سے تقریر کروائی ہو اور ہم صرف یہ تأثر ظاہر کرنے کے لئے کہ ہمارے بچے انگریزی بولنا جانتے ہیں، جس سے انگریزی کی عظمت نمایاں ہو، سال دو سال سے میں دیکھ رہا ہوں کہ بچوں کو سٹیج پر لا کر ان سے انگریزی میں تقریر کرائی جاتی ہے، یہ دکھانے کے لئے کہ ہمارے بچے انگریزی جانتے ہیں جب ہم باقاعدہ غلام تھے اس وقت ایسا نہیں تھا۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بچے بہت اچھی انگریزی بولتے ہیں، تو میں ان سے کہتا ہوں کہ تم کیا اچھی بولتے ہو انگریز کے چوڑھے، گٹر صاف کرنے والے تم سے اچھی انگریزی بولتے ہیں تو یہ تم نے کونسا فخر حاصل کرلیا؟ یعنی پہلے آپ لوگ قرأت سنایا کرتے تھے ایک چھوٹے بچے سے کہ یہ حافظ ہو گیا یا اس چھوٹے بچے نے روایات پڑھ لیں، تاکہ لوگوں کو

شوق پیدا ہو کہ وہ بھی اپنے بچوں کو اس طرف لے کر آئیں اور اب انگریزی میں تقاریر ہو رہی ہیں، مکالمے ہو رہے ہیں مدارس کے سٹیج پر یہ علم دین کی بے انتہا بے قدری ہے۔

اور اس سے ڈر لگتا ہے کہ دو چار سالوں میں کہیں مدارس سکول نہ بن جائیں، اور یہ علم دین ہم سے کوچ کر کے کسی اور ملک میں نہ چلا جائے، اس لئے اس نعمت کی بے قدری نہیں کرنی تہیہ کر لو کہ ہم نے اسی طرح جس طرح ہمارے اکابر نے چٹائیوں پر بیٹھ کر قرآن کریم پڑھایا ایسا ہی ہم کریں گے، میں ہر جگہ یہ سوال کرتا ہوں مجھے صرف اتنا بتا دو کہ جن کو تم کمپیوٹر سکھا دو گے، انگریزی سکھا دو گے وہ کیا چٹائی پر بیٹھ کر قرآن پڑھائے گا؟ اگر اس کا قرآن پڑھانے کا ارادہ ہے تو پھر اس کو کمپیوٹر کی ضرورت کیا ہے، اور جب وہ یہ چیزیں سیکھ لے گا تو وہ دو گھنٹے مارکیٹ میں کام کرے گا، بیس ہزار روپے کما لے گا یا کسی تجارتی فرم میں چلا جائے گا، بینک میں چلا جائے گا اور روزانی رقم کمائے گا۔

علم کی بے قدری کا انجام:

اور ہمارے جو پرانے حضرات چلے آرہے ہیں دس دس گھنٹے ایک ہی جگہ بیٹھتے ہیں تو کہیں جا کے سال کے آخر میں پندرہ بیس حافظ تیار کرتے ہیں، اور تنخواہ صرف پانچ سات ہزار روپے ہوتی ہے اور میں نے کراچی کے کئی اجتماعات میں چیلنج کے ساتھ کہا ہے کہ یہ بڑے مدارس جنہوں نے اپنے رخ تبدیل کر لئے ہیں مجھے یہاں کا ایک لڑکا دکھا دو جو اس وقت پڑھا رہا ہو؟ میں نے کہا تم سارے کراچی کا سروے کر لو تمہیں قرآن پڑھانے والے مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان، اور ملتان، اور اس جیسے دیگر غریب علاقوں کے پڑھے ہوئے بیٹھے قرآن پڑھاتے نظر آئیں گے، جس کا مطلب یہ ہے ہمارے دل کے اندر جو عظمت آگئی ہے وہ ان کاموں کی ہے دین کی نہیں ہے۔

ہم اپنے ہاتھوں سے مدارس کو اجاڑ رہے ہیں:

اب ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سیکھو اور خوب کماؤ اور کھاؤ جب کہ ہمارے بزرگوں کا نظریہ

یہ تھا کہ ہم نے دین کا علم حاصل کرنا ہے، اس میں معاش کا قطعاً کوئی تصور نہیں ہے، اس لئے انہوں نے مانگ کے کھایا اور مانگ کے کھلایا اور دین پھیلایا اور اب حال یہ ہے کہ یہ معاشی نظریہ بن گیا ہے، یہ بات ہے جو میرے دل کو ستاتی ہے اور میں بہت دکھ محسوس کرتا ہوں، کہ یہ کیا ہو گیا کہ انگریز ہمارے مدارس کو اجاڑ نہ سکے لیکن ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے مدارس کو اجاڑتے جا رہے ہیں، انگریز ہمیں ان راستوں پر نہ چلا سکا۔

اور یاد رکھیں! ہم تو جا رہے ہیں اگر اس بارے میں عقل نہ آئی تو دو چار سال کے اندر علوم عربیہ ان مدارس سے ختم ہو جائیں گے اور یہ سکول و کالج کی کیفیت اختیار کر جائیں گے، اور علم دین کسی اور ملک میں چلا جائے گا تو سعادتمند ہیں وہ بچے جو میری بات کو اچھے طریقے سے سمجھ گئے ہیں کہ جو دنیا کو لات مار کر، سادہ پہن کر، سادہ کھا کر، اس دین کے سلسلہ میں جڑ جائے تو قیامت تک جو ایک زنجیر بنے گی جیسے انجن کے ساتھ مال گاڑی کے ٹوٹے پھوٹے ڈبے جڑے رہیں تو کھڑ کھڑ کرتے جہاں انجن پہنچتا ہے وہاں پہنچ ہی جاتے ہیں، ہم جیسے گنہگار بھی ان شاء اللہ العزیز اگر اس زنجیر میں لگے ہوں گے جو سرور کائنات ﷺ تک پہنچے گی ہم بھی جیسے کیسے ہیں ان بزرگوں کے پیچھے پہنچ جائیں گے۔

مدارس کا اصل ہدف قرآن و سنت کی اشاعت ہے:

تو یہ میرا مقصد ہے جو میں نے آپ کے سامنے اتنی لمبی گفتگو کی اور اپنے دکھ کا اظہار کیا تو شکر کرو، علم کی ناقدری نہ کرو کہیں محروم نہ ہو جائیں، اگر تمہارے دل کے اندر عظمت انگریزی کی آ گئی اس دین کے مقابلہ میں تو یاد رکھو! پھر تمہارے ذہن میں مسجد نہیں آئے گی، مدرسہ نہیں آئے گا، اور درس گاہیں نہیں آئیں گی بلکہ تمہارے ذہن میں دفتر آئیں گے، مارکیٹ کے دفتر، بینک کے دفاتر یا کوئی اور دفاتر آئیں گے اور پھر اپنی زندگی اکارت کر لو گے۔

سنو! بہت دنیا ہے یہ کام کرنے والی، یہ چیزیں ان کے لیے چھوڑ دو اور اپنے لئے وہی راستہ تجویز کرو جو اس دین کی بقاء اور اس کی اشاعت کا ہے تب ہو گی اس نعمت کی قدر

دانی، اگر ہم نے یوں کیا تو اللہ تعالیٰ بہت برکت دے گا اور اگر ہم نے اس کی بے قدری کرنا شروع کردی اور اپنے آپ کو حقیر سمجھنا شروع کردیا کہ ہمارے پاس کوئی کمال نہیں ہے کمال تو انگریزی بولنے میں ہے تو یہ علم دین کی بے انتہا ناقدری ہوگی۔

اہل مدارس قرآن وسنت اور حدیث وفقہ کو بنیادی اہمیت وفوقیت کے ساتھ مقصد حیات بنا کر تعلیم وتعلم کے مشغلہ کو اختیار کریں اگر ہمارے مدارس میں انگلش اور کمپیوٹر کو بنیادی اہمیت دیکر اجاگر کیا گیا تو یہاں سے اصحاب دین پیدا ہونے کی بجائے آفس کلرک پیدا ہونے لگیں گے، یہ اہداف مدارس کے خلاف ہے۔

تبلیغ کے لیے انگلینڈ اور امریکہ ہی کیوں؟

میں کہا کرتا ہوں کہ ذرا اتنا سوچ لو کہ جو تم کمی محسوس کرتے ہو کہ ہم تبلیغ کے لئے انگلش پڑھتے پڑھاتے ہیں تو تمہیں تبلیغ کے لئے انگلینڈ اور امریکہ ہی کیوں نظر آتا ہے روس اور چین نظر کیوں نہیں آتا؟ جس کو دیکھو انگریزی پڑھ کے امریکہ جائے گا یا انگلینڈ جائے گا وہاں تو اتنے مبلغ پھرتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں، اور یہ روس چین اور جاپان جتنے علاقے ہیں ان میں تمہیں تبلیغ کا شوق نہیں ہے؟ اس کے لیے تم چینی یا روسی زبان کیوں نہیں پڑھتے؟

اور یہاں جب تم مدرسہ کے سٹیج پر بچے سے انگریزی میں تقریر کرواتے ہو تو مجمع میں ایک فی صد آدمی بھی نہیں ہوتا جو اس کو سمجھ رہا ہو تو یہ تم نے کونسا تیر مار لیا؟

مدارس کے موجودہ طرز عمل سے کہیں ملا مسٹر نہ بن جائے:

میں کہا کرتا ہوں کہ یہ کمی تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پوری کر گئے، انہوں نے مولوی کو مسٹر بنانے کی بجائے مسٹر کو مولوی بنا دیا، مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ مدارس کے موجودہ طرز عمل سے کہیں "ملا" مسٹر نہ بن جائے، دنیا کا کونسا حصہ ایسا ہے کہ جس میں ڈاکٹر، انجینئر یا افسر تبلیغ نہیں کرتے پھرتے؟ ہر محاذ پر الحمدللہ تبلیغ ہو رہی ہے مولوی کو مسٹر بنانے کی بجائے حضرت نے مسٹر کو مولوی بنایا۔

ہم اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں:

اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین میں لگایا ہے تو اس کی قدر کرو اور اسی پر ڈٹے رہو ہم اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں بلکہ ہم شکر ادا نہیں کر سکتے کہ اللہ نے ہمیں سڑک پر جھاڑو دینے والا نہیں بنایا، ہمیں عیش وعشرت کی زندگی نہیں عطاء فرمائی اور ایسے اسباب نہیں دیئے کہ ہم ہوٹلوں یا سینماؤں میں چکر لگاتے پھرتے بلکہ یہی مسجد کی چٹائی اور اپنے در پر پیشانی رگڑنے کی توفیق دی اسی پر اللہ کے شکر گزار ہیں دعاء ہے کہ آخری سانس تک اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس نعمت کو باقی رکھے! آمین، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صدقہ خیرات کھانے والا طبقہ

بموقع: دستار بندی

بتاریخ: 23 جون 2010ء

بمقام: العصر تعلیمی مرکز پیر محل

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ قَسَمَ بَیْنَکُمْ اَخْلَاقَکُمْ کَمَاقَسَمَ بَیْنَکُمْ اَرْزَاقَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ یُعْطِی الدُّنْیَامَنْ یُحِبُّ وَمَنْ لَایُحِبُّ وَلَایُعْطِی الدِّیْنَ اِلَّامَنْ اَحَبَّ فَمَنْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ الدِّیْنَ فَقَدْاَحَبَّہٗ،وَالَّذِیْن نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَایُسْلِمُ عَبْدٌ حَتّٰی یُسْلِمَ قَلْبُہٗ وَلِسَانُہٗ (مشکوٰۃ /ج۲ص۴۲۵)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْم وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ

حدیث کا ترجمہ:

میں نے آپ کی سامنے سرور کائنات ﷺ کا ایک قول مبارک پڑھا ہے جس کو نقل کرنے والے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان اخلاق ایسے ہی تقسیم کیے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں۔

''اِنَّ اللّٰهَ يُعْطِي الدُّنْيَا مَنْ يُّحِبُّ وَ مَنْ لَا يُحِبُّ'' دنیا کا ساز وسامان اللہ ان کو بھی دیتا ہے جن کو اللہ پسند نہیں کرتا اور ان کو بھی دیتا ہے جن کو پسند کرتا ہے، ''وَلَا يُعْطِي الدِّيْنَ اِلَّا مَنْ اَحَبَّهُ'' جس کو اللہ نے دین دیدیا تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ کو اس شخص کے ساتھ محبت ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''لَا يُسْلِمُ عَبْدٌ'' کوئی بندہ مسلمان نہیں بنتا ''حَتّٰى يُسْلِمَ قَلْبُهُ وَلِسَانُهُ'' جب تک کہ اس کا دل اور زبان مسلمان نہ ہو، مسلمان بننے کے لیے دل اور زبان کا مسلمان بننا ضروری ہے ''وَلَا يُؤْمِنُ'' اور کوئی شخص مؤمن نہیں بنتا ''حَتّٰى يَاْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ'' جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے بے خوف نہ ہو، جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے بے خوف ہے یہ اس کے مؤمن ہونے کی علامت ہے اور دل اور زبان کا مسلمان ہو جانا یہ مسلمان ہونے کی علامت ہے، یہ روایت کا لفظی ترجمہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے کیا ہے۔

مشبہ اور مشبہ بہ کی وضاحت:

اب اس کی تھوڑی سے وضاحت کرتا ہوں ''اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ'' کوشش کرتا ہوں سادگی کے ساتھ بات سمجھانے کی، علمی نقطے کے تحت ہمارے ہاں ایک مشہور اصطلاح ہے تشبیہ دینا ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ،

اس میں جس کو تشبیہ دی جائے اس کو مشبہ کہتے ہیں اور جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے اس کو مشبہ بہ کہتے ہیں، جیسے ہم کہیں کہ زید شیر جیسا ہے تو زید کو ہم نے تشبیہ دی شیر کے ساتھ تو زید مشبہ ہے اور شیر مشبہ بہ ہے تو سنتے ہی آدمی سمجھتا ہے کہ زید کی بہادری بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ شیر بہادری میں مشہور ہے اور جب ہم کہیں گے کہ زید شیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس زید کو بہادر کہا جا رہا ہے۔

مشبہ سے یہ بات حاصل ہوا کرتی ہے لیکن اس میں ایک حقیقت یہ ہے کہ تشبیہ وہاں ہوا کرتی ہے جہاں مشبہ بہ زیادہ مشہور ہو اور تقریباً سب کے نزدیک مسلّم ہو اور اس کے سمجھنے میں کوئی کسی قسم کی دقت نہ پیش آئے اگر ایک آدمی شیر کو ہی نہیں جانتا، شیر کی بہادری کو نہیں جانتا وہ زید شیر ہے کا کیا مطلب سمجھے گا؟ زید شیر ہے اس سے بہادری وہی شخص سمجھے گا کہ جو شیر کو بھی جانتا ہے اور جنگلی جانوروں میں شیر کی بہادری کو بھی جانتا ہے وہ سمجھے گا کہ زید شیر ہے کا کیا مطلب ہے (تھوڑی سی توجہ کریں گے تو بات انشاء اللہ سمجھ میں آئے گی) تو جس کو مشبہ بہ کہتے ہیں جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے وہ ایک تو مشہور ہوتا ہے دوسرا مسلّم ہوتا ہے اور اس کی وہ صفت جس سے تشبیہ دینا مقصود ہے وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس میں زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہمارا رازق اللہ ہے:

یہاں اللہ تعالیٰ نے اخلاق کی تقسیم کو تشبیہ دی ہے کہ ''كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ'' جیسے اللہ نے تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں تو رزق کی تقسیم یہ مشبہ بہ ہے اور اخلاق کی تقسیم یہ مشبہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رزق کی تقسیم اللہ نے کی ہے یہ اتنی بڑی واضح حقیقت ہے کہ جس میں زیادہ غور و خوض کی ضرورت نہیں انسان بہت آسانی کے ساتھ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ رزق اللہ کے دامن سے ملتا ہے اور اتنا ملتا ہے جتنا اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کوئی آدمی اس کا انکار نہیں کر سکتا، ’’اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ‘‘ (سورۃ الرعد ۲۶) اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے یہ اختیار اللہ کا ہے۔

ایک ہی بازار میں ایک ہی چیز کی دکان دو شخص کرتے ہیں ایک سال کے بعد دیکھتا ہے تو اس میں نفع پاتا ہے اور دوسرا سال کے بعد دیکھتا ہے تو خسارہ ہوتا ہے، ایک کاشتکار کی فصل اچھی ہو جاتی ہے دوسرے کی اچھی نہیں ہوتی، اور ایک کے پاس مال آتا ہے لیکن اس کے استعمال میں نہیں آتا، چور لے جاتے ہیں، ڈاکو چھین لیتے ہیں، آگ لگ جاتی ہے، اور جو آپ کھاتے ہیں اس لقمہ میں سے بھی جتنا آپ کا حصہ نہیں ہوتا وہ دانتوں میں پھنس جاتا ہے اور فارغ ہو کے آپ تنکے کے ساتھ نکال کے اس کو باہر پھینک دیتے ہیں رزق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینا ہے، آپ کو کھلانا ہے اور وہی آپ کھا سکتے ہیں اس پر کوئی شخص اعتراض نہیں کر سکتا کہ جب اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو کس انداز میں دیتا ہے اور نہیں دیتا تو جتنی چاہو کوشش کر لو نہیں ملتا یہ ایک حقیقت واضح ہے لیکن اتنا کافر غور نہیں کرتا مسلمان غور کرتا ہے۔

رزق کی وسعت پر اللہ کا شکر ادا کرو:

اس عقیدہ کا اثر یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر کسی شخص کو رزق وسعت سے دیا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ یہ مجھے اللہ نے دیا ہے، اللہ نے مجھے توفیق دی کام کرنے کی، آنکھیں دیں میں نے استعمال کیں، زبان دی میں نے استعمال کی، ہاتھ پاؤں دیے میں نے استعمال کیے، بدنی قوت دی میں نے استعمال کی، یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے اگر ان ہاتھوں اور پاؤں کی محنت کے ساتھ کوئی چیز حاصل ہو گی تو وہ بھی اللہ کی دی ہوئی ہے جب آپ نے اللہ کی دی ہوئی چیز کے ذریعہ سے اس کو حاصل کیا ہے تو وہ چیز اللہ ہی کی دی ہوئی ہے۔

قارونی نظریہ اور اس کا انجام:

اور یہ سمجھ لینا کہ میں نے اس کو اپنی استعداد سے کمایا ہے اور میں نے اس کو اپنی محنت سے کمایا ہے لہذا یہ میرا ہے یہ قارونی نظریہ ہے، قارون ایک بہت مشہور ومعروف سرمایہ دار گزرا ہے قرآن کریم نے اس کی سرمایہ داری کی تعریف کی ہے اور قارون ایک محاورہ بن گیا کہ جب کسی کے سرمایہ دار ہونے کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تو قارون ہے۔

قرآن کہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ ان خزانوں کی چابیاں ایک جماعت لیکر چلتی تھی تو تھکاوٹ محسوس کرتی تھی، اتنے اسکو اللہ نے خزانے دیے تھے اور جب کہنے والوں نے اسے کہا کہ اللہ نے تجھے یہ مال دیا ہے، اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو تو اب اللہ کی مخلوق پر احسان کر جو اللہ کے محتاج بندے ہیں جو کما نہیں سکتے تو ان کے ساتھ احسان والا معاملہ کر، ان کی مدد کر، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر، ''اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ'' (سورۃ قصص ۷۷) جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو اللہ کی مخلوق پر احسان کر، اس کا آگے سے جواب ہے ''اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ'' اللہ نے کیا احسان کیا ہے میں نے اپنی استعداد سے کمایا ہے ''اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ'' (سورۃ قصص ۷۸) میں یہ مال دیا گیا ہوں اپنے اس علم کی بناء پر جو مجھے حاصل ہے۔

مجھے کمانے کے طریقے آتے ہیں اس لیے میں نے کما لیا اس میں اللہ کا کیا احسان ہے، اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ یہ سمجھ لینا کہ یہ مال میری کمائی کا نتیجہ ہے یہ قارونی نظریہ ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ نے کہا کہ اگر تو نے اپنی استعداد سے کمایا ہے تو تو اس کو بچا بھی سکتا ہے۔

لیکن میں تجھے دکھاتا ہوں کہ میں جب تجھ سے چھینتا ہوں تو تو اس کو اپنی استعداد کے ساتھ بچا نہیں سکتا اس کو بمع اس کے خزانوں کے، بمع اس کی کوٹھی اور بنگلہ کے زمین میں

غرق کر دیا، اس کی استعداد اس کے کس کام آئی؟ قرآن کریم نے یہ قصہ سنایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دینا بھی اللہ ہے اور چھینتا بھی اللہ ہے۔

اس لیے اگر اللہ دیدے تو اس کا شکر ادا کرو اور شکر ادا کرنا یہ انسان کی بندگی کا تقاضہ ہے، پہلی بات تو یہ ہے جو اس حدیث کے اندر بیان کی گئی ہے کہ رزق کی تقسیم اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتا ہے زیادہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔

رزق کی تقسیم میں مومن اور کافر برابر ہیں:

اور پھر آگے جس کو اخلاق کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس سے مراد اخلاق ردیہ ہیں، آگے فرمایا کہ دنیا کا سامان تو اللہ اس کو بھی دیتا ہے جس سے اللہ کو محبت ہوتی ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس کے ساتھ اللہ کو محبت نہیں ہوتی، مطلب یہ ہے کہ رزق کی تقسیم میں مومن کافر کا فرق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی کھلاتا ہے، مؤمنوں کو بھی کھلاتا ہے، رزق کا زیادہ مل جانا اللہ کے محبوب ہونے کی علامت نہیں، رزق کی تنگی اللہ کے نزدیک مبغوض ہونے کی علامت نہیں اللہ یہ مال دونوں کو دیتا ہے، محبوبوں کو بھی دیتا ہے، اور جو محبوب نہیں ہیں ان کو بھی دیتا ہے۔

اب اس پر اگر تفصیل سے عرض کرنا چاہوں تو بہت لمبی بات ہے، اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ آدم علیہ السلام سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ شروع ہوا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، انبیاء علیہم السلام کی تاریخ قرآن کریم میں موٹے موٹے واقعات کے تحت بیان کی گئی ہے اس سے یہ ایک حقیقت واضح ہوتی ہے انبیاء علیہم السلام اور انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کی کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو دنیا کا سامان کم دیتا ہے اور ان کے مخالفین کو کافروں کو دنیا کا سامان زیادہ دیتا ہے، تاریخ اس بات پر شاہد ہے اور اگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کروں تو بات لمبی ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرعون کا تبصرہ:

سب سے زیادہ تذکرہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ تھا وقت کے بادشاہ کے ساتھ جس کو فرعون کہتے ہیں اب یہ بادشاہ ہے بادشاہوں کے پاس تو بہت خزانے ہوتے ہیں موسیٰ علیہ السلام بے چارے فقیر اور درویش آدمی ہیں، ڈنڈا لے کے آگئے تھے فرعون کو تبلیغ کرنے کے لیے، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو زبان استعمال کی ہے وہ سورت زخرف میں ہے فرعون کہتا ہے ''اَلَیْسَ لِیْ مُلْکُ مِصْرَ'' کیا میں مصر کا بادشاہ نہیں ہوں ''وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ'' اور یہ نہریں میری ماتحتی میں چلتی ہیں میں بہتر ہوں ''مِنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ'' (سورۃ زخرف ۵۲) میرا اور اس کا مقابلہ کیا ہے میں مصر کا بادشاہ ہوں اور یہ نہریں میری ماتحتی میں چلتی ہیں میرے مقابلہ میں یہ کیا ہے ''مھین'' کا لفظ استعمال کیا اور مھین کا لفظی معنیٰ ہوتا ہے ذلیل اور بے قدر، یہ مھین ہے اس کو میرے مقابلہ میں بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں تھوڑی سی لکنت بھی تھی'' وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ''بات واضح طور پر کر نہیں سکتا، میں اگر کسی کو نمائندہ بناتا ہوں تو اس کو سونے کے کنگن پہناتا ہوں اور یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کا نمائندہ ہوں تو اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے گئے؟ ہمارے نمائندوں کے آگے پیچھے پولیس ہوتی ہے حفاظت کرنے والی، یہ اکیلا پھرتا ہے اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں اترے، اس کے آگے پیچھے فرشتوں کی فوجیں کیوں نہیں ہیں، یہ فرعون کا تبصرہ ہے جو قرآن کریم نے نقل کیا ہے۔

گویا کہ اس کو اپنے تخت پر، اپنے تاج پر، اپنی سلطنت پر، اپنے خزانوں پر، اتنا ناز تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو مال نہ ہونے کی بناء پر وہ مھین کے لفظ سے ذکر کرتا ہے کہ یہ ذلیل آدمی میرے مقابلہ میں کیسے آگیا، قرآن کریم کی ان آیات کی تفسیر اٹھا کر دیکھو تو تمہیں پتہ چلے کہ فرعونی دماغ کیا ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا مقام کیا ہوتا ہے۔

حکام قوم کا کھاتے ہیں:

حالانکہ بادشاہوں کے خزانے غریبوں کی کمائی سے ہی بھرے ہوئے ہوتے ہیں، بادشاہ ٹوکری نہیں اٹھایا کرتے، وہ اپنے ڈنڈے کے زور پر آپ لوگوں سے لیتے ہیں اور اپنے خزانے کو بھر کے اسی کے اوپر وہ عیش وعشرت کرتے ہیں، کیا کروں ایک بہت اہم عنوان ذہن کے اندر آرہا ہے جس کو اگر میں پورے مالہ وماعلیہ کے ساتھ بیان کروں تو وقت بھی زیادہ ہو جائے گا اور آپ بوریت بھی محسوس کریں گے کوشش کرتا ہوں ایک عنوان قائم کرنے کی۔

آج لوگ کہتے ہیں کہ مولوی مانگ کے کھاتے ہیں، یہ قرآن کریم کے حافظ چندے پر گزارہ کرتے ہیں، یہ صدقہ خیرات کھاتے ہیں اس لیے اگر کسی کو کہا جائے کہ اپنے بچہ کو دین پڑھالو تو فوراً اس کے دماغ میں آتا ہے کہ یہ کھائے گا کہاں سے؟ کیا یہ بھی اسی طرح مانگتا پھرے گا جس طرح یہ مولوی مانگتے پھرتے ہیں، لوگوں کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے لوگ اس بات کے اوپر تبصرہ کرتے ہیں اور ذرا اس بات کو سوچنے کی کوشش نہیں کرتے جیسا کہ ایک شاعر نے شعر میں کہا ہے کہ

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خیرات
تم یہ مانو یا نہ مانو شاہ وحاکم سب گدا

آج حکومت آپ سے ٹیکس لیتی ہے ڈنڈے کے زور سے وہ آپ کی ہی کمائی ہے، وہی جمع ہوتا ہے خزانہ میں وہ آپ کی ہی کمائی ہے لیکن لی ہوئی ہے ڈنڈے کے زور سے اور اسی کمائی سے صدر مملکت تنخواہ لیتا ہے۔

- اسی کمائی سے وزراء عیاشی کرتے ہیں،
- اور اسی کمائی سے سارے حاکم لے کے کھاتے ہیں،
- اور اسی کمائی سے کالجوں کے پروفیسر تنخواہ لیتے ہیں،
- اسی سے پرنسپل تنخواہ لیتے ہیں،

اور اسی سے ہی ساری فوج اپنا خرچ لیتی ہے اور اپنا خرچ چلاتی ہے، وہ سارے کا سارا خزانہ آسمان سے نہیں برسا ہوتا وہ آپ ہی سے لیا ہوا ہوتا ہے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں!

فوج کا خرچ آتا ہے خزانہ سے اور خزانہ جمع ہوتا ہے آپ کے ٹیکسوں سے، اور تمام کے تمام حکام آپ کے ہی خزانہ سے تنخواہیں لیتے ہیں لیکن ڈنڈے کے زور سے۔

ہم بھی قوم کا کھاتے ہیں:

اور اگر اللہ کے نام پر یا اللہ کے رسول کے نام پر آپ سے مانگ کر لیا جاتا ہے تو وہ آپ کو برا لگتا ہے اور اگر کوئی ڈنڈا دکھا کے لیتا ہے تو وہاں آپ سلام بھی کرتے ہیں، سر بھی جھکاتے ہیں اور دیتے بھی ہیں اس بات کو ذرا سوچ لو! ہوتا وہ بھی آپ کا ہی ہے ہم کھاتے ہیں ہم بھی آپ ہی کا کھاتے ہیں اس میں فرق نہیں ہے لیکن وہ ذرا ڈنڈے کے زور پر لیتے ہیں اور ہم آپ سے خوشی کے ساتھ، اللہ کا واسطہ دے کر یا اللہ کا نام لے کر لیتے ہیں دونوں میں فرق کوئی نہیں ہے۔

وہ بھی قوم کا کھاتے ہیں ہم بھی قوم کا کھاتے ہیں، سکول ٹیچر بھی تنخواہ لیتا ہے وہ بھی قوم کے خزانہ سے لیتا ہے اور یہ تنخواہ کے حقدار اس لیے سمجھے جاتے ہیں کہ یہ قوم کے خادم ہیں، اس لیے قوم کے ذمہ ان کا خرچہ ہے۔

مہذب اور بدمعاش ڈاکو میں فرق:

معاف کرنا اور آج تو ہمارا ذوق یہ بن گیا کہ ایک افسر کرسی پر بیٹھتا ہے، بیٹھنے کے بعد قلم کے زور سے ڈاکہ مارتا ہے، اور ایک ڈاکو کلاشن کوف لے کر سڑک پر کھڑا ہو کے ڈاکہ مارتا ہے اگر آپ عقل کے ساتھ سوچیں گے تو دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اس نے کلاشنکوف دکھا کے آپ کو لوٹا ہے اور یہ قلم کے زور سے لوٹتا ہے، آپ کا حق اس وقت تک آپ کو نہیں دیتا جب تک آپ اس کی جیب نہیں بھرتے یہ قلم کے زور سے ڈاکہ ہے، یہ آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور آپ خوشی کے ساتھ دیتے ہیں۔

ایک مہذب ڈاکو ہے وہ قلم کے زور سے لیتا ہے اور دوسرا بدمعاش ڈاکو ہے جو کلاشنکوف کے زور سے لیتا ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، آپ کو دونوں نے لوٹا ہے اس نے بھی لوٹا ہے اور اس نے بھی لوٹا ہے۔

لیکن آپ کے سامنے اگر ذکر آ جائے کہ بتاؤ گداگر اچھا ہے یا ڈاکو؟ تو آپ ڈاکو کو سلام کرتے ہیں اور گداگر کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ڈاکو آپ کے نزدیک معزز ہے قلم کا ڈاکو سب سے زیادہ معزز ہے، کلاشنکوف کے ڈاکو سے بھی آپ ڈرتے ہیں۔

لیکن اگر کوئی آپ سے رحم کی اپیل کر کے پانچ روپے لیتا ہے تو وہ آپ کو محسوس ہوتا ہے کتنے حقائق ہیں جو اس طرح مخفی ہو گئے لیکن ایک بات یاد رکھیئے! رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے "وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا" (سورۃ ھود ۷) کوئی جانور زمین کے اوپر موجود نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، حقیقت سمجھنے کی کوشش کیجئے!۔

رزق کی تقسیم کا طریقہ کار:

اب رزق دینے کے اللہ کے دو طریقے ہیں، ایک طبقہ ایسا ہے جس کو رزق حاصل کرنے کیلئے اللہ نے کوئی نہ کوئی ذریعہ دیدیا ہے،

- کسی کو زمین دیدی،
- کسی کو دوکان دیدی،
- کسی کو فیکٹری دیدی،
- کسی کو ملازمت دیدی،

وہ اس کے ذریعہ سے رزق حاصل کرتا ہے۔

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو ان اسباب میں سے کوئی سبب نہیں رکھتے اور وہ محض بے کار ہیں اور گداگری سے گزارہ کرتے ہیں یہ طبقہ اچھا نہیں سمجھا جاتا، اور ایک ہیں جو قومی خدمت میں مصروف ہیں اور وہ جو اپنا معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ ایک حقیقت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل:

تو اللہ تعالیٰ نے دین پہنچانے کیلئے انبیاء علیہم السلام کو جو منتخب کیا تو دو نبی ایسے ہیں جن کے متعلق آتا ہے کہ وقت کے بادشاہ تھے۔

ایک حضرت داؤد علیہ السلام اور ایک حضرت سلیمان علیہ السلام لیکن ان دونوں کے متعلق بھی روایت میں صراحت ہے کہ نہ حضرت داؤد علیہ السلام خزانہ میں سے کوئی پیسہ لیتے تھے اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام خزانہ سے اپنے خرچ کیلئے کوئی پیسہ لیتے تھے۔

انہوں نے کبھی کوئی پیسہ نہیں لیا باقی تمام انبیاء علیہم السلام ان ظاہری اسباب سے خالی تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک نبوت کا اعلان نہیں کیا تھا اس وقت تک تاجر تھے بچپن میں بکریاں بھی چرائیں لیکن جب نبوت مل گئی اور اللہ نے دین کی خدمت ذمہ لگادی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام نہیں کیا نہ تجارت کی اور نہ کوئی اور کام کیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا کام کیا، دین کا کام کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رزق کی کفالت کیسے کی وہ ایک بہت عظیم باب ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کے دل میں ڈالتا ہے وہ ہدیہ دیتے ہیں ملتا ہے کھاتے ہیں، باقی کام جتنا بھی ہے وہ سارے کا سارا دین کی محنت کا کیا ہے۔

اصحاب صفہ صدقہ خیرات کھاتے تھے:

ہمارے ہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے کے بعد ایک طبقہ ایسا پیدا ہوا جنہوں نے اپنا مقصد دین کے پڑھنے پڑھانے کو بنالیا، ایک طبقہ ایسا ہے جنہوں نے اپنے آپ کو پڑھنے پڑھانے کیلئے خاص کر لیا جس کے لیے ہمارے ہاں لفظ بولا جاتا ہے اصحاب صفہ، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی تھی تو مسجد کے ساتھ ہی چھپر ڈالدیا تھا مدرسہ کے طور پر اور اس میں ایسے لوگ آکر ٹھہرتے تھے جن کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا مسکین قسم کے فقیر قسم کے

لوگ جن میں سرفہرست حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اس قسم کے لوگ جو آئے اور ان کا مقصد صرف دین کو حاصل کرنا تھا، دنیا کا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آ کے بیٹھ گئے مہمان وہ رسول اللہ کے سمجھے جاتے تھے۔

اور ان کے اخراجات کیسے چلتے تھے؟ اصحاب صفہ کا خرچ کہاں سے پورا ہوتا تھا؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے تحت زکوۃ کا نظام قائم کیا، صدقات وخیرات کی ترغیب دی تو زکوۃ یا صدقہ خیرات جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا تھا وہ آپ سب اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کرتے۔

پہلے دن سے ہی قرآن پڑھنے والوں کے لیے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے والوں کیلئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تجویز جو ہے وہ صدقہ اور خیرات کی ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر کوئی ہدیہ آتا تھا تو آپ بھی استعمال فرما لیتے تھے لیکن اگر کوئی کہتا کہ صدقہ ہے تو آپ مدرسہ میں بھیجتے اور اصحاب صفہ کے اوپر تقسیم کر دیتے تھے۔

ہم صدقہ خیرات کھانے میں کوئی بے عزتی محسوس نہیں کرتے:

اس لیے میں بار بار اس دور میں جبکہ لوگوں کا ذہن پروپیگنڈے نے خراب کر رکھا ہے، بڑے بڑے مجمعوں کے اندر میں نے یہ بات ظاہر کی کہ دیکھو پہلے دن سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وحدیث پڑھنے والوں کیلئے صدقہ اور خیرات تجویز کیا ہے، جو صدقہ خیرات آتا تھا وہ انہی کے اوپر خرچ کرتے تھے۔

وہی رواج آج تک چلا آ رہا ہے کہ مدارس میں پڑھنے والے طلباء کے اخراجات اکثر و بیشتر صدقہ خیرات سے ہی پورے کیے جاتے ہیں تو اگر ہمارے لیے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ خیرات کو ہی پسند کیا ہے، اور اللہ کی تعلیم کے تحت اس طبقہ کے لیے یہی چیز رکھی ہے تو ہم اس کے لینے میں اور اس کے کھانے میں کوئی بے عزتی محسوس نہیں کرتے

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تحفہ ہے جو ہمیں ملا ہوا ہے یہ اللہ کا مال ہے جو ہم کھاتے ہیں اور اس اللہ کے مال کو کھانے کی بناء پر اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

صدقہ کھانے والا صرف اللہ سے ڈرتا ہے:

اور یہی وجہ ہے کہ جو لوگ صحیح طور پر دین کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے بھی نہیں ہیں۔

وقت کے جابروں اور فرعونوں کے ساتھ ٹکرانا بھی انہی کا کام ہے، مالدار، سرمایہ دار آدمی حکومت کی مخالفت کرتے ہوئے ڈرتا ہے کہ میری فیکٹری پہ قبضہ نہ ہو جائے، میری تجارت کو نقصان نہ پہنچ جائے، میری زمین پر کوئی قبضہ نہ کرلے یہ سارے حکومت کے سامنے بزدل ہوتے ہیں، حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کرنے والے اور حق کہنے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو صدقہ خیرات پر پلے ہوتے ہیں یہ آپ کے سامنے ایک حقیقت ہے جس کا آپ انکار نہیں کرسکتے، یہ اسی مال کی برکت ہے کہ یہ لوگ فرعونوں کے سامنے بھی اکڑ کے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے باتیں کرتے ہیں، سرمایہ دار ہمیشہ حکومت کے سامنے بزدل ہوتا ہے اس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر میں نے حکومت کی مخالفت کی تو میری تجارت کو نقصان پہنچ جائے گا، میری زراعت کو نقصان پہنچ جائے گا، میری فیکٹری کو نقصان پہنچ جائے گا۔

میں مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہوں:

جیسے پچھلے دنوں میں جب گجرانوالہ میں لڑکیوں کی دوڑ کا معاملہ ہوا تھا تو ہمارے وہاں مولانا قاضی حمید اللہ صاحب نے مجھے خود سنایا کہ جب ہم نے کہا کہ ہم بچیوں کی دوڑ نہیں لگنے دیں گے، یہ تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہماری نوجوان بچیوں کی ٹانگیں ننگی کریں اور ان کو

لوگوں کے سامنے بھگائیں اور دوڑائیں اور اوپر سے حکومت کی طرف سے آڈر آیا ہوا تھا کہ یہ کام کرنا ہے، بچیوں کی شلواریں اتارنی ہیں اور ان کو نیکریں پہنانی ہیں، تو کہتے ہیں کہ مجھے ڈپٹی کمشنر صاحب نے بلوایا اور کہا کہ مولانا! آپ باز آجائیں میں آپ کے ساتھ آہنی ہاتھوں کے ساتھ نمٹوں گا یہ بات اس نے مجھے اپنے دفتر میں بلا کے کہی میں نے کہا کہ حضور! میں نے مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا ہے میں ان کا شاگرد ہوں ایسی حکومت جس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ہمارے استاد اس کو بھی للکارتے تھے تم کیا چیز ہو؟

یہ دھمکی دو تم کسی کارخانہ دار کو، تم یہ دھمکی دو کسی کاروباری کو، تم یہ دھمکی دو کسی زمیندار کو، میرے ساتھ تو نے آہنی ہاتھوں کے ساتھ کیا نمٹنا ہے چٹائی پہ بیٹھ کے پڑھاتا ہوں آجاؤ اور آکے وہ مجھ سے چھین لو، اور میرا کیا کرلو گے، میرے پاس ہے کیا جو تم مجھ سے چھین لو گے، یہ دھمکی تو تم ان کو دو جن کے پاس بینک کا سرمایہ ہے کہ ہم تمہارے اکاؤنٹ منجمد کردیں گے مجھے کیا دھمکی دیتے ہو، میں تو چٹائی پر بیٹھ کے پڑھاتا ہوں آجاؤ جس وقت مرضی آکے مجھ سے چھین لو، مجھے اس کی کیا پرواہ ہے، یہ حوصلہ درویشوں کا ہوتا ہے۔

احسان جتلا کر اپنے صدقوں کو باطل نہ کرو:

اور پھر دیکھو! اللہ نے اپنا حق متعین کیا مال میں، اپنا حق متعین کرنے کے بعد کہا کہ اتنا ادا کرو پھر ساتھ یہ بھی کہہ دیا ''لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى'' (سورۃ البقرۃ ۲۶۴) احسان جتلا کر، تکلیف پہنچا کر اپنے صدقوں کو باطل نہ کرلینا۔

اب اگر تم نے صدقہ دیا ہے اور کل کو احسان جتلاؤ کہ ہم نے تمہاری مدد کی تھی اللہ کے نام پر دیا ہوا سب بے کار ہو جائیگا، تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا اللہ نے احسان جتلانے سے منع کیا اور تکلیف پہنچانے سے منع کیا ہے وہ میرا مال ہے جو ان فقیروں تک پہنچایا گیا ہے تم نے فقیروں پر احسان نہیں کیا میرا فرض ادا کیا ہے، زکوٰۃ ادا کرنا، صدقہ دینا یہ اللہ کا حق

ہے بندوں کا نہیں اس لیے اگر کسی شہر کے سارے فقراءل کے مالدار لوگوں کو کہہ دیں کہ ہم تمہیں زکوٰۃ معاف کرتے ہیں تم ہمیں زکوٰۃ نہ دو تب بھی زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی ، فقیر کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔

یہ فقیر کا حق نہیں یہ اللہ کا حق ہے، اللہ نے متعین کیا ہے جب اللہ نے متعین کیا ہے تو اللہ کا مال ہے اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ تم اس مال کو ان لوگوں تک پہنچاؤ اور تم اس مال کو پہنچاتے ہو۔

خبردار! میرا فرض تم نے ادا کیا ہے ان کے اوپر احسان نہیں جتلانا اگر تم نے ان کے اوپر احسان جتلایا تو تمہارا دیا ہوا مال باطل ہو جائے گا" لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى "(سورۃ البقرۃ ۲۶۴)احسان جتلا کے، تکلیف پہنچا کے اپنے صدقوں کو باطل نہ کرلیا کرو، اس لیے اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھیے!

ہم سرکاری امداد نہیں لیتے:

پہلے دور میں جب مسلمانوں کی حکومتیں تھیں تو مدارس کے لیے جائیدادیں وقف ہوتی تھیں اور یہ ان سے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے، انگریز کی حکومت میں ہمارے اکابر نے یہ طریقہ اپنایا کہ حکومتیں اگر اصرار بھی کریں تو ہم ان کی امداد نہیں لیتے ، یہ ہمارے اصول میں طے شدہ بات ہے، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو آٹھ اصول لکھے تھے دار العلوم دیوبند کو قائم کرتے وقت ان میں ایک یہ بھی ہے کہ سرکاری امداد نہیں لینی ، اس لیے آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سارے مدرسے ہیں جنہوں نے سرکاری امدادیں لیں اور نتیجۃً اجڑ کے بیٹھ گئے اور ہم جیسے لوگ جو آپ کے صدقات وخیرات پر پل رہے ہیں تو آج بھی الحمد للہ ان کے مدارس کے اندر آپ کو رونق نظر آتی ہے اور قرآن وحدیث کا چرچا ہے اس لیے جب ہم حکومت کا کھاتے نہیں تو ہم حکومت کا گاتے بھی نہیں۔

اور جو حق بات ہوتی ہے وہ ہم کہتے ہیں اور ڈٹ کے کہتے ہیں، علی الاعلان کہتے ہیں تو یہ صدقہ خیرات کا مدرسہ میں آنا یہ آپ حضرات کا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے بعد کسی قسم کا احسان جتلانا یا ان کی تحقیر کرنا یہ فرعونی ذہن ہے اور اس مال کی کمائی کو اپنی استعداد قرار دینا یہ قارونی ذہن ہے، مسلمان کا ذہن یہ ہے کہ جو کچھ ملا ہے اللہ نے دیا ہے پھر اللہ نے کہا ہے کہ چالیس روپے میں سے ایک روپیہ تم میرے نام پر دیدو انتالیس روپے تم خود رکھ لو تو یہ اللہ کا فرض ادا کیا جارہا ہے، اور فرض کی ادائیگی کے ساتھ ہم کسی پر احسان نہیں کرتے یہ مسلمانوں والا ذہن ہے۔

علماء کی خدمت سعادت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی ہمارے حصہ میں، قرآن وحدیث پڑھنے والوں کے حصہ میں یہ خیرات وصدقات آئے ہیں اور یہی صدقہ خیرات کھانے والے مفتی بنتے ہیں، یہی صدقہ خیرات کھانے والے شیخ الحدیث بنتے ہیں، یہی صدقہ خیرات کھانے والے حافظ ہیں، قاری ہیں، معلم ہیں، اور انہی کی برکت سے یہ دین کی چہل پہل ہے یہ انہی صدقہ خیرات کھانے والوں کی برکت ہے، اور ان کی خدمت اگر آپ کرتے ہیں تو اس کو اپنے لیے سعادت سمجھو یہ کسی پر احسان نہیں ہے۔

رشک کسے کہتے ہیں:

ایک روایت آپ کی خدمت میں پیش کردوں سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کی طرف دیکھ کر انسان کے دل میں حسرت ہونی چاہیئے کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا ''لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اِثْنَتَیْنِ'' (مشکوٰۃ ۳۲/۱) صحیح روایت ہے، دو آدمیوں کے علاوہ کسی پر رشک نہیں کرنا چاہیئے، کسی کی کار دیکھی تو آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ میری بھی کار ہوتی، کسی کی کوٹھی دیکھی تو آپ کے دل میں یہ خیال آئے کہ کاش میرے پاس بھی کوٹھی ہوتی اس کو رشک کرنا کہتے ہیں۔

قابل رشک افراد:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص ہیں جن کے متعلق دل میں یہ حسرت ہونی چاہیے اور کسی کے متعلق نہیں کسی وزیر کو دیکھ کے تمہارے دل میں حسرت نہ آئے کہ کاش میں بھی وزیر ہوتا، صدر کو دیکھ کے تمہارے دل میں حسرت نہ آئے کہ کاش میں بھی صدر ہوتا، دو شخص ہیں اگر وہ سامنے آئیں تو تمہارے دل میں حسرت ہونی چاہیئے کہ کاش میں ایسا ہوتا۔

ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے "مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ" جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور پھر اس کو حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہے، مال کے بعد حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہو جب ایسا شخص تمہارے سامنے آئے تو تمہارے دل میں حسرت ہونی چاہیئے کہ کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اس کو حق میں خرچ کرتا، اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا۔

اور ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ عِلْماً" جس کو اللہ تعالیٰ نے علم دین دیا ہے، اور قرآن دیا ہے اور وہ اس کی نشر و اشاعت میں لگا ہوا ہے اس کو دیکھ کر تمہارے دل میں حسرت ہونی چاہیئے کہ کاش کہ میں بھی ایسا ہوتا اللہ اور اللہ کے رسول کی کلام کے رموز و اسرار وہ تو ختم نہیں ہوتے۔

ایک حافظ کی تیاری میں مالدار اور استاذ برابر کے شریک ہیں:

لیکن موٹی سی بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کا تذکرہ جو کیا ہے ان دو میں بھی ایک ربط ہے ایک آدمی کے پاس مال ہے اور وہ دین کی خدمت کرنا چاہتا ہے لیکن خود وہ جاہل ہے، کچھ پڑھ پڑھا نہیں سکتا تو پیسے کے ساتھ دین کی خدمت نہیں ہوتی۔

اور ایک کے پاس علم ہے، پیسہ نہیں ہے وہ چاہتا ہے کہ میں دین کی نشر و اشاعت کروں لیکن میں کہاں طالب علموں کو بٹھاؤں، میں کہاں سے

کتاب لیکر دوں، کہاں سے کھانا کھلاؤں، وہ پیسے اور اسباب کے بغیر اپنے علم کی نشر و اشاعت نہیں کرسکتا، اور اگر یہ دونوں اکٹھے ہوں کہ مال والا اپنا مال خرچ کرے اور علم والا علم پھیلانے کیلئے محنت کرے تو دونوں جب ملیں گے تو دین کی گاڑی چلے گی نہ دین کی گاڑی اکیلے عالم سے چلتی ہے، نہ دین کی گاڑی کسی اکیلے سرمایہ دار سے چلتی ہے سرمایہ دار اور عالم دونوں ملیں گے تو وہ گاڑی چلے گی۔

اور پھر اس مدرسہ کے نتیجہ میں جو حافظ تیار ہوئے وہ صرف استاد کا صدقہ جاریہ نہیں ہے، وہ صرف مدرسہ والوں کا صدقہ جاریہ نہیں ہے، یہ صدقہ جاریہ ان کا بھی ہے کہ جنہوں نے مالی اسباب مہیا کیے، اور مالی اسباب مہیا ہونے کے ساتھ مکان بنا، کتابیں ملیں کھانا ملا، بجلی کا انتظام ہوا تو دونوں اس ثواب میں برابر کے شریک ہیں اور دونوں کا صدقہ جاریہ ہے۔

جلسہ منعقد کرنے کا مقصد:

اور یہ جو جلسے کیے جاتے ہیں جہاں ان کا اور مقصد ہے یہ اصل کے اعتبار سے تعلیم بالغان کا شعبہ ہے کہ جو چھوٹی عمر میں پڑھ نہیں سکے وہ کم از کم کبھی کبھی علماء کی مجلس میں بیٹھ کے دین کی باتیں سن لیا کریں۔

یہ جلسہ تعلیم بالغان کا ذریعہ ہے اس لیے اسمیں ایسی باتیں ہونی چاہئیں جس میں عقائد کی تصحیح ہو جس میں اعمال کی تصحیح ہو، جس میں نظریات کی اصلاح ہو، تاکہ سننے والوں کی دینی تربیت ہو، یہ جلسے بہت لوگوں کی دینی تربیت کا ذریعہ بنتے ہیں یہ ہے ان کا اصل مقصد اور یہ جلسہ اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ مدرسہ کی چار دیواری میں جو مدرس بیٹھے ہیں ان کو تو پتا ہے کہ کتنا انہوں نے پڑھایا، کتنے بچوں کو پڑھایا، کتنے حافظ ہوئے، کتنے قاری ہوئے، کتنے عالم بنے، لیکن مال خرچ کرنے والے جو باہر ہیں ان کو نہیں پتا ہوتا کہ مدرسہ میں کیا ہوا

کیا نہیں ہوا تو سال کے بعد اس جلسہ کے موقع پر پورے سال کی کارکردگی آپ کے سامنے لائی جاتی ہے تاکہ آپ اس بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو اس کی خدمت کی ہے ،ہم نے جو پیسے خرچ کیے ہیں وہ ضائع نہیں ہوئے ، بیکار نہیں گئے۔

یہ پیسے ایسے کام میں لگے ہیں کہ جس کے ساتھ حافظ تیار ہو گئے ،جس کے ساتھ عالم تیار ہو گئے ،تو مدرسہ کی کاروائی دکھانے ،سنانے اور آپ کو مطمئن کرنے کیلئے یہ جلسے منعقد کیے جاتے ہیں اور آپ کے سامنے جب بچوں کی بات آتی ہے تو ان کی بھی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے اور خرچ کیے ہوئے مال کے بارے میں آپ کو اطمینان بھی ہو جاتا ہے۔

اس لیے مال دار اور علم والوں کی آپس میں موافقت کہ ایک مال خرچ کرے اور دوسرا علم کے ساتھ محنت کرے یہی دین کی رونق کا باعث ہے اور اسی کے ساتھ ہی آگے علم کا سلسلہ چلتا ہے اسی سلسلہ میں یہ جلسہ منعقد کیا گیا ،جس کی کاروائی آپ کے سامنے ذکر کی جا چکی ہے۔

آپ اپنا تعاون جاری رکھیئے اللہ تعالیٰ محنت کرنے والوں کو محنت کی توفیق دے اور مدرسہ کی خدمت کرنے کو سعادت سمجھیئے اور دعا کرتے رہیئے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ، اور ہم سب کو دین کی خدمت کیلئے قبول فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماہ محرم کے شرعی احکام

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھُدٰی ھُدٰی مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ کُلُّ ضَلَالَۃٍ فِی النَّارِ۔ (مشکوٰۃ ۱/۲۷)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰالِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

سب سے پہلے تو میں آپ سب حضرات کو نئے سال کی مبارک باد دیتا ہوں آپ کو معلوم ہو چکا کہ آج جو دن گزر رہا ہے یہ ہمارے نئے سال کا پہلا دن تھا اور آج کی رات جو ہے یہ دوسری رات ہے یہ بات تو میں نے آپ کے سامنے گزشتہ بیان میں واضح کی تھی کہ اسلام میں اپنی تاریخ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت سے شروع کیا گیا ہے۔

اس لیے ہمارا سن ہجری ہے جب کہ عیسائیوں کا سن، سن میلادی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ابتداء کرتے ہیں، عیسوی سن جو ہے وہ میلادی سن ہے اور اسلامی سن جو ہے یہ ہجری سن ہے ہجرت سے اس سال کو شروع کیا گیا اور اسلام کی تاریخ کی ابتداء کی گئی اس پر تفصیلی گفتگو میں نے پچھلے بیان میں کی تھی کہ اصل میں مسلمانوں میں اس جذبہ کو باقی رکھنا مقصود ہے۔

کہ حق کے لیے اگر جان دینی پڑے تو جان قربان کر دے، اگر وطن قربان کرنا پڑے تو انسان وطن بھی قربان کر دے، کنبہ قبیلہ قربان کرنا پڑے تو کنبہ قبیلہ بھی قربان کر دے، کاروبار اور تجارت قربان کرنی پڑے تو وہ بھی قربان کر دے، اہل وعیال چھوڑنے پڑیں تو وہ بھی چھوڑ دے، یہ سفر ہجرت اس بات کی علامت ہے کہ اسلام کا نشو ونما جو ہوا تھا وہ ان قربانیوں کے نتیجہ میں ہوا تھا اور یہ قربانی کا جذبہ مسلمانوں میں باقی رکھنا مقصود ہے۔

اس لیے آپ کو ہر وقت ہر مہینے ہر تاریخ کے ساتھ یہ یاد دہانی کرائی جاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کی، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سفر ہجرت کی تاکہ یہ قربانی کا جذبہ ہر مؤمن اور ہر مؤمن کے بچہ میں پرورش پائے اور نشو ونما پائے اس پر تو تفصیل میں گذشتہ بیان میں کر چکا ہوں۔

ماہ محرم اور اس کے احکام:

یہ ہمارا پہلا مہینہ ہے، محرم اس کا نام ہے، اس مہینہ سے کچھ شرعی احکام کا تعلق

بھی ہے اور کچھ اس مہینہ میں لوگوں نے بدعات ایجاد کرلیں، طالب علموں کے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں باتوں کو سمجھ کے رکھیں

- کہ اسلامی احکام اس مہینہ کے بارے میں کیا ہیں؟
- اور لوگوں کی ایجاد کردہ بدعات کیا ہیں؟
- کن کاموں سے ہمیں بچنا چاہیے؟
- اور کونسے کام کرنے چاہییں؟

ہمیں شریعت نے ہر معاملہ میں ہدایات دی ہیں، محرم کی جو دس تاریخ ہے اس کے بارے میں حدیث شریف میں بعض باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

دس محرم کے تاریخی واقعات:

اس تاریخ کا امتیاز واقعہ کربلا سے نہیں ہے، واقعہ کربلا جو بہت اندوہناک واقعہ پیش آیا ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

وہ سرور کائنات ﷺ کی ہجرت کے ساٹھ سال بعد پیش آیا ہے وہ ساٹھ ہجری کا واقعہ ہے ساٹھ سال بعد پیش آیا ہے، اور حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں دس محرم کے متعلق کچھ اہمیت دلائی ہے۔

جس وقت آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے تو آپ نے دس محرم کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے غالباً "نشر الطیب" میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے کہ اس تاریخ میں بہت اہم اہم واقعات پہلے پیش آئے ہیں، طوفان نوح کا اختتام، اور ان کے مخالفین کا تباہ ہو جانا، اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا جودی کے اوپر ٹھہر جانا یہ بھی بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی دس محرم کو نمایاں ہوا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جو فرعون تھا اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ اور بنی اسرائیل کے نجات ہونے کا واقعہ یہ بھی اسی تاریخ میں پیش آیا تھا۔

دس محرم کا روزہ:

اور یہود کے اندر اس واقعہ کا چرچا تھا اور اس واقعہ کی وجہ سے دس محرم کو یہود بھی عبادت کیا کرتے تھے اور روزہ رکھتے تھے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلے پہلے اس تاریخ کے روزہ کو فرض قرار دیا تھا جب تک رمضان المبارک کی فرضیت نہیں آئی تھی تو دس محرم کا روزہ فرض تھا، آپ خود رکھتے تھے، اور رکھنے کا حکم بھی دیتے تھے (بخاری ۱/ ۲۶۸، مسلم ۱/ ۳۵۹) اور یہ فرماتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے نجات اس تاریخ میں دی تھی، اور فرعون کو غرق کیا تھا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہمارا تعلق یہود کے مقابلہ میں زیادہ ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کے ساتھ بالکل بھائیوں والا معاملہ کرتے ہیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں اور یہی اہل حق ہونے کی علامت ہوا کرتی ہے کہ اہل حق کا آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تائید ہوتی ہے۔

تو گویا کہ شکر کے طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی تھی بنی اسرائیل نے نجات پائی تھی تو شکر کے طور پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا۔

مکہ میں مشرکین کے مقابلہ میں اہل کتاب کو ترجیح:

ہاں البتہ ایک روایت کتابوں میں موجود ہے، مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے کہ آپ کے سامنے تذکرہ آیا حدیث شریف میں آپ پڑھیں گے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے عادت شریفہ تھی جب آپ مکہ میں تھے اگر کوئی عادت، کوئی کام اس قسم کا ہو کہ ایک

طریقہ کے مطابق مشرک کرتے ہیں، اور ایک طریقہ کے مطابق اہل کتاب کرتے ہیں تو آپ مشرکوں کے مقابلہ میں ہمیشہ اہل کتاب کو ترجیح دیتے تھے۔

کیونکہ اہل کتاب، بہر حال اللہ کی کتاب والے تھے علم والے تھے، اور مشرکین کا جو طور طریقہ تھا وہ سراسر جہالت پر مبنی تھا تو آپ موافقت کیا کرتے تھے اہل کتاب کی، اور مشرکین کی مخالفت کرتے تھے۔

ایک معروف واقعہ ہے، حدیث شریف میں ہے کہ عرب کے اندر رواج تھا سر کے اوپر لمبے لمبے بال رکھنے کا، بال رکھنے کے بعد لوگوں کی دو عادتیں تھیں، اہل کتاب سر کے درمیان میں چیر نہیں نکالتے تھے ویسے ہی بغیر چیر نکالنے کے بالوں کو رکھتے تھے، اور مشرکین مکہ چیر نکالا کرتے تھے، بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے آدھے ایک طرف ہوتے، آدھے ایک طرف ہوتے جس کو ہم چیر نکالنا کہتے ہیں، مشرکین مکہ چیر نکالتے تھے۔

اور یہود چیر نہیں نکالتے تھے، بال سارے ہی رکھتے تھے، مشرکین مکہ بھی رکھتے تھے اور اہل کتاب بھی رکھتے تھے، تو جب تک آپ مکہ میں رہے، چونکہ وہاں غلبہ مشرکین کا تھا تو آپ اپنی ہر عادت میں مشرکین کی مخالفت کرتے تھے اور اہل کتاب کی موافقت کر لیتے تھے اس لیے مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے سرور کائنات ﷺ سر کے بالوں میں چیر نہیں نکالا کرتے تھے، جو مشرکین کا طریقہ تھا، اس کے مطابق آپ چیر نہیں نکالتے تھے۔

اہل کتاب کی مشابہت سے بچو:

اور جس وقت مشرکین مغلوب ہو گئے اور مدینہ منورہ میں آپ کی سلطنت قائم ہو گئی وہاں اردگرد آباد زیادہ تر یہودی تھے، اب تقابل یہود کے ساتھ ہو گیا، جب تقابل یہود کے ساتھ ہو گیا تو سرور کائنات ﷺ نے اپنی امت کو یہ سبق پڑھایا اور بڑی تاکید کے ساتھ یہ سبق پڑھایا کہ اپنے آپ کو اہل کتاب سے ممتاز کرو، اہل کتاب کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کیا کرو ''لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى'' نصرانیوں

اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ اختیار کیا کرو، چھوٹی چھوٹی عادتوں میں بھی حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کا اپنا ایک تشخص ہے، مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے تشخص کی رعایت رکھے اور کسی دوسری قوم کی نقالی نہ کرے اس لیے پھر وہاں آپ ﷺ نے بالوں کے سلسلہ میں بھی اپنی عادت بدل دی کہ یہود بالوں کے درمیان چیر نہیں نکالا کرتے تھے۔

سرور کائنات ﷺ نے چیر نکالنا شروع کیا (سنن نسائی ۲/ ۲۴۸) اس لیے مدینہ منورہ میں جا کے آپ کا عمل چیر نکالنا تھا تا کہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ ہو بلکہ آپ اپنا تشخص علیحدہ کرلیں، مشرکین جاہل جو تھے وہ اسلام کے مقابلہ میں شکست کھا کے مرمٹ گئے، اور یہ یہود و نصاریٰ اہل علم تھے ان کا وجود پہلے سے چلا آتا تھا اور بعد میں بھی باقی تھا، علمی طور پر مقابلہ انہی کے ساتھ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے پھر زور اس بات پر دیا ہے کہ تمہاری مشابہت ان کے ساتھ نہیں ہونی چاہیئے، چھوٹی چھوٹی عادات میں بھی اس کو نمایاں کیا ہے، یہود کی عادت تھی دروازے کے سامنے جانور باندھتے تھے اور دروازے کے سامنے گندگی رہتی تھی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے گھروں کا حال یہود کی طرح نہیں ہونا چاہیئے تشبیہ دے کے بتایا کہ اپنے گھروں کے سامنے صفائی رکھا کرو یہود کی طرح گوبر وغیرہ کے ڈھیر دروازوں کے سامنے نہ لگایا کرو اس پر بھی آپ ﷺ نے یہود کا تذکرہ کیا۔

داڑھی میں بھی یہود کی مشابہت سے بچو:

حتی کہ یہاں تک بھی آیا کہ وہاں مدینہ منورہ میں جو یہود تھے وہ بھی داڑھی رکھتے تھے اور مسلمان بھی داڑھی رکھتے تھے۔

انبیاء علیہم السلام جتنے گزرے ہیں سب کی شریعت کے اندر داڑھی کا مسئلہ تھا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا کہ جس کے ماننے والے داڑھی منڈاتے ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بھی داڑھی رکھتے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے بھی داڑھی رکھتے تھے، یہ داڑھی

رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، کسی ایک نبی کی نہیں لیکن یہاں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرق کروایا اور یہ کہا کہ یہود اپنی داڑھی کو رنگتے نہیں ہیں تم اپنی داڑھی کو رنگ کے رکھو تا کہ یہود کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

وہاں بھی لفظ یہ ہیں کہ یہود کی مشابہت سے بچو "اِنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَایَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ" (ابوداؤد ۲/۲۲۶، نسائی ۲/۲۴۸) وہ اپنے بالوں کو رنگتے نہیں اور تم اپنے بالوں کو رنگا کرو لیکن کالے رنگ سے بچو بعض روایات میں "وَاجْتَنِبُوْا السَّوَادَ" (ابوداؤد ۲/۲۲۶) کا لفظ ہے کہ سیاہ رنگ سے بچو، اس لیے حناء کا خضاب صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کرتے تھے (ابو داؤد ۲/۲۲۶) اسی طرح باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق بھی خضاب کا ذکر آتا ہے۔

اگر چہ یہود کے غلبہ کے ختم ہو جانے کے بعد سفید داڑھی بھی جائز، روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، رنگنا واجب نہیں لیکن جس ماحول کے اندر یہودی موجود ہوں، نصرانی موجود ہوں داڑھی رکھنے کے انداز میں اگر ان کے ساتھ مشابہت ہو تو اس میں فرق کرنے کی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاکید کی ہے، چھوٹی چھوٹی عادتوں میں۔

- کھانے میں،
- پینے میں،
- اٹھنے میں،
- بیٹھنے میں،

اس کی تلقین فرمائی کہ یہود و نصاریٰ والا طریقہ اختیار نہ کرو۔

امت محمدیہ کا سب سے بڑا فتنہ:

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ فتنوں میں سے بڑا فتنہ میری امت کے اندر یہ آنے والا

ہے کہ میری امت کے لوگ اپنی جہالت کیوجہ سے، اپنے احساس کمتری کی وجہ سے یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت اختیار کریں گے حتیٰ کہ فرمایا کہ اتنی کریں گے کہ سوچیں گے بھی نہیں کہ اگر وہ گوہ کی کھڈ میں گھسے ہوئے ہوں گے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو کوشش کریں گے ان کی نقالی کرتے ہوئے کہ ہم بھی اس گوہ کی کھڈ میں گھس جائیں (مشکوٰۃ ۲/۴۵۸، بخاری ۲/۱۰۸۸)۔

یہاں تک مطابقت کریں گے جیسے جوتا جوتے کے مطابق ہوتا ہے تو یہ مطابقت کی اس طرح کوشش کریں گے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت لفظ حدیث شریف میں آیا ہوا ہے کہ اگر اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ موجود ہوئے، یہ حدیث شریف میں الفاظ ہیں کہ اگر ان میں کوئی ایسا شخص موجود ہوا جو اپنی ماں سے نکاح کرلے یا اپنی ماں سے جماع کرے تو میری امت میں بھی ایسے بدمعاش پیدا ہوجائیں گے جو یہود ونصاریٰ کی نقل اتارنے والے ہوں گے (ترمذی ۲/۹۳، مشکوٰۃ ۱/۳۰)۔

کہلائیں گے وہ مسلمان، کہلائیں گے وہ امت محمدیہ کے افراد لیکن حرکتیں وہ کریں گے جس قسم کی یہود ونصاریٰ کرتے ہیں اپنا لباس گنوادیا یہود ونصاریٰ کی نقالی میں، اپنا اٹھنا بیٹھنا بدل دیا یہود نصاریٰ کی اتباع میں، جو یہود ونصاریٰ نے کیا ہم نے ان کی اتباع میں اپنی شکلیں تک بگاڑ لیں اور یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انتہائی تکلیف دہ بات ہے کہ ہم شکل وہ بناتے ہیں جو یہود ونصاریٰ کی ہے، لباس وہ پہنتے ہیں جو یہود ونصاریٰ کا ہے، ہماری معاش معیشت ساری کی ساری یہود ونصاریٰ کے طریقوں کے مطابق ہے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے، اور یہ تاکید کی ہے کہ امت کو چاہیئے کہ اپنا تشخص برقرار رکھیں، یہود ونصاریٰ کی اتباع ایسی باتوں میں نہ کیا کریں، چھوٹی چھوٹی عادات میں بھی منع کیا ہے۔

دس کے ساتھ نو کا روزہ بھی رکھو:

اس لیے وہ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ آخر وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ مسئلہ بھی آیا جبکہ آپ شدت کے ساتھ یہود کی مشابہت سے روکتے تھے کہ دس محرم کا روزہ تو یہودی بھی رکھتے ہیں اور ہم بھی رکھتے ہیں یہ تو دونوں کی آپس میں موافقت ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اگلے سال زندہ رہا تو میں نو (۹) تاریخ کا روزہ ضرور رکھوں گا (مشکوٰۃ ۱/ ۱۷۸، ابن ماجہ/۱۲۴)۔

لیکن اگلے محرم سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواہش تو کی تھی لیکن اس پر عمل کا موقع نہیں آیا جس کی بناء پر شارحین نے یہاں دونوں باتیں لکھی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ دسویں کے ساتھ نویں کا ملا کر روزہ رکھوں گا، یہود ایک دن کا روزہ رکھتے ہیں ہم دو دن کا رکھیں گے تا کہ ہمارے طریقہ میں اور ان کے طریقہ میں فرق آجائے تو نو تاریخ کا روزہ بھی اور دس تاریخ کا بھی مستحب یہ ہے۔

اور بعض کا خیال یہ ہے کہ نہیں دس کی بجائے رکھنا ہی نو کا چاہئے لیکن راجح قول یہی ہے کہ اکیلا دس کا نہ رکھو بلکہ یا تو اس کے ساتھ نویں کو شامل کرو بہتر یہ ہے، کیونکہ نویں کا ذکر صراحتاً حدیث میں آگیا اور اگر کوئی شخص نویں کا نہ رکھ سکے تو دسویں کے ساتھ گیارہویں کا رکھ لے تا کہ ہمارا طریقہ یہود کے طریقہ کے خلاف آجائے، دس محرم کا روزہ پہلے فرض تھا لیکن جب رمضان کی فرضیت آگئی تو دس محرم کے روزے کی فرضیت ختم کر دی گئی، مستحب اب بھی ہے مستحب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر روزہ رکھے گا تو ثواب اور اگر نہیں رکھے گا تو گناہ نہیں ہے، اور اگر رکھے گا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ اتنا فضیلت والا روزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے سال بھر کے گناہ معاف فرما دیتے ہیں، ایک تو یہ حکم ہے جس کا ذکر حدیث شریف کی کتابوں میں ملتا ہے۔

دس محرم کو اہل وعیال پر خرچ کی وسعت کرو:

دوسری بات جس کا ذکر حدیث میں ملتا ہے، وہ ہے کہ یہ فضائل صدقہ میں روایت ہے مشکوۃ شریف میں بیہقی کی روایت ہے رزین کی روایت ہے دونوں کتابوں کے حوالے سے صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اسی کی تشریح میں آگے سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عاشورہ میں یعنی دس محرم کو اپنے اہل وعیال پر خرچ کی وسعت کرے ان کو اچھا کھلائے پلائے خرچ کی وسعت کرے اللہ تعالیٰ سارا سال اس کی روزی میں برکت دیتے ہیں تو گویا کہ دس تاریخ کو اپنے اہل وعیال کو اچھا کھلانا اور ان کے اوپر خرچ کرنے کی ترغیب حدیث شریف میں آئی ہوئی ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "اِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ" (مشکوۃ ۱/۱۷۰) حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ تجربہ کئی دفعہ کیا ہے ہم نے اس کو ایسا ہی پایا کہ اگر عاشورہ میں اپنے اہل وعیال پر خرچ کی وسعت کی جائے تو سارا سال روزی میں برکت رہتی ہے حدیث شریف میں یہ فضیلت موجود ہے۔

یہ دو باتیں ہیں جو ترغیب کے درجہ میں ہیں، جن کا لحاظ رکھنا چاہیے، دس محرم کے دن اہل وعیال کو اچھا کھلاؤ، اللہ توفیق دے تو نو اور دس دونوں تاریخوں کا روزہ رکھو تو بہتر ہے اور اگر نو کا روزہ نہ رکھ سکو تو ساتھ گیارہویں کا بھی رکھ لو، اور اگر ایک روزہ رکھو گے تو اس کے اندر فقہاء نے کراہت کا قول کیا ہے، ایک روزہ کو پسند نہیں کیا گیا۔

بدعت کی ایجاد شرک فی النبوت ہے:

یہ دو باتیں ایسی ہیں جن کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور یہ آپ کو ہر سال یاد دہانی

کراتے ہیں یہ سبق یاد رکھنا چاہیے کہ خرچ بھی کریں اور اللہ توفیق دے تو روزہ بھی رکھیں، اس کے ساتھ ساتھ اس کا دوسرا پہلو بھی ہے کہ اس مہینہ میں باقی دوسرے مہینہ کی بعض تاریخوں کی طرح جہالت کے طور پر لوگوں نے بعض رسمیں ایجاد کرلیں اور اس کو سمجھتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کا طریقہ ہے اور شرعی حکم ہے اور اس پر پابندی سے عمل کرتے ہیں اور اگر کوئی عمل نہ کرے یا ان سے روکے تو اس کو برا کہتے ہیں اور اس کے ساتھ لڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ شریعت کے خلاف اپنے طور پر کوئی مسئلہ بنالینا یہ اللہ کے دین کے اندر ایک بغاوت کا پہلو رکھتا ہے کہ اللہ کی مرضیات کا بتانا یہ نبی کا کام ہوا کرتا ہے، غیر نبی، نبی سے علم حاصل کیے بغیر اگر وہ کہے کہ اللہ کو فلاں چیز پسند ہے اور فلاں چیز پسند نہیں، تو یہ در پردہ دعویٰ نبوت ہے جیسے شرک فی التوحید ہے یہ بدعت کی ایجاد یہ شرک فی النبوت ہے، بدعت ایجاد کرنے والا نبوت میں شریک ہوتا ہے کہ اللہ کی مرضیات کا بیان کرنا نبی کا کام ہوتا ہے، یہ ہے جو وحی کے بغیر کہے کہ اللہ کو یہ بات پسند ہے اور یہ بات پسند نہیں ہے

اس لیے شرک و بدعت یہ دونوں لفظ بولے جاتے ہیں توحید و سنت یہ دو لفظ بولے جاتے ہیں توحید کو اختیار کرو، شرک سے بچو، سنت کو اختیار کرو بدعت سے بچو، اور بدعت سے اس طرح ڈرو جس طرح شرک سے ڈرتے ہو بدعت اتنی بُری چیز ہے، بدعت کا ارتکاب بہت بُری چیز ہے یہ شریعت کا مسئلہ سمجھ کے کریں گے تو یہ بدعت ہوگی، اور اس پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔

ایصال ثواب جب چاہو کرو:

میں قائل ہوں میرے اساتذہ قائل تھے، پورے علماء دیوبند قائل ہیں کہ بدنی عبادت کا ثواب بھی ملتا ہے، مالی عبادت کا ثواب بھی ملتا ہے اور اپنے مرنے والوں کو پہنچایا جا سکتا ہے، ایصال ثواب کا کوئی انکار نہیں کرتا لیکن اپنی طرف سے طریقے ایجاد کرلینا یا اپنی

طرف سے تاریخوں کا تعین کر لینا یہ شریعت میں جائز نہیں ہے، کوئی فضیلت نہیں محرم کے بارے میں کہ محرم میں ایصال ثواب کرنا چاہیے آگے پیچھے کوئی نہیں یہ مسئلہ اپنی طرف سے بنایا ہوا ہے یہ شریعت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایصال ثواب کرو،
- اہل بیت رضی اللہ عنہم کو ایصال ثواب کرو،
- شہداء احد رضی اللہ عنہم کو ایصال ثواب کرو،
- شہداء بدر رضی اللہ عنہم کو ایصال ثواب کرو،

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہونے والے تمام شہداء کے لیے کرو،

- شہداء کربلاء رضی اللہ عنہم کے لیے بھی کرو،
- جب چاہو کرو،
- جس تاریخ کو چاہو کرو،

سب جائز ہے، انسان کے لیے باعث سعادت ہے لیکن نہ اس کے لیے کوئی مہینہ متعین، نہ اس کے لیے کوئی تاریخ متعین نہ اس کے لیے کوئی وقت متعین ہے، یہ ایصال ثواب کے بارے میں اس میں بہت زیادہ گڑبڑ ہوتی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اہل بیت کو ایصال ثواب بھی انہی تاریخوں میں کرنا چاہیے، اور اس قسم کے جتنے کام ہیں وہ سارے کے سارے شریعت کے خلاف ہیں وہ ٹھیک نہیں ہیں۔

قبرستان جانا جائز ہے لیکن؟

اور ایسے ہی قبروں کو لیپنے اور سنوارنے والی بدعت ہے یہ بھی ان دنوں میں بہت کرتے ہیں سال بھر تو خبر نہیں لیتے جبکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ترغیب ہے کہ قبروں کی زیارت کو جایا کرو وہاں جاؤ، قبر کی مٹی بکھر گئی ہو تو اس کو درست کرنا بھی ٹھیک ہے، اس کو لیپنا

بھی ٹھیک ہے اس کو سنوارنا بھی ٹھیک ہے، قبر کے نشان کا باقی رکھنا یہ مطلوب ہے، والدین کی قبر پہ جاؤ، ہفتہ میں ایک دفعہ جاؤ، مہینہ میں جاؤ، وہاں عبرت حاصل کرو کہ آج جس طرح ہم دندناتے پھرتے ہیں کل یہ بھی اس طرح تھے اور موت نے آ کے ایسے دبایا کہ نام ونشان نہ رہا کل کو ہم بھی یہیں جانے والے ہیں، اور یہ ساری دنیا چھوٹ جائے گی، اور وہاں کام آنے ہیں تو نیک اعمال کام آنے ہیں تو وہاں اس قسم کا تدبر کر کے، تفکر کر کے عبرت حاصل کرو تا کہ دنیا کی محبت ختم ہو اور آخرت کی رغبت ہو قبرستان میں اس لیے جانا ہے۔

قبر کی زیارت کے لیے اس لیے جانا ہے کہ اپنی قبر کو یاد کرو، موت کو یاد کرو، تو دنیا کی محبت سے بچو گے، معصیت چھوٹے گی اور نیکی کی ترغیب ہوگی، زیارت قبور بالکل جائز ہے لیکن ان قبور کے اوپر جا کے پھول چڑھانا، اگر بتیاں جلانا، اور پھر خاص طور پر ان تاریخوں میں اور ان کو جا کے لیپنا، سنوارنا یہ کوئی شریعت کا مسئلہ نہیں ہے سال کی سب تاریخیں اس بارے میں برابر ہیں۔

اب چونکہ یہ ایک طریقہ جاری ہو گیا اس لیے ضروری ہے کہ اس کو چھوڑا جائے، آپ حضرات کا فرض ہے کہ اس بات کو سمجھو اور اپنے والدین کو، بہن، بھائیوں کو سمجھانے کی کوشش کرو کہ سارا سال جاؤ قبرستان میں لیکن ان دنوں میں یہ حرکتیں کرنا یہ اچھی نہیں ہیں، کیونکہ جاہل لوگوں نے جو یہ طریقے ایجاد کر لیے ہیں یہ شریعت کے خلاف ہیں اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہم حسینی ہیں یزیدی نہیں:

باقی جہاں تک ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ ہے عقیدہ اپنا یاد رکھنا حسین رضی اللہ عنہ و یزید کا مقابلہ جس وقت بھی ہو ہم حسینی ہیں، ہم یزیدی نہیں ہیں، یہ فقرہ یاد رکھو! ہماری محبت، ہماری عقیدت ساری کی ساری حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے ساتھ ہے،

،ہم اس اختلاف میں یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کسی صورت میں ترجیح دینے والے نہیں اور اس یزید کی حمایت کرنے والے نہیں ہیں آپس میں جب ان کا مقابلہ ہو تو حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی آپس میں کوئی نسبت نہیں۔

حسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، یزید صحابی نہیں ہے اور آپ کا یہ عقیدہ ہے آپ کے اکابر کا عقیدہ ہے کہ پوری دنیا کے ولی اکھٹے ہو جائیں ،قطب غوث اکھٹے کر لیے جائیں ،کبھی بھی وہ صحابیت کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے ،صحابیت والی فضیلت اتنی بڑی فضیلت ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، یزید صحابی نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں کھیلے ہیں شاید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ ہو جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے مس نہ ہوا ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھوں پہ اٹھایا، گود میں بٹھایا اسطرح سے محبت اور پیار کیا اپنی محبت کا اظہار کیا محبت کرنے کی ترغیب دی، دعا کی کہ یا اللہ جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے تو بھی اس سے محبت کر (مشکٰوۃ ۵٦۹/۲) اس لیے حسین رضی اللہ عنہ ہمارے محبوب ہیں۔

حب اہل بیت کو خاتمہ بالخیر میں بڑا دخل ہے:

ہم حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہیں، اور تمام اہل بیت کے ساتھ محبت کرتے ہیں،، مجدد الف ثانی کے لکھنے کے مطابق کہ ہمارا یہ تجربہ ہے کہ حب اہل بیت کو خاتمہ بالخیر میں بڑا دخل ہے۔

- اور جو لوگ اہل بیت کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں،
- یا اپنے دلوں کے اندر کوئی کدورت رکھتے ہیں،
- یا ان کے ساتھ کسی قسم کے مخالفانہ جذبات رکھتے ہیں،
- ایسے لوگوں کے سوءِ خاتمہ کا ڈر ہوتا ہے اور اللہ تعالی ہمیں محفوظ رکھے (آمین)۔

ہم کسی شہید کا دن نہیں مناتے:

ہم حب اہل بیت والے ہیں ہم حسینی ہیں لیکن ان باتوں کا تذکرہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک سینکڑوں نہیں، ہزاروں صحابہ شہید ہوئے ہیں اور بڑے بڑے عظیم المرتبت، بڑے بڑے ذی قدر آپ نے پڑھ لیا شہداء میں سے افضل شہداء بدر والے ہیں، اور احد میں تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ایسی ہے کہ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر وقت تک نہ بھلا سکے اور نہ بھلانے کی چیز تھی۔

چچا تھے اور کتنے مظلومانہ انداز میں شہید ہوئے کہ جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل تھا وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ جب مکہ فتح ہوا تو وہ آپ کے سامنے آیا ہے اور آ کے اس نے کلمہ پڑھا تو آپ نے فرمایا کلمہ تو ٹھیک ہے، ایمان تو قبول ہو گیا۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ تو میرے سامنے نہ آیا کر اس لیے کہ جب وہ سامنے آتا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کی شہادت یاد آتی تھی اور دکھ ہوتا تھا، سید الشہداء کا لقب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دیا لیکن پوری سیرت اٹھا کے دیکھ لیجئے نہ کبھی اہل بدر اور نہ کبھی اہل احد اور نہ دیگر غزوات میں شہید ہونے والوں کے تذکرے، دن منانا، ایصال ثواب کا کوئی اہتمام کرنا پوری سیرت کے اندر اس کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے جس طرح باقی شہداء کے ساتھ ہم کرتے ہیں کہ پورا سال ان کے ساتھ محبت عقیدت کے باوجود کسی خاص دن میں ان کی تعیین کر کے ہم انہیں ایصال ثواب نہیں کرتے۔

اسی طرح ہم شہداء کربلا کے متعلق بھی نہ کسی تاریخ کے قائل ہیں نہ کسی مہینہ کے قائل ہیں، ہمیشہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے رسول پر درود پڑھتے ہیں تو آل رسول کا تذکرہ اس درود میں لازماً آتا ہے اور آل رسول کے اندر یہ سارے داخل ہیں، شہداء کربلا بھی داخل ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ساری اولاد بھی داخل ہے۔

تو ہو ایک آدمی مسلمان، پڑھتا ہو وہ درود شریف اور اسمیں وہ آل کا تذکرہ نہ کرے تو وہ درود کبھی مکمل نہیں ہوتا اور میرا خیال ہے کہ کوئی کلمہ گو ایسا نہیں جو درود شریف پڑھتے ہوئے آل رسول پر درود نہ پڑھتا ہو، لازماً پڑھتے ہیں اس لیے ہم سب محبین اہل بیت میں سے ہیں کبھی بھی کسی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر آپ کے دل میں شھداءِ بدر کے خلاف کوئی کسی قسم کا جذبہ نہ آئے۔

دشمن کے پروپیگنڈے سے بچو:

لیکن ان تاریخوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کرنا یہ ہمارا طریقہ نہیں ہے، لیکن ہمارے اندر چونکہ ایک خاص طبقہ نے اپنے لیے ان تاریخوں کو بہت خاص کیا ہوا ہے مجلسیں ہوتی ہیں، جلسے ہوتے ہیں، تقریریں ہوتی ہیں، ان میں کچھ باتیں اچھی ہوتی ہیں اور کچھ باتیں ٹھیک نہیں ہوتیں۔

تو آپ حضرات کو میں یہ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ کبھی بھی کسی ایسی مجلس کے قریب بھی نہیں جانا بلکہ اس محلّہ اور گلی میں سے بھی نہیں گزرنا جہاں اس قسم کی کوئی بات ہوتی ہو، امن سے رہنا ہے، اتفاق سے رہنا ہے، اپنے ماحول میں رہنا ہے، باہر نہیں جانا، خاص طور پر ان مجالس میں اور جہاں یہ لوگ اپنی کاروائی کرتے ہوں ان کے قریب سے بھی نہیں گزرنا خدانہ کرے آج کل جس قسم کی تخریب کاری کی لہر آرہی ہے یہ شرارتی لوگ شرارت برپا کر کے امن کو برباد کرنا چاہتے ہیں، نادانی کے ساتھ نہیں، جان بوجھ کے امن کو برباد کر رہے ہیں، تاکہ کشمیر کی طرف سے توجہ ہٹ جائے تاکہ افغانستان کی طرف سے توجہ ہٹ جائے یہ باہر کے ملک، باہر کی ایجنسیاں اس طرح تمہیں لڑا کر اس طرف سے توجہ ہٹانا چاہتے ہیں، شرارتیں وہ کرتے ہیں۔

لیکن اپنے پروپیگنڈے کے ساتھ لگا دیتے ہیں آپ لوگوں کے نام، اس لیے

بہت ضروری ہے کہ آپ محتاط رہیں اپنے کام میں لگے رہیں اوران کے قریب بھی نہ جائیں تاکہ آپ پر کوئی کسی قسم کا ایسا شبہ نہ ہو سکے کہ یہ کوئی شرارت کرنا چاہتے ہیں، شرارت کوئی کرتا ہے اور گلے آپ لوگوں کے پڑ جاتی ہے اس لیے آپ کو بار بار تاکید کرتا ہوں کہ یہ دس بارہ دن جو ہیں یہ نہایت احتیاط کے ساتھ بہت ہوشیاری کے ساتھ آپ نے اپنے ماحول میں میں گزارنے ہیں، اس کی تاکید میں خصوصیت کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

سوال محرم میں شادی کرنا کیسا ہے؟

جواب شادی کے اعتبار سے کسی مہینہ میں، کسی دن میں کوئی فرق نہیں،

رمضان شریف میں کریں،

عید کے دن کریں،

محرم میں کریں،

دس محرم کو کریں،

نو محرم کو کریں،

جس وقت آپ خالی الذہن ہوں سب کچھ جائز ہے لیکن چونکہ اہل بیت کے متعلق دو ذہن پیدا ہوئے۔

ایک ذہن خارجیوں کا ہے جو اہل بیت کی شکست پہ خوشی مناتے ہیں،

دوسرا گروہ رافضیوں کا ہے جو اہل بیت کی شہادت پر بہت دکھ کا غم کا اور ماتم کا اظہار کرتا ہے۔

اور ہمارا کام ہے ہم اہلسنت والجماعت دونوں باتوں کی رعایت رکھا کرتے ہیں،

دیکھئے! خارجیوں میں سے بعض خارجی ایسے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بدزبانی کرتے ہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان کو ضرورت سے زیادہ بڑھاتے ہیں، ہم نہ بڑھانے والوں میں ہیں نہ گھٹانے والوں میں ہیں۔

ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق وہی صحیح عقیدہ رکھتے ہیں جو قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے نہ ہمارا تعلق خارجیوں سے، نہ ہمارا تعلق رافضیوں سے، ہم اہلسنت والجماعت درمیان میں معتدل قسم کے لوگ ہیں، بالکل یہ حال ہے کہ ہم نے کوئی ایسا کام بھی نہیں کرنا کہ جس سے ہماری مشابہت ماتمیوں کے ساتھ ہو جائے اور ہم نے ایسا کام بھی نہیں کرنا کہ جس سے ہماری مشابہت خارجیوں کے ساتھ ہو جائے۔

میری اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو! اس لیے میں سختی سے منع کرتا ہوں کہ ان دنوں میں کالے کپڑے نہیں پہننے، اور ان دنوں میں کوئی غم والی کیفیت بھی نہیں بنانی، ہم اس کی مشابہت سے بھی بچیں گے، اور ایسا کام بھی نہیں کرنا جس سے ہماری مشابہت ان لوگوں کے ساتھ ہو جائے جو اہل بیت کی تکالیف پر خوش ہوتے ہیں یا ان کی شکست کے اوپر وہ خوشیاں مناتے ہیں ایسا بھی نہیں کرنا اس لیے اہلسنت والجماعت کے صحیح جذبات کا تقاضہ یہ ہے کہ ان تاریخوں میں خصوصیت سے نو دس تاریخ میں شادی نہ کی جائے، یہ اس مصلحت کے طور پر ہے تا کہ ہماری مشابہت ان لوگوں کے ساتھ نہ ہو جائے جو اہل بیت کی تکالیف پر خوشی مناتے ہیں۔

اس لیے اس مشابہت سے بچنے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ اس دن میں آپ نہ کوئی ایسا سوگ منائیں جس کے ساتھ آپ کی مشابہت اس طبقہ کے ساتھ ہو جائے اور نہ کوئی ایسی خوشی منائیں جس کی بناء پر آپ کی مشابہت دوسرے طبقہ سے ہو جائے۔

اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق خوشی اور غم ان دونوں سے بچتے ہوئے ایسے وقت گزاریں جیسے عام وقت گزارا جاتا ہے اس لیے یہ مصلحت نہیں ہے کہ ان

دنوں میں شادی کی جائے ورنہ جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے شادی جائز ہے، نکاح ہو جاتا ہے، نہ شادی ممنوع ہے، نہ حرام ہے، اور نہ نکاح میں کوئی خلل ہوتا ہے سب ٹھیک ہے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ تشبہ لازم آئے گا ان لوگوں کے ساتھ جو اہل بیت کے مصائب پر خوش ہوتے ہیں اس لیے یہ مصلحت نہیں ہے ورنہ شرعاً کوئی ناجائز نہیں ہے۔

سوال کوئی وظیفہ بتادیں جس کے پڑھنے سے بیماری دور ہوتی ہو؟

جواب اس سلسلہ میں جب بھی کوئی بات ہوتی ہے تو ہم حضرت ایوب علیہ السلام والا وظیفہ بتایا کرتے ہیں، حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کے دوران میں جو پڑھا تھا ''رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ'' (سورۃ انبیاء ۸۳) یہ پڑھیں تو ان شاء اللہ العزیز اس ذکر کی برکت سے اللہ تعالیٰ بیماری میں شفا دیں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين
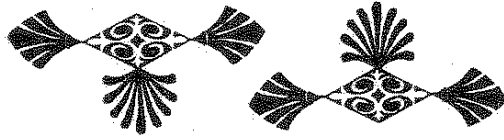
مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فقد قال النبی ﷺ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ ، (ترمذی ۲/۲۲۶، مشکوٰۃ ۲/۵۵۴)

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَيْهِ

دور صحابہ رضی اللہ عنہم دور نبوت کے ساتھ ملحق ہے:

گذشتہ بیان میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اہلسنت والجماعت کے نظریات اور ہمارے اکابر کا عقیدہ ذکر کیا گیا تھا، ہمارے ہاں شرعی دلائل چار سمجھے جاتے ہیں یعنی چار دلیلیں ہیں جن دلیلوں میں کسی ایک کے ساتھ بھی اگر مسئلہ ثابت ہو جائے ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ شرعی مسئلہ ہے، اور اس کا جاننا، ماننا اور اس کے اوپر عمل کرنا یہ شریعت پر عمل کرنا ہے وہ چار دلائل وہی ہیں، جو اصول الشاشی کے پہلے سبق میں آپ پڑھتے ہیں،

 کتاب اللہ،

 سنت رسول اللہ،

 اجماع امت،

 قیاس،

ان چاروں دلیلوں کے ساتھ شرعی مسئلہ ثابت ہوتا ہے، ان چاروں کے تذکرے میں اتباع صحابہ کا ذکر نہیں ہے۔

حالانکہ اتباع صحابہ دین کا ایک مستقل اصول ہے، اس کے ذکر کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کا دور یہ ملحق ہے دور نبوت کے ساتھ، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل، صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور عمل کے ساتھ ملحق ہے اس لیے اس کو علیحدہ کر کے ذکر نہیں کیا جاتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس جماعت کو جسکی عظمت کا درس آپ پچھلے بیان میں سن چکے ہیں اپنے ساتھ ملا کے رکھا ہے، یہ روایت جو میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، یہ ایسی جامع روایت ہے کہ آپ اس کو عام طور پر سنتے رہتے ہیں اور تقریباً ہر جمعہ کے خطبہ میں، ہر مسجد میں، ہر خطیب اس روایت کو پڑھتا ہے اور مسلمانوں کو اس بات کی یاد دہانی کرواتا ہے۔

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرو:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ" میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، تکرار کے ساتھ فرمایا ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو "لَاتَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ" میرے بعد میرے ان صحابہ کو نشانہ نہ بنالینا یعنی اپنی زبان درازی کا نشانہ نہ بنالینا، اپنی تنقید کا نشانہ نہ بنالینا۔

غرض اس چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس کو گاڑھ لیا جائے اور اس کی طرف تیر پھینکے جائیں تو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو غرض نہ بنالینا کہ ان کے اوپر تم اپنے طعن و تشنیع کے تیر پھینکنے لگ جاؤ، اور ان کے اوپر تم اپنی تنقید کے تیر پھینکنے لگ جاؤ، اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد میرے صحابہ کو کہیں نشانہ نہ بنالینا "مَنْ اَحَبَّھُمْ" جو ان سے محبت کرے گا "فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ" وہ میری محبت کی وجہ سے ان کے ساتھ محبت کرے گا، میرے ساتھ محبت ہوگی تو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت ہوگی "وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ" جو ان سے بغض رکھے گا، "فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ" وہ میرے بغض کی وجہ کے ساتھ ہی ان سے بغض رکھے گا، میرے ساتھ بغض ہوگا تو ان کے ساتھ بغض ہوگا، میرے ساتھ محبت ہوگی تو ان کے ساتھ محبت ہوگی، "مَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ" جس نے میرے صحابہ کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی "وَمَنْ اٰذَانِیْ" اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی "فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ" اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی، "وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ" اور جس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی "فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ" تو قریب ہے کہ اللہ اس کو پکڑ لے گا، اللہ اسے چھوڑے گا نہیں، دیکھو! کہاں تک نسبت قائم کردی صحابہ کی کہ صحابہ کو تکلیف پہنچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانا اللہ کو تکلیف پہنچانا ہے اور جو اللہ کو تکلیف پہنچائے گا وہ اللہ کے عذاب کا نشانہ بن جائے گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض کو اپنے ساتھ بغض قرار دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تکلیف پہنچانا اپنے آپ کو تکلیف پہنچانا قرار دیا، کس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ملا لیا ہے؟ یہ صریح دلیل ہے اس بات کی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور، دورِ نبوت کا تتمہ ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا تعارف:

اور ایسے ہی ایک اور روایت ہے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ ایک صحابی ہیں، بہت عظیم القدر ہیں، فارسی ان کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ اصل کے اعتبار سے وہ فارسی اور ایرانی ہیں ایران کا پرانا نام ہے فارس، اس لیے وہاں بولی جانے والی زبان فارسی کہلاتی ہے، تو یہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس کے رہنے والے تھے آتش پرست خاندان کے تھے۔

چونکہ ایران کا اصل مذہب آتش پرستی ہے، حق کی تلاش کے لیے یہ نکلے تھے کہاں کہاں سے یہ بیچارے دھکے کھاتے ہوئے ٹھوکریں کھاتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو پہچان لیا اور ایمان لے آئے انہوں بہت طویل اور لمبی عمر پائی ہے۔

ڈھائی سو سال عمر تو یقیناً ہے لیکن بعض نے ساڑھے تین سو سال بھی نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان کے ساتھ تعاون کیا یہ ایک یہودی کے غلام تھے اور وہاں سے یہ مکاتبت کے ساتھ آزاد ہوئے، یہ مشہور واقعہ ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایرانی صحابی یہی ہیں۔

یعنی جو ہو رہنے والا ایران کا اور صحابی ہو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں یہی تھے، اے سلمان! مجھ سے بغض نہ رکھنا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے رسول اللہ نے ایک بات کہی جس سے کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ احساس ہوا ہوگا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف فتنے ایران سے اٹھیں گے، اس لیے اس ایرانی صحابی کی

وساطت سے گویا کہ اہل ایران کو سنایا، اہل فارس کو سنایا، کسی اور کو خطاب کر کے یہ بات نہیں کہی جو سلمان کو خطاب کر کے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بات کہی ''یَا سَلْمَانُ لَا تُبْغِضْنِیْ فَتُفَارِقَ دِیْنَكَ'' اے سلمان! میرے ساتھ بغض نہ رکھنا ورنہ تو اپنے دین سے علیحدہ ہو جائے گا، یعنی اگر میرے ساتھ بغض رکھے گا تو اپنے دین سے علیحدہ ہو جائے گا یہ بات حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے کہی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہنے لگے ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! کَیْفَ اُبْغِضُكَ وَبِكَ هَدَانَا اللّٰهُ'' یا رسول اللہ! میں آپ کے ساتھ بغض کیسے رکھوں گا آپ کی وجہ سے تو اللہ نے مجھے ہدایت دی ہے، میں آپ کے ساتھ بغض کیسے رکھوں گا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِیْ'' (ترمذی ۲/۲۳۲، مشکوۃ ۲/۵۵۲) تم عرب کے ساتھ بغض رکھو گے تو یہ میرے ساتھ ہی بغض سمجھا جائے گا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو اصل عرب ہیں ان کے ساتھ بغض کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بغض قرار دیا جیسا کہ پہلی روایت میں آیا۔

لیکن یہ خصوصیت کے ساتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو جو خطاب کر کے کہا ہے کہ میرے ساتھ بغض نہ رکھنا ورنہ تو دین سے علیحدہ ہو جائے گا، تو معلوم یوں ہوتا ہے کہ سلمان رضی اللہ عنہ کی وساطت سے اہل فارس اور اہل ایران کو سنایا جا رہا ہے کہ جو اہل عرب سے بغض رکھے گا وہ دین سے علیحدہ ہو جائے گا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق اٹھنے والے فتنوں کی جڑ ایران ہے:

اور آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق جو فتنے اٹھے ہیں ان سب فتنوں کی اصل اور جڑ ایران میں ہے، سب سے پہلا فتنہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اٹھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قتل ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے ابولؤلو اور یہ ایرانی ہے، ایران سے ہی گرفتار ہو کر آیا تھا غلام بنا تھا اور غلام بن کے مدینہ منورہ میں وقت گزار رہا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اور اس غلامی کے دور میں بعض دوسرے ایرانیوں کے

سو ابولؤلؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو مدینہ آ گئے تھے، ظاہری طور پر ایمان قبول کر کے سو ابولؤلؤ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، شہید کیا تو یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج اہل ایران ابولؤلؤ کو اپنا قومی ہیرو قرار دیتے ہیں اور یہ کتابوں میں آئی ہوئی بات ہے کہ ابولؤلؤ جس جگہ کا رہنے والا تھا اس کا جو مکان تھا آج خمینی کے بعد اس مکان کو اہل ایران نے قومی یادگار میں شمار کر لیا ہے، اور اس ابولؤلؤ کو وہ اپنا قومی ہیرو قرار دیتے ہیں۔

تو یہ فتنے جو اٹھے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ قتل ہوئے تو اہل ایران کے ہاتھوں قتل ہوئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو فتنہ اٹھا اس فتنہ کا بانی وہ بھی عبداللہ بن سبا ایرانی یہودی ہے، اور اسی نے سارے کا سارا فتنہ اٹھایا ہے، جو آئندہ کے لیے امت کے اندر انتشار کا باعث بنا۔

تو گویا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی وساطت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایران کو یہ پیغام دیا کہ تمہارا یہ بغض اہل عرب کے ساتھ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ یہ تمہیں دین سے علیحدہ کر دے گا، تم دین سے جدا ہو جاؤ گے اور یہ بغض جو ان کے ساتھ ہوگا وہ حقیقت کے اعتبار سے میرے ساتھ ہوگا۔

یہاں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنے کو دین سے علیحدگی کا سبب قرار دیا ہے۔

میرے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کو لازم پکڑو:

اور یہ تو آپ سنتے ہی رہتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ وعظ کہا اور وہ اتنا مؤثر وعظ تھا کہ وہ روایت کرنے والے صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سننے والوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے اور دلوں کے اندر خوف پیدا ہو گیا تو کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ وعظ تو آپ نے ایسی کہا ہے کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کرتے وقت آخری بات کہتا ہے، تو ہمیں کوئی اور خصوصیت کے ساتھ وصیت فرما دیں۔

جب یہ مطالبہ کیا گیا تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ" (مشکوۃ ۱/۳۰، ابوداؤد ۲/۲۸۷) میرے طریقے کو لازم پکڑنا، میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑنا، اس کو مضبوطی سے تھام لینا، اس کو دانتوں کے نیچے دبا لینا کہ یہ چھوٹنے نہ پائے، یہ ہے نجات کا طریقہ۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء راشدین کو ساتھ ملا کے ذکر کیا کہ میری سنت کی پابندی کرنا اور خلفاء راشدین کے طریقہ کی پابندی کرنا۔

یہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے طریقہ کو اپنے طریقہ کے ساتھ ملا کے ذکر کیا ہے، یہ وضاحت کر رہا ہوں آپ کے سامنے اس بات کی کہ صحابہ کا دور یہ دورِ نبوت کے ساتھ ملحق ہے اس لیے اس کو علیحدہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں، صحابہ کرام کی اتباع حقیقت کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، یہ سنت کا تتمہ ہے۔

میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے والا جنتی ہے:

اس لیے اس کو علیحدہ دلائل کے طور پر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جہاں سنت کا ذکر آجائے وہاں اتباعِ صحابہ کا ساتھ ہی ذکر آجاتا ہے، ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے اندر بہتر فرقے بنے اور میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے، میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی، اور فرمایا کہ ایک فرقہ کے علاوہ باقی سارے کے سارے جہنم میں جائیں گے، ملت واحدہ کے علاوہ باقی سارے جہنم میں جائیں گے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ! وہ ملت واحدہ کونسی ہے؟ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي" (ترمذی ۲/۹۳، مشکوۃ ۱/۳۰) یہ وہ طریقہ ہے جس پر چلنے والے جہنم میں نہیں جائیں گے یعنی جس طریقہ پر میں ہوں اور جس طریقہ پر میرے صحابہ ہیں تو جو میرے

اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوں گے یہ ملت واحدہ ہے جو جنت میں جائے گی اور اس کے علاوہ جو باقی بہتر ملتیں بچیں گی وہ جہنم میں جائیں گی، تو جنت میں جانے والی ملت ایک ہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی پابند ہے۔

اہلسنت والجماعت نام رکھنے کی وجہ:

اور آپ کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ "مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" میں "مَاأَنَا عَلَيْهِ" یہ سنت ہے "وَأَصْحَابِيْ" یہ جمع کے طور پر آیا تو یہ جماعت ہے تو اس طریقہ کو اختیار کرنے والے لوگ اہلسنت والجماعت کہلاتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہم اہلسنت والجماعت ہیں تو یہ ہمارا نام اسی روایت سے ماخوذ ہے "مَاأَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ" یعنی ہم اس طریقہ والے ہیں جس طریقہ کے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جس طریقہ کے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے، یہ طریقہ ہے جو جنت کی طرف لے جانے والا ہے اس کے علاوہ باقی جتنے طریقے ہیں وہ سارے کے سارے جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔

اہلسنت والجماعت نظریاتی طور پر جنتی ہیں:

یہ بحث ایک علیحدہ بحث ہے کہ کیا اہلسنت والجماعت جہنم میں نہیں جائیں گے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ اہلسنت والجماعت اگر بدعمل ہوں گے تو جہنم میں یہ بھی جائیں گے تو پھر یہ کہنا کہ یہ جہنم میں نہیں جائیں گے۔

باقی جہنم میں جائیں گے اس کا کیا مطلب؟

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی فرقے جہنم میں جائیں گے نظریاتی گمراہی کی بناء پر اور اہلسنت والجماعت نظریاتی طور پر جنتی ہیں، اور اگر یہ جہنم میں جائیں گے تو بدعملی کی بناء پر جائیں گے اور بدعملی کی سزا نظریاتی گمراہی کے مقابلہ میں بہت کم ہے یہ سزا تو ایسی ہے کہ جس طرح کوئی میل کچیل اتارنے کے لیے ماں بچہ کو گرم پانی سے غسل دیتی ہے اور رگڑ رگڑ

کر اس کی میل اتارتی ہے، بچہ چیختا بھی رہتا ہے، اور ماں اس کو مارتی بھی رہتی ہے، اور صاف ستھرا بھی کرتی رہتی ہے، وہ صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو تولیہ سے صاف کر کے سینہ سے لگا کے چومنے بھی لگ جاتی ہے، ایسے ہی ہوتا ہے۔

- لیکن یہ مارنا،
- یہ گرم پانی ڈالنا،
- یہ رگڑنا،
- یہ صابن لگانا،

یہ سب کچھ آپ کے چیخنے چلانے کے باوجود اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ جس وقت آپ صاف ستھرے ہو جائیں گے تو تولیہ میں لپیٹے گی، لپیٹ کے پھر سینہ سے لگا کے چومنا شروع کر دے گی تو بد عملی کی سزا تو ایسی ہی ہوگی کہ تھوڑی بہت میل کچیل جو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ گرم جگہ میں ڈالیں گے اور میل کچیل اتارنے کے بعد صاف ستھرا کر کے جنت میں لے آئیں گے، نظریاتی گمراہی جو ہے وہ دوسرے فرقوں میں ہے۔

اور اہلسنت والجماعت میں نظریاتی گمراہی نہیں، اہلسنت والجماعت اگر جہنم میں جائیں گے تو بد عملی کی بناء پر جائیں گے، باقی فرقے اگر جہنم میں جائیں گے تو نظریاتی گمراہی پر جہنم میں جائیں گے، اہلسنت والجماعت میں نظریاتی گمراہی نہیں ہے اس لیے یہ فرقہ جنتی ہے، باقی بد عملی اگر ہوگی تو اگر دنیا میں توبہ کر لیں گے تو معاف ہو جائے گی۔

دنیا میں اللہ کوئی سزا دیدیں تو معاف ہوگئی اور نہ ہوا تو موت کے وقت کی سختی سے معاف ہوگئی، برزخ کی سزاؤں کے ساتھ معاف ہوگئی، قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے معاف ہو جائے گی، اور اگر کسی کو کوئی زیادہ رگڑا دینا ہی ہوا تو وہ جہنم میں جائیں گے تھوڑا سا گرم سرد ہو کے نکل آئیں گے جنت میں چلے جائیں گے آخر کار نجات ہو جائے گی تو بد عملی کی سزا بہت ہلکی پھلکی ہے، نظریاتی سزا اصل کے اعتبار سے شدید بھی ہوتی ہے اور مدید بھی ہوتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتباع سنت کی اتباع ہی ہے:

تو یہ ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ ہر معاملہ میں لگا کے رکھا ہے، اب اس میں یہ بات کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو افعال واقوال ہیں ہم ان کو سنت کا تتمہ قرار دیتے ہیں، یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا تتمہ ہے اس لیے یہ مستقل ایک شرعی دلیل ہے، صحابی کا قول وفعل ایک مستقل شرعی دلیل ہے، اس کے ساتھ جو مسئلہ ثابت ہوگا وہ ایسے ہوگا جیسا کہ سنت رسول اللہ سے ثابت ہوتا ہے اس لیے اس کو علیحدہ کر کے شمار نہیں کیا جاتا، اصول کی کتابوں کے اندر بھی اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم کو ملحق بالسنۃ کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

اہلسنت والجماعت کا مصداق کون لوگ ہیں؟

باقی یہ بات تو خیر آپ کو معلوم ہی ہے کہ اہلسنت والجماعت اس فرقہ کا مصداق کون ہے؟ اہلسنت والجماعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی پابند جماعت کو کہتے ہیں، فرقے مختلف پیدا ہوئے، سب سے پہلے اس امت کے اندر جو گمراہی آئی ہے وہ گمراہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہی آئی ہے۔

جس وقت لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت کو گرایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن چھوڑا، جنہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا دامن چھوڑا وہ تو ابتداء سے علیحدہ ہو گئے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تکفیر کفر ہے:

اب یہ کتنے بڑے افسوس کی بات ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دین لیا صحابہ نے اور صحابہ کے طفیل سے ایمان تقسیم ہوا ساری دنیا میں، اور جن کی وساطت سے ایمان ساری دنیا میں تقسیم ہوا آج انہی کے ایمان پر بحث ہوتی ہے کہ ان کے پلے ایمان ہے بھی یا نہیں؟

جنہوں نے اس ایمان کو ساری دنیا میں تقسیم کیا، اس لیے یہ بدترین قسم کا گروہ اور فرقہ ہے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کو علی العموم کافر قرار دیتا ہے۔

جو تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کرتا ہے وہ مؤمن نہیں بلکہ وہ کافر ہے، کیوں کافر ہے؟ بہت ہی واضح سی دلیل ہے، بہت ہی بدیہی سی بات ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظریات نہیں ہیں ان کو اگر کوئی ایمان کہتا ہے تو اس کا نظریہ کفر ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظریات ہیں وہ اگر ایمان ہیں تو جو تکفیر صحابہ رضی اللہ عنہم کرتا ہے اس کا نظریہ کفر ہے۔

کیونکہ یہ دونوں جمع کس طرح ہو سکتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نظریات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد اگر یہ کفر ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کر رکھے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ان کو کافر سمجھتا ہے اس کے وہ عقائد اور نظریات نہیں ہیں تو ان دونوں میں سے ایک طبقہ مسلمان ہوگا اور ایک طبقہ کافر، تو جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلمان سمجھتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے کافر قرار دینے والوں کو وہ مسلمان کیسے سمجھ سکتا ہے؟ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے یہ متفق علیہ فیصلہ ہے اور آپ حضرات کے سامنے مختلف طریقوں کے ساتھ یہ آچکا کہ تکفیر صحابہ کرنے والے، جو علی العموم صحابہ کو کافر کہتے ہیں وہ خود ایمان سے محروم ہیں، وہ کافر ہیں، مسلمان نہیں ہیں یہ بات تو اپنی جگہ صاف ستھری ہے۔

اور جو فتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آئے ان میں رفض کا فتنہ ہے، خروج کا فتنہ ہے، رافضی تو وہ ہیں جنہوں نے علی العموم صحابہ کو کافر کہا سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے، یعنی خلفاء راشدین میں سے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مانتے ہیں اور خارجی وہ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا اور ایک طبقہ درمیان میں اور بھی پیدا ہوا جو اہلسنت کے ساتھ بغض رکھتا ہے، اگرچہ باقی صحابہ کو وہ کافر قرار نہیں دیتا، یہ بھی ایک غلط فرقہ ہے۔

اہلسنت والجماعت کی نشانی:

اہلسنت والجماعت اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے قائل ہیں، نہ وہ اہل بیت کے خلاف ہیں، اور نہ صحابہ میں سے کسی کے خلاف ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کی مثال دی ہے کشتی کے ساتھ، سفینہ نوح علیہ السلام کے ساتھ

کہ جس طرح ایک طوفان آیا تھا نوح علیہ السلام نے کشتی بنائی تھی جو لوگ اس کشتی میں سوار ہو گئے طوفان سے بچ گئے ، اور جو اس کشتی میں سوار نہیں ہوئے ، وہ طوفان کی نذر ہو گئے تو اہل بیت کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے ، سفینۂ نوح علیہ السلام کے ساتھ کہ جو اہل بیت کے ساتھ محبت رکھیں گے وہ ایسے ہی ہے جیسے سفینہ میں سوار ہو گئے اور جو اہل بیت سے تعلق نہیں رکھیں گے وہ ایسے ہیں جیسے کہ سفینہ سے علیحدہ رہ گئے تو اہل بیت کی مثال تو دی ہے ، سفینۂ نوح علیہ السلام کے ساتھ (مشکوٰۃ ۲/۵۷۳)

اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق فرمایا "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ" (مشکوٰۃ ۲/۵۵۴) میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج بھی سمندر کے اندر اگر جہاز چلتے ہیں یا پرانے زمانہ میں اگر کشتیاں چلتی تھیں تو انسان بیٹھا ہوتا ہے کشتی میں ، راستہ معلوم کرتا ہے ستاروں کو دیکھ کے "بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ" پرانے زمانے سے دستور یہی چلا آ رہا ہے کہ کشتی میں سوار ہونے کے بعد سفر کا رخ متعین کرنے کیلئے اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے لوگ ہمیشہ ستاروں سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

اب یہاں بھی وہی بات ہے محبت رکھو اہل بیت کے ساتھ ، اتباع کرو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کی تو آپ کو راہنمائی بھی حاصل ہو گئی ، اور کشتی بھی حاصل ہو گئی یہی ایک نجات کا طریقہ ہے ، نہ تو کوئی ستاروں سے مستغنی ہو کے سمندر میں صرف کشتی پر سفر کر سکتا ہے اور نہ صرف ستاروں کی طرف دیکھ کے بغیر کشتی کے سفر ہوتا ہے۔

دونوں سے تعلق رکھیے ، اہل بیت سے بھی تعلق رکھیں ، صحابہ سے بھی تعلق رکھیں پھر یہ بات سیدھی ہو گی کہ کشتی میں سوار ہیں ، اور ستاروں کو دیکھ کے رخ متعین کرتے ہیں تو انشاء اللہ العزیز منزل تک پہنچ جائیں گے ، تو اہلسنت والجماعت کا جو مسلک ہے وہ یہی ہے کہ اہل بیت سے محبت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم قطعی حجت ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ شرف بخشا ہے کہ نبی تو معصوم ہوتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی فرد کو انفراداً ہم معصوم نہیں کہیں گے۔

لیکن اجتماعی طور پر اللہ نے عصمت کی صفت امت کی طرف منتقل کی ہے اس لیے اگر صحابہ کسی مسئلہ کے اوپر متفق ہو جائیں، اور کسی مسئلہ کے اوپر اتفاق ہو جائے تو اس کے اندر بالکل غلطی کا امکان نہیں، وہ بالکل سراسر ہدایت ہے اور اس کی مخالفت ایسے ہی ہے جیسا کہ قرآن وحدیث کی مخالفت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع قطعی حجت ہے، اس کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔

حق صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں بند ہے:

البتہ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف آجائیں، کوئی صحابی کچھ کہتا ہے، کوئی صحابی کچھ کہتا ہے، فقہی مسائل کے اندر حدیث شریف پڑھنے والوں کے سامنے ہمیشہ یہ بات آتی رہتی ہے کہ اقوال صحابہ میں اختلاف ہوتا ہے اس بارے میں آپ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اس بارے میں اجماع امت ہے، ائمہ کا یہ قول ہے کہ "اَلْحَقُّ لَا یَعْدُوْا اَقَاوِیْلَهُمْ" ایک ہی قول ہو تو وہی حق ہے اور اگر کسی مسئلہ کے اندر صحابہ کے اقوال مختلف ہو گئے تو حق ان قولوں سے باہر نہیں ہے اگر جماعت صحابہ۔ کے اندر کسی مسئلہ میں چار قول موجود ہیں تو ائمہ ان چاروں میں سے کسی ایک کو اختیار کریں گے کسی ایک کو ترجیح دیں گے جس طرح روایات حدیث مختلف آجائیں تو مختلف دلائل کے ساتھ کسی ایک کو ترجیح دے کے اختیار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح اقوال صحابہ میں اگر کسی قسم کا اختلاف آجائے تو اس اختلاف میں ترجیح دے کر کسی ایک قول کو اختیار کریں گے، پانچواں قول جو بھی اختیار کرے گا وہ گمراہی ہوگا، اصول کی کتابوں میں مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ حق صحابہ کی باتوں سے باہر نہیں ہے۔

اقوال صحابہ میں سے ہی ایک قول اختیار کرنا پڑے گا، ایسا قول اختیار کر لینا کہ جو صحابہ کے اقوال کے علاوہ ہو اور وہ قول صحابہ میں موجود نہیں تو ایسا قول اختیار کر لینا یہ گمراہی ہے یہ ہدایت نہیں ہے، ہدایت یہی ہے کہ حق ان کے قولوں سے باہر نہیں جائے گا، جو قول ان کا ہو گا حق وہی ہے انہی قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کریں گے، یہی ہے طرز عمل ائمہ کا ہے۔

اس لیے ہم قرآن کریم کو سمجھتے ہیں حدیث کی روشنی میں، حدیث کو سمجھتے ہیں ہم اقوال صحابہ کی روشنی میں، اس طرح دین کی سمجھ حاصل کرتے ہوئے ہم صحیح راہ پاتے ہیں، تو

- فقہ ہو،
- حدیث ہو،
- قرآن ہو،

ہم ان کو آپس میں جوڑ کے رکھتے ہیں یہی طریقہ ہے اہلسنت والجماعت کا، یہی طریقہ ہے اہل حق کا۔

اہل قرآن کا نظریہ گمراہی ہے:

ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہوا جنہوں نے صرف قرآن کریم کو لے لیا وہ کہتے ہیں ہم تو اہل قرآن ہیں، حدیث کو نہیں مانتے، قرآن کو مانتے ہیں،

قرآن اصل ہے، جو بات قرآن کے مطابق ہو گی ہم اس کو لیں گے اور جو قرآن کے مطابق نہیں ہو گی، ہم نہیں لیں گے، مطابق ہونے نہ ہونے کا پتہ کیسے چلے گا ان کے اپنے فہم کے ساتھ اصل کے اعتبار سے یہ قرآن پر حدیث کو نہیں پرکھتے۔

بلکہ قرآن کا مفہوم اپنے طور پر متعین کر کے پھر حدیث کو اس کے ساتھ جوڑتے ہیں تو گویا کہ حدیث کو اپنے متعین کیے ہوئے مفہوم پر پرکھتے ہیں، یوں یہ حاکم بن گئے قرآن اور حدیث کے مطلب پر تو اہل قرآن طبقہ جو یہ نعرہ لگاتا ہے کہ ہم قرآن والے ہیں

اپ کو معلوم ہے کہ ہمیشہ اس کو علماء امت نے گمراہ قرار دیا ہے صرف قرآن پر اکتفاء نہیں کیا جاسکتا بلکہ قرآن کے ساتھ حدیث کو جوڑیں گے تو تب جا کے اللہ کی مراد سمجھ میں آئے گی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگر قرآن اتارا ہے تو اس قرآن کے ساتھ

- قرآن کی تبیین کے لیے،
- اس کی تفسیر کے لیے،
- اس کی وضاحت کے لیے،

اپنا نمائندہ بھی بھیجا ہے تو تفسیر اور تبیین وہی معتبر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کا یہ نمائندہ کرے گا۔

فرقہ اہل حدیث کی گمراہی:

اور اس کے بعد اگلے درجہ میں ایک طبقہ آ گیا جو اہل قرآن کی بجائے اپنے آپ کو کہتا ہے کہ ہم اہل حدیث ہیں، انہوں نے عنوان یہ اختیار کرلیا، حدیث کے عنوان کو لے کے بیٹھ گئے جس عنوان سے نفی ہوتی ہے کہ گویا کہ قرآن پر نظر نہیں ڈالتے اور حدیث کو لینے کا مطلب یہ ہوا کہ اتباع صحابہ کا اصول چھوڑ دیا، اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ مد نظر نہیں رکھتے، ہم اہلسنت والجماعت کا طبقہ اس فرقہ کو بھی اہل حق میں شمار نہیں کرتا، یہ فرقہ بھی ان فرقوں میں شامل ہے جو اہلسنت والجماعت میں شامل نہیں ہیں۔

اہل حدیث عنوان رکھنے والے اپنے نام اور عنوان کے اعتبار سے اہلسنت والجماعت سے خارج ہیں، ان کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل نہیں ان کے اپنے دعوے کے طور پر اگر یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو اپنے لیے حجت سمجھتے تو آپ جانتے ہیں کہ کم از کم بیس تراویح کو بدعت نہ کہتے۔

کیونکہ اس کا تو کوئی انکار نہیں کرتا کہ بیس تراویح کی پابندی جو شروع ہوئی ہے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے شروع ہوئی، تین خلفاء نے اس کے اوپر عمل کیا،

- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس پڑھی گئیں،
- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس پڑھی گئیں،
- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس پڑھی گئیں،

تین خلفاء کا زمانہ جس مسئلہ کو لیے ہوئے ہے اس کو بدعت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، اگر صحابہ کے عمل کو اپنے لیے قابل اتباع قرار دیا جاتا تو یہ لوگ کم از کم بیس تراویح کو بدعت نہ کہتے۔

پڑھنا ان کی اپنی مرضی ہے کوئی پڑھے یا نہ پڑھے کم از کم اتنا تو کہنا چاہیئے کہ واقعی یہ طریقہ سنت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول ہے، اگر یہ اتباع صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصول کو اپناتے تو کم از کم یہ اپنی زبان سے یوں نہ کہتے کہ جو رفع یدین نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

جو یہ کہتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے والوں کی نماز نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو سامنے نہیں رکھا اور نہ زیادہ دور جانے کی ضرورت ہی نہیں ترمذی شریف میں جہاں اس مسئلہ رفع یدین کو ذکر کیا گیا ہے وہاں حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں رفع کا ذکر کیا ہے وہاں "بِهٖ قَالَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" اور جہاں ترک رفع کا ذکر کیا ہے وہاں "بِهٖ قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم" جامع ترمذی (۳۵/۱) کا لفظ بولا ہے اور 'غیر واحد' کا عنوان اکثریت اور جمہور کے لئے بولا جاتا ہے تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ جمہور صحابہ کا یا کثیر صحابہ کا عمل ہے ترک رفع، اگر وہ صحابہ کرام کے اقوال اور افعال کو قابل اتباع سمجھتے تو کم از کم یوں نہ کہتے کہ جو رفع یدین نہیں کرتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

تو کیا یہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم غیر واحد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یا جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم جو رفع یدین نہیں کرتے تھے اس طبقہ کے نزدیک وہ سارے کے سارے بے نمازی تھے؟

اور اگر دین کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وافعال کو اپنے لیے قابل اتباع سمجھتے تو کم از کم یہ نہ کہتے کہ جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی، جبکہ حدیث شریف کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ صحابہ کرام میں سے کتنے لوگ ہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔

یعنی یہ مسلک اختیار کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں پڑھتے تھے جس کا ذکر خود ترمذی کے متن میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے، فاتحہ پڑھنے کی تاکید جو آئی ہے یہ یا منفرد کے لیے ہے یا امام کے لیے ہے مقتدی اس سے مستثنیٰ ہے تو ایسا قول اختیار کرنے والے صحابہ کیا سارے کے سارے بے نماز تھے۔

یہ باتیں تب ہی سامنے آتی ہیں جس وقت کہ اس اصول کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام کے قول وعمل کو پیش نظر رکھا جائے۔

فقہی مسائل میں اہلسنت والجماعت کا مسلک:

جب اس اصول کو چھوڑ دیا جائے گا تو پھر آپ جانتے ہیں کہ ساری کی ساری گمراہی اور فساد اسی طرح آتا ہے اس کے مقابلہ میں ہمارا کیا مسلک ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ جس مسئلہ میں صحابہ کے دو قول آگئے ہم کسی جانب کو باطل نہیں کہیں گے، ہاں البتہ کوئی امام اپنے اجتہاد کے ساتھ جس طرح دو متعارض روایتوں میں ایک کو ترجیح دیتا ہے اور دوسری کو غلط نہیں کہتا اسی طرح ہم ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیں گے دوسرے کو غلط نہیں کہیں گے۔

ہم ان کا قول اختیار کریں گے جو رفع یدین نہیں کرتے لیکن جو رفع یدین کرتے ہیں ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ان کی نماز ہی نہیں ہوتی، ہم وہ قول اختیار کریں گے جو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتے۔

لیکن ہم یہ نہیں کہیں گے کہ جو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے ہیں ان کی نماز نہیں ہوتی، ہم یہ قول اختیار کرتے ہیں کہ آمین سراً کہنی چاہیے۔

لیکن ہم یہ نہیں کہیں گے کہ جو آمین جہراً کہتے ہیں وہ گمراہ ہیں، ہم کہتے ہیں کہ اقوال صحابہ میں سے جو بھی جس قول کے پیچھے گیا وہ ہدایت ہے، باقی ائمہ اس میں سے ترجیح کا قول اختیار کریں گے اس حق سے باہر نہیں نکلیں گے، اس لیے وہ لوگ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو اپنے سامنے نہیں رکھتے یہ "ما انا علیہ" اگر ہوں تو ہوں۔

لیکن وہ "اصحابی" والے اصول سے ہٹ گئے اس لیے ان کو اہلسنت والجماعت میں شمار نہیں کیا جائے گا، نہ اہل قرآن کہلانے والے اہلسنت والجماعت میں ہیں اور نہ اپنا عنوان اہل حدیث رکھنے والے اہلسنت والجماعت میں ہیں۔

اہلسنت والجماعت میں وہی لوگ ہوں گے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کو اپناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں اپنے لیے راہ عمل تجویز کرتے ہیں فقہ کے بارے میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں ان کے بارے میں ہمارا طرز عمل یہ ہے۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں اہلسنت والجماعت کا مسلک :

باقی کچھ اختلافات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایسے ہیں جن کا تعلق ہے سیاسی مسائل کے ساتھ جنگی بناء پہ آپس میں اختلاف بھی ہوا اور آپس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لڑائیاں بھی ہوئیں اس بارے میں ہمارے اکابر کا اور اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس میں

- ہم جج بن کر،
- فیصل بن کر،
- حاکم بن کر،

کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی رضا کا اعلان کیا ہے کہ اللہ ان پہ راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ''هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا'' (سورۃ الانفال ۴) کے ساتھ ان کو کامل الایمان قرار دیا ہے اور سب کو مغفور و مرحوم قرار دیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اسلام کی حالت میں مجھے دیکھ لیا آگ اس کو نہیں چھوئے گی، (مشکوٰۃ ۲/ ۵۵۴، ترمذی ۲/ ۲۲۶) آخرت میں سارے کے سارے ناجی ہیں باقی اس اختلاف کو ہم ایک اجتہادی اختلاف قرار دیتے ہیں، اجتہادی اختلاف کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ ہر شخص نے وہ کام کیا جو اس کے نزدیک اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید تھا۔

باقی آگے اللہ کے علم میں ہے کہ اس کا نتیجہ مفید نکلا یا نقصان دہ نکلا اس میں مجتہدین کا اختیار نہیں ہوا کرتا۔

مجتہد ہر حال میں مغفور ہے:

حدیث شریف میں صاف طور پر آتا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرے اور اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ اپنی قوت علمیہ کو صرف کر کے حق معلوم کرنے کی کوشش کرے تو پھر اگر وہ حق کو پہنچ بھی جاتا ہے تو اللہ کے ہاں اس کے لیے دوگنا ثواب ہے۔

اور اگر کسی وجہ سے وہ حق کو نہیں پہنچ سکتا تو اللہ کے ہاں پھر بھی اس کو اجر ملے گا اس خطا یا اس لغزش کی بناء پر اس کے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی، اس لیے ہم تاریخی روایات کو دیکھ کر صحابہ کی عظمت کے خلاف کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہیں، مشاجرات صحابہ کو ہم ایسے ہی سمجھتے ہیں کہ ان کا آپس میں اجتہادی اختلاف تھا ہر کوئی خیر خواہ تھا امت کا، ہر کوئی خیر خواہ تھا اسلام کا، نیک نیتی کے ساتھ کوشش کر کے، انہوں نے ایک طریقہ کو اختیار کیا، دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا اس نے اختلاف کیا تو جو حق کو پہنچ گیا وہ بھی اللہ کے

ہاں مغفور اور جس سے خطا اور لغزش ہوگئی وہ بھی اللہ کے ہاں مغفور اور مقبول ہے اس اختلاف کی بناء پر آخرت میں ان کے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

اس لیے ان اختلافات کو لے کر کسی کے متعلق زبان درازی کرنا یا کسی کے متعلق ایسی بات کہنا جو ان کی عظمت کے منافی ہو یہ ہمارے اکابر کا اور اہلسنت والجماعت کا مسلک نہیں ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہماری تلواروں کو ان کے خون سے محفوظ رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے تذکرے کر کے کیوں خراب کریں، اس لیے زبانوں پر تذکرہ اگر آئے تو ایک واقعہ کے طور پر آئے اس نظریے کے ساتھ کہ دونوں جانب مخلص تھے، دونوں جانب اجتہاد کرنے والے تھے، اگر ان میں سے کوئی حق کو پہنچ گیا تو اللہ کے ہاں دوہرا اجر پالے گا اور اگر کسی سے کوئی لغزش ہوگئی تو وہ بھی اللہ کے ہاں ثواب پائے گا اس اجتہاد میں لغزش کی بناء پر ان کے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت نہیں ہوگی۔

تاریخی روایات تو ہر قسم کی آتی ہیں ان روایات میں سے انہی روایات کو لینا چاہیئے جو صحابہ کی عظمت کو باقی رکھنے والی ہوں اور جو صحابہ کی عظمت کو ٹھیس پہنچانے والی ہوں وہ قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کی بناء پر قابل رد ہیں۔

باقی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے سامنے دو پارٹیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے، واقعات سامنے ہوتے ہیں لیکن آپ کوشش کریں کہ متعین کر دیں کہ فلاں سو فیصد حق پر ہے اور فلاں سو فیصد غلط ہے، یہ بہت مشکل ہوا کرتا ہے، اس لیے دار ومدار نیت کے اوپر ہوگا جو نیک نیتی کے ساتھ اس معاملہ کو نمٹائے گا حق کا ساتھ دے گا اللہ کے ہاں اجر پائے گا اور اگر کوئی بدنیت ہے تو اس کی نیت کو اللہ بہتر جانتا ہے، ہم اس کے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

اس لیے مشاجرات صحابہ میں کبھی دلچسپی نہیں لینی چاہئے کہ جو ان کے آپس میں جھگڑے ہوئے، آپس میں قتال ہوا، آپس میں لڑائیاں ہوئیں، جانبین اہل حق تھے، مجتہد ہونے کی وجہ سے جو مصیب ہے وہ بھی اللہ کے ہاں اجر پائے گا اگر اللہ کے علم میں کوئی مخطی ہے تو اللہ کے ہاں وہ بھی مغفور ہے اور اس کے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔

اس بات کو ملحوظ رکھیں اور ان اختلافات کی وجہ سے کبھی بھی صحابہ کرام کی عظمت کے خلاف کوئی بات زبان سے نہ نکالیں تقریباً ساری باتیں صحابہ کرام کے متعلق آگئیں کہ ہمیں کیسے نظریات رکھنے چاہئیں ان کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، اور ان کے ساتھ بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض ہے اور ان کی اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے اور ان کے ساتھ مخالفت کا معاملہ ایسے سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کا معاملہ ہے، اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

سوال خلفاء راشدین کتنے ہیں؟ چار ہیں یا چھ، اگر کوئی چھ مانے تو اس کا عقیدہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب خلفاء راشدین ایک اصطلاح ہے، اصطلاحی طور پر خلفاء راشدین چار ہیں، لغوی طور پر خلیفہ راشد کا معنیٰ ہدایت یافتہ خلیفہ، یہ بعد والوں کے لیے بھی بولا جا سکتا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ راشد کہتے ہیں، آخر زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام آئیں گے وہ خلیفہ راشد ہوں گے یہ ہوگا لغوی اصطلاح کے اعتبار سے۔

لیکن وہ خلفاء راشدین جن کو ہم دور نبوت کا تتمہ قرار دیتے ہیں وہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کے نزدیک چار ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پر جا کے وہ اصطلاحی خلافت راشدہ ختم ہو جاتی ہے، اصل بات کو یوں سمجھ لیجئے۔

کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو خلافت کا سلسلہ چلا تو چار خلافتوں تک تو ایک معیار قائم ہے اور اس کے بعد ایک معیار میں کمی آ گئی، دونوں معیاروں کا عنوان علیحدہ علیحدہ

رکھنے کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ خلافت راشدہ چوتھے پر ختم ہو جاتی ہے، وہ معیار کیا تھا؟ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجر تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ مہاجر تھے، عمر رضی اللہ عنہ مہاجر تھے، عثمان رضی اللہ عنہ مہاجر تھے، علی رضی اللہ عنہ مہاجر تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ مہاجر نہیں، مہاجروں کی اولاد ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر نہیں ہیں یہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے، اس لئے صفت مہاجر کے اعتبار سے اشتراک چوتھے خلیفہ تک ہے۔

دوسری بات نبی قطعی جنتی ہے، وصف عنوانی کے ساتھ نہیں، "النبی فی الجنة، نبی قطعی جنتی ہے "ابوبکر فی الجنة، عمر فی الجنة، عثمان فی الجنة، علی فی الجنة" (مشکوۃ ۲/۵٦٦، ابوداؤد ۲/۲۹۱) نامزد جنتی ہونے کی خبر جس کے اوپر امت نے اتفاق کیا ہے وہ چوتھے خلیفہ تک ہے، باقیوں کے فضائل اس درجہ کے نہیں جو عشرہ مبشرہ کے ہیں، اور پہلے چار خلیفہ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، جن کے ساتھ بشارت کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں، جن کے لئے یہ فضیلت وصف عنوانی کے تحت نہیں بلکہ ان کو یہ بشارت نامزد ہے چوتھے خلیفہ کے بعد یہ معیار قائم نہیں رہا۔

تیسری بات "نبی افضل زمانہ" اپنے زمانہ میں سب سے افضل، نبی کے مقابلے کا کوئی دوسرا نہیں ہوتا، "ابوبکر افضل زمانہ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں سب سے افضل، اس کے برابر کا کوئی نہیں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد "عمر افضل زمانہ" اس کے برابر کا کوئی نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد "عثمان افضل زمانہ" اس کے برابر کا کوئی نہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد "علی افضل زمانہ" ان کے برابر کا کوئی نہیں، اور اس کے بعد یہ معیار قائم نہیں رہا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہوئے افضل زمانہ نہیں ہیں، کیونکہ اس وقت تک وہ صحابہ موجود تھے جن کو قرآن کریم کی رو سے افضل قرار دیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بدریوں میں سے تو شاید کوئی باقی نہ ہو، لیکن اصحاب حدیبیہ

میں سے تھے، فتح مکہ میں شریک ہونے والوں میں سے تھے، جن کو قرآن کہتا ہے "لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَاللّٰهُ الْحُسْنٰی" (سورۃ الحدید آیت ۱۰) بعد میں خرچ کرنے والوں اور لڑنے والوں کے مقابلہ میں یہ فتح مکہ سے پہلے انفاق اور قتال کرنے والے اعظم درجۃ ہیں، یہ نص قطعی ہے۔

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے انفاق اور قتال میں حصہ لیا ہو، حضرت حسن رضی اللہ عنہ مہاجر نہیں، مہاجروں کی اولاد ہیں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر نہیں ہیں، کیونکہ جب مکہ فتح ہوگیا تھا تو اعلان ہوگیا تھا "لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ" (بخاری ۱/۳۹۰، ۴۳۳، مشکوٰۃ/۳۳۱) اور اسی طرح نہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ افضل زمانہ ہیں اور نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل زمانہ ہیں، جس کی بناء پر خلافت میں ایک درجہ کا فرق آگیا۔

اس فرق کو ملحوظ رکھنے کے لئے خلافت راشدہ جس کو ہم دور نبوت کا تتمہ قرار دیتے ہیں یہ چوتھے خلیفہ پر ختم ہوجاتی ہے، باقی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب سب کی بیعت ہوگئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اوران کی خلافت برحق ہے، لغوی طور پر ان کو راشد کہہ سکتے ہیں لیکن جو خلافت راشدہ کا اصطلاحی معنی ہے اس سے وہ باہر ہیں، ہمارے اکابر کا یہی مسلک ہے اور اسی مسلک پر ہم ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین

علم دین کی اہمیت

بموقع: اختتام بخاری شریف

بتاریخ: رجب ۱۴۲۹ھ

بمقام: جامعہ مدینۃ البنات مدنی مسجد کراچی

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ، (ابن ماجہ ۱/۲۰، مشکوٰۃ ۱/۳۴) صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

علم حاصل کرنا مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے:

یہ روایت جو میں نے پڑھی ہے ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِم'' اسمیں ''مسلمة'' کا لفظ نہیں ہے، مفہوم کے اعتبار سے بات صحیح ہے لیکن الفاظ کے اعتبار سے روایت ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِم'' پر ختم ہو جاتی ہے، مسلم مذکر کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے اسلام والا مرد، مسلمة مؤنث کا صیغہ ہے۔

لیکن قرآن وحدیث کی اصطلاح میں عام طور پر احکام کا بیان مردوں کو خطاب کرتے ہوئے ہوتا ہے اور عورتیں بالتبع اس میں شامل ہوتی ہیں اس لیے جہاں علم کا طلب کرنا مسلم مرد پر فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے، ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' مذکر کا صیغہ ہے ''آتُوا الزَّکٰوۃَ (سورت بقرہ/۱۱۰) مذکر کا صیغہ ہے ''کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ'' (سورۃ بقرہ/۱۸۳) مذکر کا صیغہ ہے یہ سارے صیغے مذکر کے آتے ہیں۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ نماز پڑھنا جیسے مرد پر فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے اس لیے ''عَلیٰ کُلِّ مُسْلِم'' میں اگر چہ مذکر کا صیغہ ہے لیکن شامل یہ دونوں کو ہے۔

علم کی دو قسمیں ہیں:

علم کا طلب کرنا فرض ہے اس پر تھوڑی سی وضاحت یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس علم سے کیا مراد ہے؟

اس علم سے کونسا علم مراد ہے؟ عام طور پر دنیا میں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دو قسم کے علم جاری ہیں۔

ایک وہ علم ہے جس کو ہم علم معاش کہتے ہیں، زندگی گزارنے کی ضرورت کا علم ایک علم کی یہ قسم ہے۔

دوسرا وہ علم ہے جس کو ہم علم دین یا علم معاد کہتے ہیں کہ جس میں دین کی تعلیم ہوتی

ہے یا آخرت کو آباد کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد والی زندگی کو آباد کرنے کا کیا طریقہ ہے اس کو آپ علم معاد سے تعبیر کر لیجئے۔

علم معاش انسان کی ضرورت ہے:

جہاں تک علم معاش کا تعلق ہے جیسے

- زراعت کا علم ہے،
- باغبانی کا علم ہے،
- صنعت کا علم ہے،
- جوتا سازی کا علم ہے،
- پل بنانے کا علم ہے،
- کاریں بنانے کا علم ہے،
- جہاز بنانے کا علم ہے،

اور اسی طرح دنیا میں جتنی بھی ضروریات پھیلی ہوئی ہیں یہ سب علم معاش کی حدود میں آتی ہیں، یہ علم جس کو میں علم معاش کہہ رہا ہوں یہ علم انسان کی ضرورت ہے، چاہے انسان مسلمان ہو، چاہے انسان کافر ہو، چاہے خدا کے وجود کا قائل ہو، چاہے خدا کے وجود کا قائل نہ ہو، دنیا میں آبادی کا اکثر حصہ ایسا ہے جو اللہ کے وجود کے قائل نہیں۔

لیکن یہ علم وہ بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں، زراعت وہ بھی کرتے ہیں، صنعت میں مہارت وہ بھی رکھتے ہیں، سڑکیں پل بنانے کا علم وہ بھی حاصل کرتے ہیں، موٹریں، گاڑیاں، جہاز وہ بھی بناتے ہیں، میڈیکل کے اندر پوری محنت وہ بھی کرتے ہیں، طب اور ڈاکٹری میں بھی مہارت حاصل کرتے ہیں، کپڑے بننے کا علم ان کے پاس بھی ہے تعمیرات کا علم ان کے پاس بھی ہے، جو سرے سے خدا کے وجود کے بھی قائل نہیں یہ علم ان

کے پاس بھی ہے، اور اس پر وہ محنت کرتے ہیں اور اس کو حاصل کرتے ہیں، یہ علم انسان کی ضرورت ہے اس میں کافر اور مسلم کا کوئی فرق نہیں ہے۔

کافر کو روٹی کی ضرورت ہے وہ روٹی حاصل کرنے کے طریقے سیکھتا ہے، کافر کو کپڑے کی ضرورت ہے وہ کپڑا حاصل کرنے کا طریقہ سیکھتا ہے، ہر ضرورت کو حاصل کرنے کے لیے انسان کوشش کرتا ہے، تو یہ علم یہودیوں کے پاس بھی ہے، یہ علم عیسائیوں کے پاس بھی ہے، یہ علم ہندوؤں کے پاس بھی ہے، یہ علم آتش پرستوں کے پاس بھی ہے اور جو سرے سے مذہب کے قائل نہیں، اللہ کے وجود کے قائل نہیں، رسولوں کی رسالت کے قائل نہیں، آخرت کے قائل نہیں، وہ سارے کے سارے ان علوم کو حاصل بھی کرتے ہیں، اور اس میں مہارت بھی رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم معاش کے حصول کو فرض نہیں کیا:

تو جب یہ مشترکہ ہے انسان ہونے کے اعتبار سے اس میں کافر و مسلمان کی کوئی تقسیم نہیں ہے، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِم'' یہاں علم سے وہ علم مراد ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے اور جتنی چیزیں آپ ذکر کر رہے ہیں یہ ساری کی ساری تو انسان کی ضرورت ہیں، کافر ہو یا مسلمان ہو، اس میں مسلمان کی کیا تخصیص ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''عَلیٰ کُلِّ مُسْلِم'' جس سے معلوم ہو گیا کہ اس علم سے وہ علم مراد ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے، یہ نہیں فرمایا ''عَلیٰ کُل اِنْسَانٍ'' تو یہاں سے مسلم کی ضرورت کیا ہے؟۔

مسلم یہ اسم فاعل کا لفظ ہے اور اس کا مادہ ہے اسلام، تو مسلم کہتے ہیں صاحب اسلام کو تو جو صاحب اسلام ہے جس علم کی ضرورت اس کو ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طلب کو فرض کر رہے ہیں، جو معاشی ضرورت ہے وہ رسول کے فرض کرنے سے فرض نہیں ہوتی،

وہ تو آپ خود ہی اس کو فرض سمجھے بیٹھے ہیں، جو اللہ کے وجود کے قائل نہیں وہ بھی اس کو فرض سمجھتے ہیں، جو رسالت کے قائل نہیں وہ بھی اس کو فرض سمجھتے ہیں، اس فرضیت کی یاد دہانی کے لیے اللہ کے رسول کو ضرورت نہیں ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ: •

اس لیے ساتھ لگتے ایک بات اور ذہن میں آ گئی کہ عام طور پر لوگ ایک روایت لیے پھرتے ہیں، منسوب اس کو کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف کہ ''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّيْنِ'' علم کو طلب کرو اگرچہ تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے، اور یہ روایت سنا سنا کے ہمیں کہتے ہیں کہ چین میں تو دنیوی علم تھے دینی علوم تو نہیں تھے۔

اور حضور ﷺ علم سیکھنے کیلیے چین جانے کی تلقین فرما رہے ہیں، جس سے معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ ترغیب دے رہے ہیں دنیوی علوم کے سیکھنے کی، کیونکہ چین دنیوی علوم کا مرکز تھا دینی علوم کا مرکز نہیں تھا دینی علوم تو وہاں نہیں پائے جاتے تھے۔

اس کو دلیل بنا کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا منشاء علوم دینیہ کا نہیں بلکہ علوم دنیوی کو حاصل کرنے کا حکم ہے اس لیے مسلمان پر یہ بھی فرض ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے ورنہ حضور ﷺ چین کا ذکر کیوں کرتے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایت جھوٹی ہے یہ رسول اللہ ﷺ کا قول نہیں ہے محدثین کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہوا ہے اور موضوعات وہ روایات ہوا کرتی ہیں کہ جن کا ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہے۔

بلکہ کسی اور کا قول تھا لوگوں نے منسوب کر دیا یا کسی نے اپنا مطلب نکالنے کے لیے بات بنا کے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی یہ بات ان باتوں میں سے ہے، یہ رسول اللہ کا فرمان نہیں ہے اگر بالفرض یہ فرمان ہو بھی تو پھر عربی زبان کو نہ سمجھنے کیوجہ سے

لوگ اس کا مطلب لیتے ہیں اس کا ترجمہ یہ ہے ''ولو بالصین'' اگر چہ چین میں ہو، اگر چہ چین میں ہو کا مطلب یہ ہے کہ چین میں ہے تو نہیں بالفرض اگر تمہیں وہ علم حاصل کرنے کے لیے چین تک بھی سفر کرنا پڑے تو کرو، تو جہاں تک دنیوی علوم کا تعلق ہے وہ تو چین میں اس وقت موجود تھے۔

پھر صحابہ کو آپ حکم دیتے جاؤ چین جاؤ، وہاں جا کے کالجوں میں داخلہ لو اور سیکھ کے آؤ کہ شیشہ کیسے بنانا ہے، مٹی کے برتن کیسے بنانے ہیں، وہاں سے سیکھ کے آؤ، پھر حکم یوں ہونا چاہیئے تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پارٹیاں بنا کے انہیں کہا جاتا کہ چین میں جاؤ، وہاں سے سیکھ کے آؤ۔

کیونکہ چین میں اس وقت علوم موجود تھے، شیشہ جو ہے یہ چین کی صنعت ہے اور اس وقت چین میں یہ موجود تھا، آئینہ چینی اسوقت بھی مشہور تھا، چینی کے برتن اس وقت بھی مشہور تھے، اس قسم کی صنعت چین میں موجود تھی تو پھر طرز کلام یوں ہونا چاہیئے تھا کہ اپنے میں سے کچھ آدمی تیار کرو اور ان کو چین بھیجو تا کہ وہ وہاں جا کے علم سیکھ کے آئیں۔

اگر چہ چین میں ہو یہ تو بالفرض والی بات ہے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ تم نے دین کا علم حاصل کرنا ہے اس کے لیے اگر تمہیں طویل ترین سفر بھی کرنے پڑیں تو کرو، مراد وہاں بھی وہ علم ہے جو اس وقت چین میں موجود نہیں تھا، بالفرض اگر چین میں ہو تو، دنیوی علوم تو اس وقت چین میں موجود تھے اس کو بالفرض کہنے کا کیا مطلب؟

یعنی اگر یہ کسی کا قول بھی ہے علم کی ترغیب دینے کیلئے تو اس کا مصداق علم دین ہے، علم دنیا نہیں، کیونکہ علم دنیا تو چین میں موجود تھا تو آپ نے کونسا گروہ بنایا تھا چین بھیجنے کے لیے کہ وہاں جا کر وہاں سے شیشہ بنانا سیکھ کے آؤ؟

کوئی ہیں تاریخ کے اندر ثبوت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب علم بھیجے ہوں کہ وہاں جا کر یہ سیکھ کے آؤ؟۔

وہ علم جو مسلمان کی ضرورت ہے اس کو حاصل کرنا فرض ہے:

اس لیے یہ بات ایسے نہیں ہے اللہ کا رسول جس علم کے سیکھنے کے لیے کہہ رہا ہے وہ علم ایسا ہے جو مسلمان کی ضرورت ہے اور مسلمان کی ضرورت ہے اسلامی علم، اور اسلامی علم سے مراد ہوتا ہے ایسا علم جس کے ساتھ اللہ کی مرضیات کا پتہ چلے کہ اللہ راضی کس بات پر ہے۔

نامرضیات کا پتہ چلے کہ اللہ ناپسند کس بات کو کرتا ہے، کونسی چیز ایسی ہے جو مرنے کے بعد اللہ کے نزدیک ہمارے کام آنے والی ہے اور کونسی چیز ایسی ہے جو مرنے کے بعد ہمیں نقصان دینے والی ہے۔

کافر تنگ نظر ہے:

کیونکہ اسلام نے بنیادی تعلیم جو دی ہے عام دنیا سے ہٹ کر وہ یہ ہے کہ کافر تنگ نظر ہے آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمان اور مولوی تنگ نظر ہیں، مولوی تنگ نظر نہیں، کافر تنگ نظر ہے کہ اس کی سوچ پیدا ہونے سے لے کر صرف مرنے تک ہے، وہ نہ آگا جانتا ہے نہ پیچھا جانتا ہے۔

اس کی نظر پیدا ہونے سے مرنے تک ہے، اور یہ جتنی ضروریات میں نے آپ کے سامنے ذکر کی ہیں جن کو میں علم معاش کے ساتھ تعبیر کر رہا ہوں اس کا تعلق پیدا ہونے سے مرنے تک ہے، ڈاکٹری کی ضرورت آپ کو صرف مرنے تک ہے، جہاز کی ضرورت آپ کو صرف مرنے تک ہے، گندم اور چنے کی ضرورت آپ کو صرف مرنے تک ہے، گڑ شکر کی ضرورت آپ کو صرف مرنے تک ہے، لباس کی ضرورت آپ کو صرف مرنے تک ہے، کیا مرنے کے بعد کسی مردے نے مطالبہ کیا ہے کہ ڈاکٹر بلاؤ کہ مجھے ٹیکہ لگا دے؟

یا وہ ہوائی جہاز کی ضرورت محسوس کرتا ہے، مرنے کے بعد نہ زراعت کی

ضرورت، نہ صنعت کی ضرورت، نہ کسی اور چیز کی ضرورت، یہ ساری کی ساری چیزیں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کی ضرورت ہیں،

آپ کو مکان کی ضرورت ہے،

کوٹھی کی ضرورت ہے،

کار کی ضرورت ہے،

دوا کی ضرورت ہے،

لباس کی ضرورت ہے،

باقی زندگی کی ہزار ہا ضرورتیں ہیں لیکن وہ ساری کی ساری کافر کی نظر میں پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک ہیں، آگے وہ نہیں جانتا کہ کیا ہوگا اور کہاں سے ہم آئیں ہیں اور ہمارے سفر کی کیا کیا منزلیں ہیں، ہمارا سفر شروع کہاں سے ہوا تھا اور ختم کہاں ہوگا کافر صرف اتنی سی جگہ کو جانتا ہے اس لیے میں کہہ رہا ہوں کہ کافر تنگ نظر ہے۔

مسلمان وسیع النظر ہے:

اور اللہ نے مسلمان کو وسیع النظر بنایا ہے، ہماری نظر وہاں سے شروع ہوتی ہے جب اللہ نے ارواح کو پیدا کیا، آدم کو پیدا کیا، نسل آدم چلائی اور چلتے چلتے ہمارا ظہور ہوا ہمارا ظہور کس طرح ہوا، پتہ نہیں کہاں کہاں ہمارے ذرات بکھرے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں اکٹھے کر کے ہمیں تربیت دی، پہلی منزل ہماری جو ہے وہ ماں کا پیٹ ہے، آٹھ، نو ماہ ہم نے وہاں گزارے تو وہاں بھی بچہ میں جان ہوتی ہے۔

اب اگر بچہ کو اتنا سا شعور ہو کہ بات کر سکے آپ اس کو کہیں کہ تو بہت تنگ دنیا میں پڑا ہوا ہے اس کے بعد جو تیری اگلی منزل آنے والی ہے وہ بڑی کشادہ دنیا ہے،

وہاں پہاڑ ہیں،

- وہاں دریا ہیں،
- وہاں میدان ہیں،

تو بچہ یقین نہیں کرسکتا وہ کہے گا اتنی تو جگہ ہے کہاں پہاڑ ہیں کہاں دریا ہیں کہاں سمندر ہے۔

کنویں کا مینڈک:

وہ کیسے مانے گا جیسے محاورے کے طور پر لوگ کہاں کرتے ہیں کنویں کا مینڈک، سمجھانے کے لیے مثالیں ہوتی ہیں کہ ایک سیلاب میں بہتا ہوا دریا کا مینڈک کنویں میں گر گیا اور کنویں میں ایک مینڈک پہلے بھی تھا جو کنویں میں ہی پیدا ہوا اور کنویں میں ہی رہتا تھا تو وہ جو سیلاب میں بہتا ہوا گرا تھا وہ کہتا ہے میں تو بہت کشادہ دنیا سے آیا ہوں میں تو یہاں قید میں پڑ گیا، یہ تو بہت تنگ جگہ ہے تو کنویں کا مینڈک کنویں کے چوتھے حصے میں چکر کاٹ کے کہتا ہے کہ تیری دنیا اتنی وسیع تھی وہ کہتا ہے اس سے بھی زیادہ، آدھے کنویں میں چکر کاٹ کے کہتا ہے کہ تیری دنیا اتنی وسیع تھی وہ کہتا نہیں اس سے بھی زیادہ، وہ من کے ساتھ ساتھ چکر لگا کے کہتا ہے کہ کیا تیری دنیا اس سے بھی زیادہ وسیع تھی؟ تو وہ کہتا ہے اس سے بھی زیادہ تو کہتا ہے جھوٹ نہ بول اس سے کشادہ دنیا تو اللہ نے پیدا ہی نہیں کی، اس کو کہتے ہیں کنویں کا مینڈک۔

کافر کی نظر صرف مرنے تک ہے:

اب کافر یہی جانتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتا ہے، کھاتا پیتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے، اور مر جاتا ہے، نہ اس سے آگے کچھ، نہ اس سے پیچھے کچھ، لیکن خالق کائنات نے بتایا کہ جیسے ماں کے بطن میں دنیا تنگ تھی اس دنیا کے اندر آنے کے بعد اس کی وسعت جب سامنے آتی ہے تو انسان کہتا ہے کہ واقعی یہ بات صحیح تھی کہ دنیا وسیع ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ

تمہیں قبر کے پیٹ میں پھر دوبارہ ڈالے گا، ڈالنے کے بعد پھر اللہ نکالے گا اور وہ دنیا اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگی، جتنی دنیا اب آپ دیکھ رہے ہیں وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگی۔

لیکن کافر نہیں یقین کر سکتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ بھی ہونا ہے اور اس کے بعد اور کشادہ دنیا بھی آئے گی، لیکن مسلمان کو اللہ نے یہ بتایا ہے اس لیے مسلمان کو اسلامی نقطہ نظر سے ان علوم کی ضرورت ہے کہ جو اس دنیا میں بھی انسان کو سنبھالیں، قبر کی زندگی میں بھی سنبھالیں، اور قبر کے بعد جب آخرت کی زندگی آئے گی اس میں بھی سنبھالیں تو وسعت نظر مسلمان میں ہے، کشادہ نظر والا عالم اور مسلمان ہے، کافر تنگ نظر ہے کہ اس کے سامنے پیدا ہونے سے لے کر صرف مرنے تک کا زمانہ ہے آگے پیچھے وہ کچھ نہیں جانتا۔

احکام میں مرد و عورت برابر ہیں:

اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان مرد ہو یا عورت مفہوم کے اعتبار سے مسلم میں مرد بھی شامل ہے اور عورت بھی شامل ہے اس کے ذمہ علم کا حاصل کرنا فرض ہے، تو اس علم سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضیات بتائے، نامرضیات بتائے، حلال وحرام کی تمیز بتائے، دنیا و آخرت کی آبادی کو بتائے، انجام واضح کرے، وہ علم مراد ہے۔

تو یہ علم حاصل کرنا

- جس طرح مرد پر فرض ہے اسی طرح عورت پر بھی فرض ہے،
- صحیح عقیدہ رکھنا مرد پر بھی فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے،
- نماز مرد پر بھی فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے،
- روزہ مرد پر بھی فرض ہے عورت پر بھی فرض ہے،

اگر جہالت ہوگی تو جیسے مرد نماز نہیں پڑھ سکے گا، عورت بھی نہیں پڑھ سکے گی، اور بسا اوقات جہالت کی بناء پر معمولی معمولی بات پر بہت زیادہ نقصان کر کے بیٹھ جاتے ہیں، زیادہ وسعت کے ساتھ گفتگو کی گنجائش نہیں۔

جہالت نیکی کو بھی بدی میں بدل دیتی ہے:

میں بچیوں کو سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں چونکہ اصل سبق ان کا ہے میرے پاس ایک عورت آئی یہ واقعہ ہے، یہ مثال نہیں ہے، وہاڑی کے علاقہ سے ایک پڑھی لکھی عورت سمجھدار تھی، عقل مند تھی، بلکہ سوشل ورکر تھی وہ اپنی گاڑی میں سوار ہوکر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر کبیر والا باب العلوم میں آگئی، میرے گھر آگئی تو مجھے میری بیوی نے اطلاع دی کہ ایک عورت آپ کو ملنے کے لیے آئی ہے۔

تو میں اٹھ کے گھر گیا تو چونکہ پردہ تو تھا نہیں تو جاتے ہی دفعتہً میری نظر پڑی اور میں نے اس کے ہاتھ پاؤں دیکھ لیے اس کے ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کے اوپر ناخن پالش لگی ہوئی تھی، میں جا کے سلام کر کے بیٹھا۔

میں نے پوچھا کہ محترمہ! کیسے تکلیف فرمائی؟ کہنے لگی حضور! میں سوشل ورکر ہوں، مختلف طریقوں سے قوم کی خدمت کرتی ہوں، قرآن پڑھی ہوئی ہوں میں قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتی ہوں میں، پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتی ہوں، سارے نیکی کے کام میں کرتی ہوں۔

لیکن میرے دل کی بے چینی ختم نہیں ہوتی، دن بدن اس بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے تو میں نے اردگرد لوگوں سے پوچھا کہ مجھے کسی اللہ والے کا یا عالم کا پتہ دو تا کہ میں جا کے اپنی اس پریشانی کا اظہار کروں اور اس سے کوئی علاج پوچھوں، اتفاق سے اس کا واسطہ پڑ گیا میرے کسی شاگرد کے ساتھ، شاگردوں کے نزدیک اپنا استاذ ہی سب سے اوپر ہوتا ہے، اس نے میری نشاندھی کر دی تو وہ وہاڑی سے سفر کر کے میرے پاس آئی، آ کے اس نے یہ کہا کہ میں اس لیے آئی ہوں کہ دل دماغ کی پریشانی نہیں ختم ہوتی،

میں تلاوت بھی کرتی ہوں،

- نماز بھی پڑھتی ہوں،

- قوم کی خدمت بھی کرتی ہوں،

- نیکی کے کام کرتی ہوں،

یہ اس نے سوال کیا میرے اوپر۔

میں نے کہا محترمہ! ناراض نہ ہونا آپ کا قرآن کریم کی تلاوت کرنا، نماز پڑھنا یہی تیری بے چینی کا سبب ہے اور جتنی تو نماز زیادہ پڑھے گی، جتنا تو قرآن زیادہ پڑھے گی اتنی ہی زیادہ بے چینی ہوگی۔

اب یہ تو الٹی بات اس کے علم میں آ گئی، لوگ تو کہتے ہیں ''اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (سورۃ الرعد/ ۲۸) اللہ کے ذکر کے ساتھ دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تیری بے چینی کا سبب یہی ہے۔

میں نے کہا! آپ بے وضو نماز پڑھتی ہیں، اور جنبی ہونے کی حالت میں آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتی ہیں اور آپ بتائیں کہ بے وضو نماز پڑھنا یہ جرم ہے یا ثواب ہے؟ تو جتنا پڑھے گی اتنا تیرے جرم میں اضافہ ہو رہا ہے اور جس عورت کا غسل صحیح نہ ہو ماہواری کے بعد غسل کرنا فرض ہے وہ صحیح نہ ہوا خاوند بیوی کے ملنے کے بعد غسل فرض ہے وہ صحیح نہ ہوا تو جنبی کے جنبی رہ گئے، ناپاک کے ناپاک رہ گئے، تو قرآن کو ہاتھ لگاؤ گے حرام کا ارتکاب کیا، زبان سے قرآن پڑھو گے حرام کا ارتکاب کیا، تو تمہیں اس کے اوپر ثواب ملے گا یا عذاب ہوگا؟

چین ملے گا یا بے چینی آئے گی، وہ کہنے لگی وہ کیوں؟ میں نے کہا یہ اپنے ہاتھ اور پاؤں کے ذرا ناخن دیکھ جس کتاب سے چاہو مسئلہ اٹھا کے دیکھ لو کہ اگر وضو کے اعضاء کے اوپر کوئی چیز ایسی لگی ہوئی ہو کہ اس میں سے پانی سرایت کر کے بدن تک نہ جائے تو نہ وضو ہوتا ہے اور نہ غسل۔

عورتوں کے لیے لمحہ فکریہ:

اب یہ رواج کے تحت عورتیں لگائیں اور لگانے کے بعد وہ کہیں کہ ہم نہا بھی لیتی ہیں اور وضو بھی کر لیتی ہیں تو شرعی نقطہ نظر سے نہ وضو صحیح ہے اور نہ غسل، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر پڑھ کے دیکھو مرنے کے بعد میت کا جنازہ صحیح ہونے کے لیے غسل فرض ہے، میت کو غسل دیا جائے گا تب جا کے اس کا جنازہ ہوگا۔

اگر میت کو غسل نہیں دیا تو جنازہ ٹھیک نہیں اور جس عورت کا غسل ٹھیک نہیں تو اس کا جنازہ ہی درست نہیں یہ ایک معمولی بات ہے کہ صرف ظاہری طور پر زیب و زینت کے لیے ایسا کیا جاتا ہے، مہندی لگا کے ناخن کا رنگ بدل لیں حدیث میں ترغیب آتی ہے کہ عورت کو چاہیئے کہ مہندی لگا کر ناخنوں کا رنگ بدلا ہوا ہو اس کی ترغیب ہے۔

لیکن اب یہ مہندی والی مشقت کون اٹھائے، فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ آٹا گوندھتے وقت اگر کسی عورت کے ناخن پر آٹا لگا رہ گیا اور جم گیا اور وضو کرنے سے پہلے اس آٹے کو نہیں اتارا تو وضو نہیں ہوا۔

جس طرح آٹا ناخن پر جما ہوا ہوتا ہے ایسے ہی کوئی ایسی چیز ناخن پر لگانا کہ جس کو کھرچیں تو اس کے ٹکڑے اکھڑیں ذی جرم اور ذی چکنی جس کے اندر پانی نہ جائے، ہونٹوں کے اوپر سرخی کی تہہ چڑھائی ہوئی ہو اور آپ جانتے ہیں کہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے لگانی جائز ہے، زیب و زینت کے طور پر۔

لیکن وضو اور غسل سے پہلے اتارنا ضروری ہے، اور اپنا شوق پورا کرنے کے لیے پھر لگا لو پھر جب وضو غسل کی ضرورت پیش آئے پھر اتار دو، اگر شوق ہی ہے تو تھوڑی سی محنت کر لو، تو تمہارے لیے لگانی بھی درست ہو جائے گی۔

لیکن تم لگانے کا شوق تو رکھتی ہو اتارنا تمہیں یاد نہیں رہتا تو پھر ایسی صورت میں دیکھو بہت معمولی سی چیز ہے لیکن زندگی بھر کی عبادت ضایع ہوگئی اس جہالت کی وجہ سے

اور اسی طرح اور بہت سارے کام ہیں کہ بے علمی میں انسان اپنے طور پر عبادت کرتا ہے لیکن وہ عبادت یوں ہوتی ہے کہ کوئی قبلہ کی طرف پشت کر کے ساری رات نماز پڑھتا رہے اور صبح کو خوش ہو کہ میں نے دس پارے نفلوں میں پڑھ لیے اور میں نے بڑی اللہ کی عبادت کرلی تو آپ بھی جانتے ہیں کہ جب قبلہ کی طرف پشت کر کے تم نے نماز پڑھی ہے تو وہ نماز آپ کے لیے جرم ہوگی، یا نیکی کا کام ہوگی؟

اس لیے علم بہت ضروری ہے تب جا کے انسان کی عبادت ٹھیک ہوتی ہے اور علم ضروری ہے تب جا کے انسان کا عقیدہ ٹھیک ہوتا ہے، مرد کے لیے بھی ضروری ہے عورت کے لیے بھی ضروری ہے۔

ہمارا علم بے سند نہیں ہے:

پھر خاص طور پر یہ حدیث کا علم ہم یہ جو سند بیان کیا کرتے ہیں اپنے اساتذہ سے جیسے میں نے کہا "بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ" میرے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک جتنے واسطے ہیں وہ سارے سند کہلاتے ہیں اور ہماری سند متصل ہے، میں نے یہی صحیح بخاری آج سے پچپن سال پہلے یعنی عربی مہینوں کے لحاظ سے ۱۳۷۴ھ کو شوال میں میرا دورہ کا سال شروع ہوا اور ۱۳۷۵ھ کو رجب میں ختم ہوا، تو پچیس سال ہو گئے اُس صدی کے اور انتیس سال ہو گئے اس صدی کے، چون سال مجھے فارغ ہوئے ہو گئے۔

اور پچپن سال ہو گئے جب میں نے یہ کتاب شروع کی تھی، تو پچپن سال پہلے میں نے استاد کے سامنے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا اور اس شعبان میں اللہ کے فضل سے میری تدریس کے چون سال مکمل ہو گئے۔

بخاری شریف میں نے پڑھی حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے، مسلم شریف میں نے پڑھی حضرت مفتی محمود

صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قاسم العلوم میں مدرس ہوتے تھے، اور باقی کتابیں باقی اساتذہ سے پڑھیں اور انہوں نے فلاں استاد سے پڑھی، انہوں نے فلاں استاد سے پڑھی، ہمیں ساری فہرست اپنے اساتذہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس وقت تک ہمارے پاس موجود ہے، جس سے ہم کہتے ہیں کہ ہمارا علم بے سند نہیں ہے، ہم دین کی ایک ایک بات کی سند رکھتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں، وضو کا طریقہ جو ہم وضو کرتے ہیں بتاتے ہیں کہ کن اساتذہ نے ہمیں بتایا، نماز کن واسطوں کے ساتھ ہمارے پاس آئی، یہ امت کے اوپر مدارس کا سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ کے رکھا ہوا ہے، بندھی ہوئی ہے امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسی سند کے ذریعہ سے۔

یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ جہاں اپنے نبی کے ساتھ جڑنے کی بات نہ ہو وہ ساری امتیں گمراہ ہوگئیں کسی کے پاس ایمان نہیں رہا، ایمان انہی کے پاس ہی رہا ہے جو اپنے نبی کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، اور نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تو چونکہ نجات انہی کی اتباع میں ہے اس لیے ہم دین کی ایک ایک بات کو سلسلہ وار ذکر کر کے امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑے ہوئے ہیں، یہ علم حدیث کی خصوصیت ہے، یہ ہے اس لفظ کا معنیٰ جو شروع میں ہم لفظ بولتے ہیں "بِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الْحَدِیْثِ"۔

علم حدیث کو نقل کرنے میں مرد و عورت دونوں شریک ہیں:

اور یہ علم مردوں سے عورتوں نے سیکھا، عورتوں سے مردوں نے سیکھا، یہ علم نہ مردوں کی خصوصیت ہے، نہ عورتوں کی خصوصیت ہے، ہم صحیح بخاری پڑھیں پہلی پہلی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کی تو ساری امت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شاگرد، دوسری روایت بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کی تو ساری امت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شاگرد، جیسے امت مردوں کی شاگرد ہے، عورتوں کی بھی شاگرد ہے، کتنی روایتیں ہیں جو امہات المؤمنین سے

ہیں، کتنی روایتیں ہیں جو صحابیات رضی اللہ عنہن سے ہیں، اور ساری کی ساری امت اس علم کے لینے میں ان عورتوں کی شاگرد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس علم کو نقل کرنے والی ہیں اور عورتوں نے مردوں سے لیا مردوں نے عورتوں سے لیا یہ علم اسی طرح چلتا آیا ہے۔

حضرت حکیم العصر مدظلہ کی سند میں عورت کا واسطہ:

عجیب بات آپ کو بتاؤں کہ مجھے حدیث شریف کی روایت کی اجازت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے اور انہوں نے جو سند مجھے لکھ کے دی تھی اس میں اپنی ایک سند کا خصوصیت سے ذکر کیا اور وہ سند یہ ہے کہ مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی استاد کے شاگرد ہیں جس کے میرے استاد شاگرد تھے سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیری یہاں تو برابری ہے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے شاگرد تھے اور میرے استاد حضرت عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی انہی کے شاگرد تھے۔

مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھ کے دیا مجھے کہ میں نے مدینہ منورہ میں ہمارے استادوں کے استاد سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے، مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد ہیں شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو بعد میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔

تو ان کی بیٹی نے بھی ان سے حدیث پڑھی تھی شاہ امۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہا اس کا نام تھا وہ محدثہ تھیں حدیث پڑھاتی تھیں اور لوگ جا کے ان سے حدیث کی اجازت لیتے تھے تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کو بطور فخر کے ذکر کیا کہ مجھے شاہ امۃ اللہ سے بھی اجازت ہے میری سند شاہ امۃ اللہ کی وساطت سے شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ متصل ہو جاتی ہے۔

تو مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی شاگردی ظاہر کرتے تھے، امۃ اللہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا عورت کے ساتھ، اور وہ اپنے والد شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردہ تھی

اور یہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی عالی سند تھی کیونکہ اس میں واسطے کم ہو گئے اور جس میں واسطے کم ہوں وہ سند عالی ہوتی ہے۔

تو اس علم میں یہ بات ہے اللہ کا شکر ہے وہی صورت اب ہمارے مدارس میں موجود ہے کہ پہلے پہلے چونکہ مدارس کے اندر محدثہ عورتیں ملتی نہیں تھیں تو مرد ہی ان کو پڑھاتے تھے، اب الحمد للہ! آہستہ آہستہ عورتیں تیار ہوتی جا رہی ہیں اب مدارس کے اندر عورتیں پڑھائیں گی تو علم مردوں کی وساطت سے بھی پھیلے گا اور عورتوں کی وساطت سے بھی پھیلے گا تو یہ بہت بڑا احسان ہے ان مدارس کا جنہوں نے ہمارے گھروں تک ہماری بچیوں کی وساطت سے یہ علم پہنچا دیا۔

تو یہ علم کی اہمیت آپ کے سامنے ذکر کرنا مقصود تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس علم کے حاصل کرنے کا فرمایا ہے وہ علم یہ ہے جو قرآن، حدیث اور فقہ کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کن کاموں سے خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔

سالانہ جلسہ منعقد کرنے کے مقاصد:

تو ہمارے سلسلہ درس میں آخری آخری کتاب ہے صحیح بخاری اور ہمارے مدارس کا رواج ہے کہ جب تعلیمی سال ختم ہوتا ہے تو ہم اس قسم کی مجالس قائم کرتے ہیں اور مجالس قائم کرنے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

ایک مقصد تو ان بچوں، بچیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور ایک مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ ان مدارس میں اس علم کے لیے جو محنت ہوتی ہے وہ یہاں کے اساتذہ تو جانتے ہیں لیکن ان مدرسوں کا دارومدار صرف استاد پر نہیں ہوتا ان معاونین پر بھی ہے، جو مدرسوں کی ضرورت کو مہیا کرتے ہیں دونوں طبقے مل کے اس کام کو کرتے ہیں یہ ایک کے کرنے کا کام نہیں ہے۔

قابل رشک افراد:

اس لیے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں دونوں کا ذکر کیا ہوا ہے فرمایا کہ دو آدمی اس قابل ہیں کہ ان کو دیکھ کے انسان کے دل میں رشک آنا چاہیئے کہ کاش! میں بھی ایسا ہوتا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے کہ تم کسی بڑے سے بڑے دولت مند کو دیکھ کے رال ٹپکاؤ کہ کاش میں بھی ایسا ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء یہ نہیں ہے۔

فرمایا کہ دو آدمی ایسے ہیں کہ جن کو دیکھ کے دل میں خیال آنا چاہیئے کہ کاش میں

بھی ایسا ہوتا۔

ایک وہ آدمی جس کو اللہ نے علم دیا ہے اور وہ اس کی نشر واشاعت میں لگا ہوا ہے۔

دوسرا وہ آدمی جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور اس کو حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی ہے تو ایک روایت میں ان دونوں کا ذکر کیا تو وجہ یہ ہے کہ علم والا علم پھیلا نہیں سکتا اگر اس کے پاس مالی اسباب نہیں ہیں، مالدار چاہے کہ میں دین کی خدمت کروں تو وہ نہیں کر سکتا جس وقت تک وہ کسی علم والے کی خدمت حاصل نہیں کرے گا۔

جب دونوں اکٹھے ہو جائیں کہ علم والے اپنے علم پر محنت کریں اور مالدار ان کے لیے ضروریات مہیا کریں تو گاڑی ٹھیک چلتی ہے تو ایک بچہ جب حافظ بنا ہے تو جتنا دخل اس میں استاد کی محنت کا ہے اتنا ہی دخل اس میں اس کا ہے جس نے مدرسہ میں بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی، قرآن خریدنے کے لیے پیسے دیے، کھانے کے لیے خوارک کا انتظام کیا اس حافظ کے تیار ہونے میں، اس عالم کے تیار ہونے میں یہ مالدار برابر کا شریک ہے تو معاونین کے سامنے جب یہ خدمت آتی ہے کہ ہم نے تعاون کیا تھا الحمد للہ! وہ ضائع نہیں گیا۔

 بلکہ ہم نے تعاون کیا تھا

 تو اتنے حافظ تیار ہو گئے،

- اتنے عالم تیار ہو گئے،
- اتنے فاضل تیار ہو گئے،
- اتنا دین کا چرچا ہو گیا،

تو ان کو بھی اپنے خرچ کیے ہوئے کے اوپر خوشی ہوتی ہے کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا سرمایہ کسی اچھے کام میں لگ گیا ہے یہ پیسے کسی اچھے کام میں خرچ ہو گئے تو یہ صدقہ جاریہ صرف علماء کا نہیں جو پڑھاتے ہیں، یہ صدقہ جاریہ ان کا بھی ہے جو مالی تعاون کر کے اسباب مہیا کرتے ہیں تو ان جلسوں کے ذریعہ سے یہ کارگردگی جو نمایاں کی جاتی ہے اس میں اپنے معاونین کو بھی مطمئن کرنا مقصود ہوتا ہے تا کہ ان کے سامنے یہ کام آجائے کہ ہم نے سارا سال جو پڑھایا ہے اور بچوں نے پڑھا ہے،

- ہم نے خوراک کا انتظام کیا،
- ہم نے کمروں کا انتظام کیا،
- ہم نے بجلی کا خرچ برداشت کیا،
- ہم نے ان کے لیے پانی کا انتظام کیا،

تو آج وہ بھی کہیں کہ الحمد للہ! ہمارے خرچ کا اچھا نتیجہ ہمارے سامنے آرہا ہے، اس قسم کی مجلسیں منعقد کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے۔

باقی وہ بات تو ہے ہی کہ جب کسی نیک کام کی تکمیل ہوتی ہے ہمارے اکابر کا قول ہے کہ اللہ کے ہاں مقبول کتاب ہے اس کے اختتام پر اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتے ہیں اس لیے اس کے اختتام پر دوستوں کو اکٹھا کر کے ساتھ شریک کر لیا جاتا ہے تا کہ وہ بھی اس ثواب میں شریک ہو جائیں جلسے منعقد کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے۔

باقی جہاں تک حقیقی بخاری کے ختم ہونے کا تعلق ہے وہ تو طلباء میں ہوتی ہے،

اور وہ شروع سے لے کر آخر تک ایک ایک روایت پڑھتے ہیں باقی ہمارے اکابر نے بچیوں کے لیے نصاب میں کچھ اختصار کیا ہوا ہے۔

افعال واقوال کے وزن پر دلیل دینے کی ضرورت نہیں:

لیکن جب ان کو اول اور آخر میں شریک کرلیا جاتا ہے تو درمیان میں جو کچھ ابواب ان کے چھڑوائے ہوئے ہیں تو اول و آخر میں شریک ہونے کی بناء پر گویا کہ وہ بھی اس ختم کے ثواب میں شریک ہو جاتی ہیں تو یہ آخری روایت ہے جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی، ترجمۃ الباب قائم کیا ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وزن اعمال کا کہ آخر آخر میں اللہ تعالیٰ انسانوں کے اقوال بھی تولیں گے اور اعمال بھی تولیں گے۔

اب یہ ایک طویل بحث ہے کہ سب کے تولے جائیں گے یا بعض کے تولے جائیں گے، اور وہ معتزلہ کا اشکال اپنی جگہ رہا کہ قول وفعل کا تو وجود ہی نہیں ہے تو پھر ان کا وزن کیسے ہوگا، منہ سے لفظ نکلتا ہے ختم ہو جاتا ہے، کام ایک حرکت ہے جب حرکت ختم ہوئی تو کام ختم ہوگیا یہ ان کے عقلی ڈھکوسلے ہوتے ہیں، جو علماء ہمیشہ ان کی عقلی دلائل کے ساتھ تردید کرتے تھے کہ اعمال کو کیسے تولیں گے، اقوال کو کیسے تولیں گے۔

اب ہم نے یہ ساری بحثیں ختم کر دیں اب یہ بعد از وقت ہیں اب تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ قائل سے قول جدا ہونے کے بعد موجود ہے، فاعل سے فعل کے جدا ہونے کے بعد فعل کا وجود بھی ہے۔

یہ میرے الفاظ آپ ریکارڈ کرلیں جس وقت بھی آپ سننا چاہیں تو اسی طرح سن لیں گے جس طرح اب آپ سن رہے ہیں جس سے معلوم ہوگیا کہ میرے بغیر بھی میرا قول موجود ہے یہ اس کی دلیل ہے۔

آپ اس کی فلم بنالیں دس سال کے بعد بھی دیکھو گے تو میری ساری حرکتیں آپ

کے سامنے آ جائیں گی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت ختم نہیں ہوتی اس کا وجود بھی ہے، اللہ کی دی ہوئی عقل کے ساتھ اگر آپ نے ایسی مشینیں بنالیں جو ان کو محفوظ رکھتی ہیں تو وہ اجزاء جن کے ساتھ آپ نے مشینوں کو تیار کیا ہے وہ اسی زمین کے ہی تو اجزاء ہیں باہر سے تو کہیں سے نہیں آئے، یہ سب کچھ آپ زمین کے اجزاء سے ہی تیار کرتے ہیں ،آسمان سے تو کوئی چیز نہیں برسی تو اس زمین کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ آواز کو بھی ریکارڈ کرتی ہے یہ فعل کو بھی ریکارڈ کرتی ہے اس کا نمونہ آپ کے سامنے موجود ہے۔

تو قرآن کریم میں ہے ''یومئذ تحدث اخبارھا'' زمین اس دن اپنی خبریں بیان کرے گی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا صحابہ سے کہ تمہیں پتہ ہے زمین کی خبریں کیا ہیں؟ زمین خبر دے گی کہ اس شخص نے میرے اوپر نماز پڑھی تھی، زمین خبر دے گی کہ مجھ پر اس نے فلاں کو قتل کیا تھا، میری پشت کے اوپر فلاں نے گناہ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قول وفعل سب زمین میں ریکارڈ ہوتا جارہا ہے اور آج اسکے اوپر دلیل دینے کی ضرورت نہیں ہے، صبح وشام ہر وقت آپ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

تو زمین میں صلاحیت موجود ہے، ہوا میں صلاحیت موجود ہے کہ ہم جو کچھ بولتے ہیں ہوا میں موجود ہے اگر آپ کے پاس کوئی آلہ موجود ہے تو آپ بٹن دبائیں اور یہاں انگریزی سن لیں، فارسی سن لیں، ہندی سن لیں ہر زبان یہاں ہوا کے اندر موجود ہے ہر چیز موجود ہے، تصویریں فضا میں موجود ہیں اور آپ کے سامنے نمونہ آ گیا، اسی ہوا میں سب کچھ ہے آپ تصویر بھی دیکھ سکتے ہیں، قول بھی سن سکتے ہیں، فعل بھی دیکھ سکتے ہیں، تو اب اس کے اوپر دلائل دینے کی ضرورت نہیں ہے قرآن میں ہے کہ اللہ ہاتھوں کو بلوائے گا، پاؤں کو بلوائے گا انسان کے اعضاء بولیں گے اور جو کچھ آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے وہ سب کچھ بتائیں گے۔

سب کچھ انسان کے اعضاء میں ریکارڈ ہو رہا ہے:

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اعضاء میں سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے دیکھی ہوئی چیزوں کی فلم آنکھوں میں بن رہی ہے، سنی ہوئی چیزوں کی فلم کان میں بن رہی ہے، اور جب چاہے گا اللہ تعالیٰ آپ کو سنا دے گا یہ چیزیں ساری بتائی اس لیے جا رہی ہیں کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرنی ہے تو نافرمانی کا مدار اخفاء پر ہے، گناہ کرنے کے لیے آدمی چھپنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب انسانوں میں انسانیت تھی تو کوئی بھی علی الاعلان گناہ نہیں کرتا تھا اب تو انسان حیوان بن گئے ہیں میں اس دور کی بات نہیں کر رہا ورنہ انسان جب گناہ کرتا ہے تو چھپنے کی کوشش کرتا ہے کہ کسی کو پتا نہ چلے اب ہم اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بتا رہے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا ہے کہ اگر تم نے چھپنا ہے تو اپنے اعضاء سے بھی چھپ جاؤ، زمین سے بھی چھپ جاؤ، فضاء سے بھی چھپ جاؤ، تو پھر تم چھپ جاؤ گے ورنہ تو فضا میں بھی سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے، زمین میں بھی سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے، تمہارے اعضاء میں بھی سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے، چھپو گے تو کیسے اور چھپ کے کہاں جاؤ گے؟

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہہ رہے ہیں کہ قول ہو فعل ہو اللہ تعالیٰ ان کو موجود کریں گے اور آخری آخری نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ان کا وزن ہوگا۔

دنیا میں بھی نتیجہ وزن کے ساتھ نکلتا ہے:

آپ جانتے ہیں کہ دنیا میں ہم کھیتی باڑی کرتے ہیں اس کا نتیجہ بھی آخر آخر میں ہمارے سامنے وزن کی صورت میں آتا ہے ایک کاشتکار گندم بوتا ہے پوری محنت کرتا ہے بعد میں کاٹتا ہے کاٹنے کے بعد نتیجہ وزن کی صورت میں آتا ہے، کاٹنے کے بعد وزن کر کے

کہتا ہے پانچ سو من گندم حاصل ہوئی پھر وہ حساب کرتا ہے کہ خرچ کتنا ہوا آمدن کتنی ہوئی میں اس محنت میں نفع میں رہا یا نقصان میں، کپاس پر محنت کی تھی اتنے ہزار من کپاس ہوگئی تو پھر بیٹھ کے حساب کرے گا کہ خرچ کیا ہوا، اور آمدن کتنی ہوئی نفع میں رہا یا نقصان میں تو اس زراعت کا نفع ونقصان بھی وزن کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ

کتنا گڑ بنا،

کتنی شکر بنی،

کتنی کپاس آئی،

کتنی گندم آئی،

اپنی محنت کے ساتھ اس کا توازن قائم کر کے نفع ونقصان کا حساب لگاتا ہے تو جیسے دنیا کی زراعت کا نتیجہ وزن سے ظاہر ہوتا ہے تو ''اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْآخِرَۃِ'' دنیا یہ کھیتی باڑی ہے آخرت کے لیے اس محنت کا نتیجہ بھی آخر کار وزن کے ذریعہ سے ظاہر ہوگا اور معلوم ہوگا کہ آپ نے نیکی کمائی ہے یا نقصان اٹھایا ہے، برائی کتنی کی ہے، نیکی کتنی کی ہے وزن اعمال کے ساتھ وہ نتیجہ سامنے آجائے گا۔

تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر آخر میں وزن اعمال کا تذکرہ کر کے گویا کہ آخرت کی فکر آپ کے اندر پیدا کر دی اور روایت جو بطور دلیل کے ذکر کی ہے اس میں لفظ آ گیا ''ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ'' کہ یہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو بہت محبوب ہیں، زبان پر پڑھنے کے اعتبار سے ہلکے پھلکے ہیں۔

لیکن قیامت کے دن جب ان کو میزان میں رکھا جائے گا تو بہت وزنی ہوں گے جس سے معلوم ہو گیا کہ اقوال کا وزن کیا جائے گا۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہت وزنی ہیں تو جب قول کا وزن ہوگا تو فعل کا بھی ہوگا کیونکہ دونوں کا مسئلہ ایک ہے، کوئی انکار کرے گا تو دونوں کا کرے گا، اقرار کرے گا تو دونوں کا کرے گا۔

اس لیے فعل کے وزن کی دلیل قول کے وزن کی دلیل ہے ،قول کے وزن کی دلیل فعل کے وزن کی دلیل ہے،اور وہ دو کلمے یہی ہیں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ '' گویا کہ ذکر پر، اللہ کی تسبیح اور تحمید پر اس کو ختم کر دیا اور اس کی مناسبت ''ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ'' سے ترجمۃ الباب کے ساتھ واضح ہوگئی۔

آخری حدیث کی کتاب التوحید سے مناسبت:

اور آخری آخری کتاب کتاب التوحید ہے کتاب التوحید کے ساتھ بھی اس کی مناسبت ہے کہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ '' یہ اللہ کی توحید پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

کیونکہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ میں کوئی عیب نہیں ''بِحَمْدِهٖ'' کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ میں ہر خوبی ہے جس میں نقص یا عیب ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا وہ معبود نہیں ہوسکتا،معبود وہ ہوگا جس میں عیب کوئی نہ ہو خوبیاں ساری ہوں نقص کی بات آجائے تو اس میں الوہیت نہیں آسکتی۔

جو محتاج ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا:

دیکھو!ہمارے سامنے قرآن میں بھی صراحت ہے ویسے بھی آپ سنتے ہیں کہ عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ کہا اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کو بھی الٰہ کہا جس کا ذکر قرآن کی آیات میں ہے اللہ نے اسے شرک قرار دے کے اس کی تردید کی اور جہاں ان کی تردید کے دلائل بیان کیے ایک دلیل اتنی صاف ستھری اور اتنی آسان کہ ان پڑھ سے ان پڑھ آدمی بھی سمجھ جائے اللہ ان دونوں کا ذکر کر کے کہتا ہے ''كَانَا يَاكُلَانِ الطَّعَامِ'' (سورۃ المائدۃ/ ۷۵) یہ دونوں تو روٹی کھایا کرتے تھے یہ عیسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تو روٹی کھایا کرتے تھے۔

اب آپ کے نزدیک یہ لفظ معمولی ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ روٹی کھانے والا روٹی حاصل کرنے کے لیے پوری کائنات کا محتاج ہوتا ہے،

- وہ بارش کا محتاج ہے،
- زمین کا محتاج ہے،
- آگ کا محتاج ہے،
- آلات زراعت کا محتاج ہے،
- کھانے کا محتاج ہے،

اور پھر کھانا کھانے کے بعد جو پیٹ میں مروڑ اٹھتا ہے تو جو کچھ کرنا پڑتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

اب ایسا شخص وہ الہٰ کیسے ہوگا اتنے سے لفظ کے ساتھ بھی کتنی شاندار تردید ہوگئی کہ جس میں یہ احتیاج والا نقص موجود ہے وہ خدا کیسے ہوگا کتنی صاف ستھری اور کتنی آسان دلیل ہے اس لیے جس میں نقص آگیا وہ الہٰ نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ توحید پر ایک بھٹیارہ نے پادری کو لاجواب کردیا:

انگریز جب پہلے پہلے ہندوستان میں آئے اور انہوں نے جب مسلمانوں سے سلطنت چھینی تو ایمان چھیننے کی بھی کوشش کی، یہ کوشش ان کی بہت پرانی جاری ہے، عیسائیت پھیلانے کے لیے عیسائی پادریوں کا ایک ریلا آگیا جو جگہ جگہ حکومت کی پشت پناہی کے ساتھ لوگوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک پادری دلی میں تقریر کررہا تھا اور ثابت کررہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، پرانے زمانہ میں پرانے لوگوں کو پتہ ہوگا کہ فٹ پاتھوں پر لوگ بھٹیاں بنا کے چنے بھونتے تھے، یا وہ سستے قسم کے تندور لگا لیتے تھے اور لوگوں کو

سستی روٹی اور دال دیتے تھے، ان کو بھٹیارہ کہا کرتے تھے، ایک دانے بھوننے والا جو تھا وہ اٹھ کے کھڑا ہو گیا کہتا ہے پادری صاحب عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے؟

وہ کہنے لگا ہاں اللہ کے بیٹے تھے، کہا کہ اور بیٹا بھی ہے؟ وہ کہنے لگا بالکل نہیں، یہ اکلوتا بیٹا ہے، کہتا ہے کہ اور ہونے کی توقع ہے، وہ کہنے لگا نہیں، اور ہو بھی نہیں سکتا، صرف عیسیٰ علیہ السلام ہیں وہ کہنے لگا میری شادی کو اتنے سال ہوئے ہیں اور میرے بارہ بیٹے ہیں اور تیرے اللہ نے اتنی مدت میں ایک ہی بنایا ہے۔

کہتے ہیں کہ وہ عیسائی پادری کچھ نہ بول سکا، یہ بات مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو دار العلوم دیوبند کے صدر تھے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں ان کے پاس پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ یہ دلیل اتنی مضبوط ہے کہ پادری کا باپ بھی جواب نہیں دے سکتا۔

لیکن چونکہ ان پڑھ آدمی تھا اس لیے اس کو وہ علمی رنگ نہیں دے سکا ورنہ اس کو علمی رنگ یوں دے لو کہ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اولاد کا ہونا خوبی ہے یا عیب، اگر خوبی ہے تو ساری مخلوق سے زیادہ اللہ کے لیے ہونی چاہئے، اللہ کی اتنی اولاد ہو کہ اس سے زیادہ کسی کی نہ ہو، اور اگر یہ عیب ہے تو ایک ہونا بھی عیب ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ اولاد اگر خوبی ہے تو اس خوبی میں میں تیرے اللہ سے بڑھ گیا اس کا ایک ہے اور میرے بارہ اور اگر عیب ہے تو ایک بھی عیب ہے تو جس کے لیے نقص اور عیب ثابت ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ'' کے اندر ہم یہی کہتے ہیں کہ اللہ میں کوئی عیب نہیں اور ساری خوبیاں اس میں ہیں اور اللہ واحد ذات ہے اس کے لیے کبریائی اور عظمت ثابت ہے اس اعتبار سے یہ کلمات کتاب التوحید کے ساتھ بھی مناسبت رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ توحید بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

بہر حال حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر پر اختتام کر دیا کہ انسان ہونے کے ناطے اگر کوئی کوتاہی ہوگئی تو اللہ معاف فرمادے، آپ بھی اپنی زبان سے ان الفاظ کو پڑھ لیں۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

ماہ صفر کے شرعی احکام

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

بتاریخ: صفر ۱۴۲۵ھ

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَاعَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا صَفَرَ وَلَا ھَامَۃَ (مسلم۲/۲۳۰) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَیْرِ حِسَابٍ ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَسْتَرْقُوْنَ وَلَا یَتَطَیَّرُوْنَ وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اَوْکَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ (مشکوٰۃ۲/۴۵۲)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

حدیث کا ترجمہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''لَا عَدْوٰی'' کہ بیماری کے متعدی ہونے کا خیال ٹھیک نہیں ہے کہ بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے یہ کوئی بات نہیں ہے ''وَلَا طِیَرَةَ'' اور یہ جو شگون لیتے ہیں پرندوں کو اڑا کر کہ فلاں پرندہ یوں اڑ جائے تو یوں ہو جائے گا، یوں آڑ جائے تو یوں ہو جائے گا یہ بھی کوئی شئی نہیں ہے۔

''وَلَا هَامَةَ'' اور یہ جو لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ الو ایک منحوس جانور ہے جہاں آ جائے وہاں بربادی ہوتی ہے اور جہاں الو بولنے لگ جائے وہاں تباہی آ جاتی ہے تو ''لَا هَامَةَ'' اس کا بھی کوئی قصہ نہیں ہے، ''وَلَا صَفَرَ'' اور صفر بھی کچھ نہیں ہے اس سے یہی صفر کا مہینہ مراد ہے جو آپ گزار رہے ہیں۔

صفر کے متعلق جاہلانہ نظریہ:

اصل تو تذکرہ آپ کے سامنے صفر کا ہی کرنا ہے، یہ مہینہ جو آپ گزار رہے ہیں اور اس کے یہ آخری آیام ہیں اور آخری عشرہ ہے، کل جو بدھ آ رہا ہے یہ اس مہینہ کا آخری بدھ ہے اور اس کے بعد جو اگلا بدھ آئے گا وہ ربیع الاول میں ہوگا، یہ بدھ صفر کا آخری بدھ ہے، صفر کے مہینہ کے متعلق جاہلیت میں یہ ایک تصور تھا کہ یہ مہینہ منحوس ہے، منحوس کا معنیٰ ہوا کرتا ہے کہ اسمیں برکت نہیں ہے، بے برکتی ہے نحس کا لفظ عربی میں برکت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، برکت کا معنیٰ ہوتا ہے فائدہ، نفع، یہ چیز میرے لیے بڑی بابرکت ہے یعنی مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچا ہے اور نحس کا معنیٰ ہوا کرتا ہے بے برکتی، یہ وقت میرے لیے بہت بے برکت ہے، فلاں شخص میرے لیے بہت بے برکت ثابت ہوا تو ایسے وقت میں لفظ نحس کا بولا جاتا ہے۔

جیسے آپ اپنی زبان میں منحوس کا لفظ استعمال کرتے ہیں، منحوس کا معنی بے برکت کہ جس میں برکت کوئی نہ ہو، اور اس سے کسی کو فائدہ نہ پہنچے اس کو منحوس کہتے ہیں۔

صفر کے متعلق جاہلیت میں لوگوں کا خیال یہ تھا کہ یہ مہینہ منحوس ہے اس میں مصیبتیں آتی ہیں، اس میں آفتیں آتی ہیں، اور اس میں برکت نہیں ہوتی، اس لیے جاہلیت میں اس مہینہ کو بڑا خطرناک سمجھا جاتا تھا اور منتظر رہتے تھے کہ یہ مہینہ کب ختم ہو تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تردید کی "لا صفر" کہہ کر کہ صفر کے متعلق تم نے یہ جتنے نظریات بنا رکھے ہیں اس کے منحوس ہونے کے متعلق کہ یہ بے برکت ہے، برکت والا نہیں ہے، یہ جاہلیت والی بات ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

کسی مہینہ کی ذات میں نحوست نہیں :

اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے بنائے اور ان بارہ مہینوں میں سے کوئی مہینہ بھی ایسا نہیں کہ جس کو شریعت نے بے برکت کہا ہو، برکت اور بے برکتی اللہ تعالیٰ نے نہ جگہ میں رکھی ہے، نہ وقت میں رکھی ہے، نہ کسی جانور میں رکھی ہے اس کا تعلق کسی اور چیز سے ہے۔

بہر حال یہ تو اجمالی طور پر آپ حضرات کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ صفر کے مہینہ کے متعلق یہ عقیدہ کہ یہ مہینہ منحوس ہے اس میں برکت نہیں، یہ بات غلط ہے، دنوں میں سے کوئی دن منحوس نہیں، مہینوں میں سے کوئی مہینہ منحوس نہیں قرآن کریم میں "فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ" کا لفظ آیا ہے "منحوس دنوں میں" یہ لفظ قرآن کریم میں ہے، ایام کے ساتھ نحسات کا لفظ آیا ہے آپ کو یہ مغالطہ نہ ہو کہ جب ایام کو نحسات کے ساتھ قرآن کریم نے تعبیر کیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دن منحوس تو ہیں۔

نحوست کا تعلق لوگوں کے احوال سے ہے:

تو ایک طالب علمانہ بات ہے آپ کی خدمت میں عرض کر دوں کہ وہ ایام نحسات

کا ذکر آیا ہے قوم عاد کے تذکرے میں قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے آندھی کے ساتھ برباد کیا تھا اور وہ آندھی ان کے اوپر چلی تھی "سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ" سات راتیں اور آٹھ دن سات راتیں اور آٹھ دن وہ آندھی ان کے اوپر مسلط رہی تھی اور اس آندھی میں وہ ساری کی ساری قوم برباد ہوگئی تھی۔

ان دنوں اور راتوں کو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ قوم عاد کے حق میں وہ دن منحوس تھے، بے برکت تھے، قوم عاد کو ان راتوں اور دنوں میں نقصان پہنچا، وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے اس لیے سات راتیں اور آٹھ دن ان کے لیے منحوس ہوئے، جس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ان ایام میں نحوست ہمیشہ کے لیے ثابت ہوگئی۔

کیونکہ اگر ہمیشہ کے لیے ثابت ہو تو پھر کوئی ہفتہ کا دن نہیں بچتا کہ جس کو آپ منحوس نہ کہیں، کیونکہ آٹھ دنوں میں تو سارے دن آگئے۔

اب اگر مثال کے طور پر اتوار سے شروع ہو تو پھر آٹھواں دن اتوار بنتا ہے تو اس میں پورا ہفتہ آگیا، اگر ان کو نحسات سے تعبیر کیا جائے تو پھر بچتا ہی کچھ نہیں سارے دن اور راتیں ہی منحوس ٹھہرتی ہیں۔

لیکن وہاں معنیٰ یہ ہے کہ قوم عاد کے حق میں وہ بے برکت تھے اور قوم عاد چونکہ ان دنوں میں برباد ہوئی اس لیے وہ راتیں اور وہ دن ان کے لیے بے برکت ثابت ہوئے اور جن لوگوں کو ان دنوں میں کوئی فائدہ پہنچا ہے وہ دن ان کے لیے بابرکت ہو جائیں گے۔

یعنی ان کی ذات میں کوئی نحوست نہیں اگر ذات میں نحوست ہوتی تو پھر ہفتہ کا کوئی دن بھی نہیں بچتا سب دنوں کو منحوس کہنا پڑے گا تو قرآن کریم میں اگر یہ لفظ آیا ہے تو اسکی مراد میں نے آپ کو سمجھا دی وہ قوم عاد کی نسبت سے بے برکت تھے وہ قوم عاد کی نسبت سے منحوس تھے۔

یہ نہیں کہ ان دنوں کے اندر اللہ نے نحس ثابت کر دیا اگر ان دنوں کے اندر نحس ثابت ہو جائے تو پھر سارا ہفتہ منحوس ہے، کوئی دن بابرکت ثابت نہیں ہوگا، وہ صرف اس قوم کے اعتبار سے ہے۔

ایسے ہی کسی شخص کے اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں دن اس کے لیے بڑا بے برکت ثابت ہوا کہ اس نے اس دن نقصان اٹھایا، فلاں کے لیے فلاں وقت بہت بابرکت ثابت ہوا کہ اس میں اس کو بہت فائدہ پہنچا، اس طرح نسبت کے ساتھ کہ کسی کے لیے بابرکت ہو، کسی کے لیے بے برکت ہو اس طرح تو ہو جاتا ہے۔

باقی کسی وقت کی ذات کے اندر بے برکتی رکھی گئی ہو اور اس کو منحوس قرار دیا گیا ہو شرعی نقطہ نظر سے یہ بات غلط ہے، کوئی تاریخ، کوئی مہینہ، کوئی دن ایسا نہیں کہ جس کو شریعت نے منحوس قرار دیا ہو، اس صفر کے متعلق یہ نظریہ غلط ہے اور جاہلیت کی پیداوار ہے ہمارے ہاں صفر کے متعلق یہ تو سننے میں نہیں آیا کہ اب بھی لوگ اس مہینہ کو منحوس سمجھتے ہوں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اس مہینہ میں شادیاں بھی کرتے ہیں، اور اس مہینہ میں باقی سارے کاروبار بھی ہوتے رہتے ہیں۔

آج کل یہ بات سننے میں نہیں آئی جاہلیت کے متعلق تو کتابوں میں مذکور ہے، لیکن آج کل یہ بات نہیں ہے کہ لوگ اس مہینہ کو منحوس سمجھتے ہوں اور اس مہینہ میں شادی نہ کرتے ہوں، خوشی کی بات نہ کرتے ہوں، اس مہینہ سے ڈرتے ہوں اور اس مہینہ کے گزرنے کے منتظر رہتے ہوں میرے علم کے مطابق آج کل کسی طبقہ کے اندر یہ بات موجود نہیں ہے، آپ کے علم میں ہو تو کچھ کہہ نہیں سکتا۔

صفر کے متعلق جدید نظریہ:

لیکن ایک اور بدعت اس مہینہ کے اندر لوگ کرتے ہیں اور اس کا پتہ ہمیں تین

چار سال پہلے لگا ہے اس سے پہلے ساری زندگی ہمیں اس کا پتہ نہیں تھا کہ یہ بدعت بھی اس مہینہ میں ہوتی ہے اس لیے ہر سال آخری بدھ کے متعلق میں آپ حضرات کو یاد دہانی کروادیا کرتا ہوں کہ اس قسم کی بات آپ جہاں بھی سنیں اس کی تردید کریں، کل جو آخری بدھ آرہا ہے اس کے متعلق لوگوں کا خیال یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری سے شفا ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کا غسل کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت یاب ہونے کے بعد سیر و سیاحت کی تھی اس لیے اس دن میں سیر و سیاحت کرنا خوشی منانا اور کھانا پینا یہ سنت ہے اور یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق کا تقاضہ ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری بدھ میں تندرست ہوئے تھے، صحت ملی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا، پچھلے سال تو میں نے اخبار میں دیکھا تھا اور اس سال بھی شاید اخبار میں آئے کہ لاہور میں بڑے اہتمام کے ساتھ اس دن کو منایا گیا۔

لوگوں نے باہر راوی کے کنارے پر نکل کے جشن منائے اور کھایا پیا غسل کیا اور نہائے اور وہ یہ سمجھے کہ سنت کا تقاضہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کیا تھا تو ہمیں بھی ایسے کرنا چاہیئے، یہ بات تین چار سال پہلے سنی تھی اور پھر ہر سال یہ بات تذکرے میں آتی رہی اس سے پہلے ہم نے پوری زندگی میں نہیں سنا تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو صحت صفر کے آخری بدھ میں حاصل ہوئی تھی۔

اسلام میں تاریخ کے تعین کی کوئی اہمیت نہیں ہے:

اب اس کی حقیقت کیا ہے؟ پہلی بات تو یہ یاد رکھیے! کہ قرآن و حدیث میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ کے تعین کو کوئی اہمیت نہیں دی اس لیے کسی نبی کے پیدا ہونے کی تاریخ قرآن میں نہیں کہ فلاں نبی فلاں مہینہ کی فلاں تاریخ کو فلاں دن پیدا ہوا تھا کسی نبی کے پیدا ہونے کے متعلق یہ بات نہیں آئی۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں کتب حدیث ہر قسم کے حالات سے بھری پڑی ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا ہو کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی ولادت فلاں مہینہ میں ہوئی تھی فلاں دن میں ہوئی تھی، صحابہ نے بیٹھ کے کبھی آپس میں تذکرہ کیا ہو قرون اولیٰ کے اندر یہ بات موجود نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے پیغمبر گزرے ہیں کسی کے متعلق بیان نہیں فرمایا کہ کونسا نبی کس تاریخ کو کس مہینہ میں پیدا ہوا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ پیدا ہونے کی تاریخ، وفات کی تاریخ اس قسم کی تاریخوں کی، دنوں کے تعین کی شریعت میں کوئی اہمیت نہیں ہے، کوئی کسی دن میں پیدا ہوا ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، کسی مہینہ میں پیدا ہوا ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، کسی مہینہ میں وفات ہوئی ہو کسی تاریخ میں وفات ہوئی ہو کوئی فرق نہیں پڑتا، دنیا کے اندر جس وقت لوگوں میں بدعملی آگئی اور لوگوں نے اپنی اپنی مرضی کے ساتھ اپنے لیے طریقے تجویز کرنا شروع کر دیے تو جو دنیا کے اندر غلط طریقے رائج ہوئے ہیں۔

ان میں تاریخ ولادت تاریخ وفات اور ان چیزوں کی اہمیت اور ان تاریخوں میں خوشی کرنا یا غم کرنا یہ بھی ان بری رسموں میں سے ہیں، جو اس جدید زمانہ کی مبتدعات میں سے ہے، ورنہ پہلے کوئی اہمیت نہیں اس بات کی کہ کون کب پیدا ہوا اور کس مہینہ میں پیدا ہوا، کس تاریخ میں وفات ہوئی اس کی کوئی اہمیت قرآن وحدیث کی نظر میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس تاریخ کو پیدا کر دیا ٹھیک ہے، جس میں وفات ہوگئی ٹھیک ہے اس سے ہمارا کوئی مسئلہ متعلق نہیں ہے، لیکن اس کے بعد جب یہ دور شروع ہو ہی گیا۔

اب تاریخ کے درجہ میں ان چیزوں کا تذکرہ کرنا چاہیے اور جاننے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ لیکن اس دن میں کوئی غم یا خوشی منانا یہ بالکل غلط بات ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے، تاریخ جاننے اور معلوم کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

ربیع الاول میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی اور وفات بھی:

اب جس وقت ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس تاریخ کو ہوئی تھی اور ولادت کس تاریخ کو ہوئی تھی اتنا تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ربیع الاول میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ربیع الاول میں ہے، ربیع الاول مہینہ ایسا ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ہے اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بھی ہے آثار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول کے مہینہ میں یہ دونوں واقعے پیش آئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کے بارے میں اقوال مختلفہ:

لیکن کس تاریخ کو پیش آئے اس پر اہل تاریخ کا بالکل اتفاق نہیں ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کس تاریخ میں ہوئی اس کے بارے میں متعدد اقوال لوگوں نے بیان کیے ہیں، جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق ہے کتب سیرت میں جو کچھ ذکر کیا گیا وہ سارے یوں کہتے ہیں کہ مشہور روایت تو یہ ہے جو لوگوں کی زبان پر ہے کہ آپ کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔

لیکن تحقیق کے درجہ میں کسی صورت میں بارہ ربیع الاول آپ کی ولادت کا دن نہیں بنتا بلکہ آپ کی ولادت یا آٹھ ربیع الاول کو بنتی ہے یا نو کو بنتی ہے راجح قول یہ ذکر کیا گیا ہے۔

بارہ ربیع الاول کا قول راجح نہیں اگر چہ لوگوں میں مشہور ہے اور عام اردو کی کتابوں میں اس کا تذکرہ بھی آجاتا ہے لیکن جہاں تک تحقیق کا تعلق ہے جو محققین ہیں تاریخ میں وہ کہتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کسی حساب سے نہیں بنتی بلکہ آٹھ یا نو یا اس کے آس پاس کوئی دوسری تاریخ بنتی ہے، پانچ چھ قول ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تاریخ کے بارے میں لیکن راجح قول آٹھ یا نو کا ذکر کیا جاتا ہے، بڑی کتابیں جو تحقیق کے انداز میں لکھی گئی ہیں ان کے اندر یہی مذکور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وفات کے متعلق راجح قول:

اور جہاں تک آپ کی وفات کا تعلق ہے تو وفات کے بارے میں بھی ایسے ہی ہے اشہر روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وہ بارہ ربیع الاول ہی ہے، لوگوں کے اندر جو بات چلی ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ بارہ ربیع الاول ہی وفات کا دن ہے۔

لیکن یہاں بھی شارحین حدیث نے بہت ہی بنیادی اور مضبوط دلیل کے ساتھ اختلاف کیا ہے، کیونکہ طالب علموں کا مجمع ہے اس لیے ذرا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں، وہ مضبوط دلیل کیا ہے کہ اتنا تو روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع جو فرمایا ہے تو ذی الحجہ میں یہ ہوتا ہے اس کے بعد محرم، صفر، اور ربیع الاول میں تو وفات ہوگئی۔

اس میں نو ذی الحجہ عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا اس کا ذکر صحیح روایات میں ہے اور وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیع الاول میں سوموار کو ہوئی ہے، یہ سوموار کا دن متعین ہے کہ اس دن وفات ہوئی ہے۔

اب اگر آپ حساب بنائیں کہ ذی الحجہ میں نو تاریخ جمعہ کو تھی اب ذی الحجہ کو بھی تیس کا شمار کرو، آگے محرم کو بھی تیس کا شمار کرو، آگے صفر کو بھی تیس کا شمار کرو اور پھر اس کے بعد دیکھو کہ کیا بارہ ربیع الاول کو پیر آتا ہے؟ اگر اس طرح پیر نہ آئے تو پھر آپ ذی الحج کو بھی انتیس کا شمار کریں، محرم کو بھی انتیس کا شمار کریں، صفر کو بھی انتیس کا شمار کریں، اور پھر دیکھیں کہ بارہ ربیع الاول کو پیر آتا ہے؟

اگر پھر بھی نہ آئے تو ذی الحج محرم صفر میں ایک کو تیس کا رکھیں اور دو کو انتیس کا رکھیں ایک کو انتیس کا رکھیں اور دو کو تیس کا رکھیں جتنی صورتیں عقلاً ممکن ہیں اتنے احتمال لینے کے بعد آپ حساب کریں تو یہ کسی حساب میں بھی بارہ ربیع الاول پیر کو نہیں آتی۔

جبکہ پیر کا دن متعین ہے اس لیے یہ تاریخ بھی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کس تاریخ کو ہوئی اور ولادت کی تاریخ بھی مشتبہ ہے۔

ولادت پر خوشی اور وفات پر سوگ اہل حق کا طریقہ نہیں:

اور اس کی کوئی اہمیت نہیں نہ ہم نے وفات کے دن سوگ منانا ہے اور نہ ہم نے ولادت کے دن خوشی منانی ہے۔

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک اہل حق کا اس پر اجماع رہا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو خوشی کا دن اور وفات کو سوگ کا دن یہ امت نہیں مناتی اہلسنت والجماعت کا یہ مسلک نہیں ہے، نہ ولادت کی خوشی نہ وفات کا غم وہ تاریخ جس میں ولادت ہوئی وہ تاریخ بہت برکت والی تھی وہ گزر گئی وہ دوبارہ لوٹ کے نہیں آئے گی۔

اور جس تاریخ کو وفات ہوئی تھی وہ تاریخ گزر گئی، اب وہ دوبارہ لوٹ کے نہیں آئے گی، اس لیے ہمیشہ کے لیے اس دن کے اندر خوشی قائم ہو جانا یا ہمیشہ کے لیے اس دن کے اندر غمی قائم ہو جانا یہ اسلامی نظریہ نہیں اگر ایسا ہو تو پھر کوئی دن ایسا نہیں بچے گا کہ جس میں کوئی خوشی کا واقعہ پیش نہ آیا ہو یا کوئی غمی کا واقعہ پیش نہ آیا ہو تو ہم اپنی زندگی خوشی اور غمی کے چکر میں ہی گزار دیں باقی آگے کام کیا رہ گیا، کبھی غمی کا تعزیتی جلسہ کر لیں، کبھی خوشی کا میلادی جلسہ کر لیں ساری زندگی اسی میں لگے رہیں۔

ولادت پر خوشی اور وفات پر سوگ نئے دور کی ایجاد ہے:

ان تاریخوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے یہ تو میں اہلسنت والجماعت کا مسلک، اہل حق کا مسلک جو چودہ سو سال سے چلا آرہا ہے وہ آپ کے ذہن میں ڈال رہا ہوں کہ نہ میلاد کی تاریخ کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وفات کی تاریخ کی کوئی اہمیت ہے اس میں جو کام کیے جا رہے ہیں یہ سب نئے دور کی ایجاد ہے۔

- تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم،
- فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم،
- محدثین امت رحمۃ اللہ علیہم،
- اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم،

جو پہلے دور سے چلے آرہے ہیں ان کے معمولات میں یہ بات نہیں ہے کہ کسی تاریخ میں خوشی کی جائے اور کسی تاریخ میں سوگ منایا جائے، اسی لیے ہم دس محرم کو بھی سوگ نہیں مناتے، اہل بیت کی شہادت پر بھی ہم سوگ نہیں مناتے، اہل بدر کی شہادت پر ہم سوگ نہیں مناتے، اہل احد کی شہادت پر ہم سوگ نہیں مناتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی ابتداء صفر کے آخری بدھ کو ہوئی:

تو یہ کوئی طریقہ نہیں ہے لیکن لوگوں نے جب اس بات کو بنالیا ہے کہ بارہ ربیع الاول وفات کی تاریخ ہے تو اس کے ساتھ یہ بات لازمی میں آپ کی خدمت میں عرض کردوں تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، حدیث میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات شروع ہوئی تھی جس کے نتیجہ میں آپ کی وفات ہوئی ہے یہ صفر کے آخری عشرہ میں آخری دنوں میں اور بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری بدھ کو اس مرض کی ابتداء ہوئی تھی، جس مرض کے نتیجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے۔

اب حقیقت دیکھو کیا ہے؟ صفر کے مہینہ کے آخر میں مرض کی ابتداء یوں ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے تھے کسی کے دفن کا سلسلہ تھا یا ویسے ہی اہل قبور کے پاس آپ جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ پڑھ کے ایصال ثواب کیا کرتے تھے تو جس وقت آپ واپس تشریف لائے تو آپ کے سر میں درد شروع ہوا

اور وہ درد شدت اختیار کر کے بخار کی شکل اختیار کر گیا اور اسی بیماری نے طول پکڑا اور اسی بیماری کے نتیجہ میں چند دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، دو ہفتے آپ بیمار رہے چودہ یا پندرہ دن۔

زمانہ الٹی چال چل گیا:

بہر حال صفر کا آخری بدھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کی ابتداء کا دن ہے نہ کہ غسل صحت کا، یہ ایسا الٹا فلسفہ یہودیوں نے دماغ کے اندر ڈالا ہے کہ مسلمانوں کے دین کو مذاق بنا کے رکھ دیا ہے، وہی وفات کی تاریخ وہی ولادت کی تاریخ، وفات یاد نہیں اور ولادت کی خوشی منائی جا رہی ہے اور ادھر صفر کے آخری ہفتہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کی ابتداء ہوتی ہے جس پر یہودی خوشی منائیں تو منائیں اور ہوسکتا ہے کہ اس دور میں یہودیوں نے خوشی منائی ہو۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے، صاحب فراش ہوئے، چلنا پھرنا بند ہوگیا حتیٰ کہ مسجد میں آنا بند ہوگیا، مسجد میں آ کے آپ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، آخری دنوں میں سہارا لے کے تشریف لائے تھے اور آ کے ایک نماز پڑھی تھی، ورنہ مسجد میں آنا بھی بند ہوگیا تھا اس وقت اگر کافر اور مشرک خوشی مناتے تو مناتے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر اب آثار ایسے آ گئے کہ آپ اب دنیا سے پردہ فرمانے والے ہیں۔

لیکن اہل ایمان کے لیے اس میں کونسی خوشی کی بات ہے کہ اہل ایمان خوشی منائیں کہ صفر کا آخری ہفتہ یہ بھی چوری کھانے کا ہے، یہ آج ہی مجھے پتہ چلا ہے کہ اس دن خاص طور پر بعض علاقوں میں لوگ چوری کھاتے ہیں، اور یہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ بعض مجنوں چوری کھانے والے ہوتے ہیں اور بعض مجنوں جان دینے والے ہوتے ہیں، یہ چوری کھانے کا محاورہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا میں جو بار بار کہہ رہا ہوں ان تاریخوں کی ہمارے ہاں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

لیکن جو لوگ اس خیال سے کہ اس دن حضور ﷺ کا غسل صحت ہے اور آپ نے صحت حاصل کی تھی جس کی بناء پر وہ خوشیاں مناتے ہیں غسل کرتے ہیں، سیر وسیاحت کرتے ہیں، میں ان کی ناواقفیت کو ظاہر کر رہا ہوں اور ان کی جہالت کو دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ نادانو! یہ حضور ﷺ کے غسل صحت کا دن نہیں یہ سرور کائنات ﷺ کے صاحب فراش ہونے کا دن ہے، حضور ﷺ اس دن میں بیمار ہوئے تھے، اور آپ کی بیماری کی ابتداء ہوئی تھی اور اسی بیماری کے نتیجہ میں چند دن کے بعد آپ کی وفات ہوئی ہے۔

تو جو بیماری کی ابتداء کا دن تھا یہودی فلسفہ نے وہی جاہل مسلمانوں کے اندر خوشی کا دن بنا دیا، جس میں خوشی اگر کرتے تو

- یہودی کرتے،
- عیسائی کرتے،
- مشرک کرتے،
- کافر قوتیں کرتیں،

لیکن مؤمن کے لیے کونسی خوشی ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی مرض وفات شروع اس دن ہو رہی ہے اور یہ خوشیاں منا رہے ہیں اور چوریاں کھا رہے ہیں اس لیے میں آپ کے ذہن میں یہ بات ڈالنا چاہتا ہوں کہ جہاں تک آپ اس بات کو پہنچا سکیں، اپنے گھروں میں، اردگرد یہ بات ذہن میں ڈال کے رکھیں کہ صفر کا آخری بدھ یہ کوئی خوشی منانے کا بدھ نہیں ہے اور یہ جاہلیت والی بات ہے۔

اصل حضور ﷺ کی مرض وفات کی ابتداء اس تاریخ میں ہوئی تھی اگر تاریخ کو کوئی اہمیت دینی ہے تو مسلمان کے لیے افسوس کا مقام ہے، خوشی منانے اور چوریاں کھانے کا مقام نہیں ہے۔

اس لیے اس رسم سے بچنے کی کوشش کریں، خصوصیت کے ساتھ چونکہ کل صفر کا آخری بدھ ہے اس لیے میں نے "لا صفر" کا لفظ لے کر اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے، جیسا کہ موقع بموقع بعض دنوں کے متعلق جیسے لوگوں نے جاہلی نظریات قائم کر لیے ہیں ان کی تردید کر کے ہم آپ کو بتایا کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں، صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل میں، محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے تعامل میں، فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کے عمل میں، ان اعمال کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں ہے۔

یہ موقع بموقع ہم آپ کے سامنے ظاہر کرتے رہتے ہیں اس لیے آج کی تاریخ کے متعلق بھی میں نے واضح طور پر آپ کو بتا دیا کہ اہل حق کے ہاں اس تاریخ کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اور یہ غسل صحت والی بات بالکل جاہلانہ بات ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں ہے، یہ بات تو تھی جو میں نے "لا صفر" کے متعلق آپ کے سامنے کر دی باقی چونکہ روایت پوری پڑھ دی تھی تو باقی دو چیزوں کے متعلق بھی عرض کر دوں۔

بیماری کے متعلق جاہلانہ نظریہ اور اس کی تردید:

اس روایت میں پہلا لفظ تھا "لا عدویٰ" بیماریوں کا پھیلنا، ایک سے دوسرے کو لگنا جس کو یہ کہتے ہیں کہ مرض متعدی ہے جاہلیت میں اس میں بھی بہت غلو تھا کہ فلاں بیماری ایسی ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی چلا جائے تو وہ بھی بیمار ہو جائے گا۔

فرمایا کوئی بات نہیں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے ہوتا ہے بیماری میں قطعاً یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ایک سے اڑ کے دوسرے کو لگ جائے اس نظریہ کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی آدمی بیمار ہوتا تو اس کے پاس کوئی نہیں جاتا تھا، اس کی خدمت کوئی نہیں کرتا تھا کہ کہیں مجھے یہ بیماری نہ لگ جائے اس لیے اسلام نے یہ سبق دیا کہ بیماری کوئی نہیں لگا کرتی، بیمار کی

خدمت کرو، اس کے پاس بیٹھو، اس کی دلجوئی کرو، مسلمان کا جھوٹا باعث شفا ہے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔

اس جاہلیت جدیدہ کے اندر بھی اس نظریہ کو قبول کرلیا گیا کہ مرض ایک سے دوسرے کو لگتی ہے، لہذا جس کو نزلہ ہو اس کا گلاس استعمال نہیں کریں گے، جس کو نزلہ زکام ہو اس کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں گے نہیں اس طرح یہ نظریہ جدید تہذیب نے بھی دیا ہے، اسلام اس کا بالکل قائل نہیں ہے۔

اللہ پر بھروسہ رکھو اگر آپ نے بیمار ہونا ہے تو کوئی بھی آپ کے اردگرد بیمار نہیں ہوگا، آپ بیمار ہو جائیں گے اور اگر آپ کی قسمت میں بیماری نہیں ہے تو سارے بیمار ہو جائیں آپ پھر بھی تندرست رہ سکتے ہیں۔

اونٹوں کے بیمار ہونے پر اشکال اور جواب:

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کیا تھا کہ مرض ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی تو ایک آدمی نے اشکال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ یا رسول اللہ! آپ کہتے ہیں کہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی ہم تو دیکھتے ہیں کہ جنگل کے اندر اونٹ چرتے پھرتے ہیں، ہرنیوں کی طرح اچھلتے کودتے ہیں، بالکل تندرست ہیں ’’فَيَاتِيهَا الْبَعِيرُ الْاَ جْرَبُ فَتَجْرَبُ‘‘ ایک اونٹ آجاتا ہے جس کو خارش ہو، اور وہ ایک خارشی اونٹ آکر اس ریوڑ میں شامل ہوتا ہے تو باقیوں کو بھی خارش ہو جاتی ہے۔

آپ کیسے کہتے ہیں کہ بیماری نہیں لگتی، ایک بدوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے اس مسئلے پہ یہ اشکال کیا تھا کہ آپ کہتے ہیں کہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی، ہم تو دیکھتے ہیں کہ سارے اونٹ تندرست ہوتے ہیں، ایک بیمار آتا ہے اور اس کو خارش ہوئی ہوتی ہے، تو باقی اونٹوں کو بھی ہو جاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا ''فَمَنْ اَعْدیٰ الْاَوَّلَ'' (بخاری ۲/ص ۸۵۹) کہ یہ بتا کہ پہلے کو کہاں سے لگی تھی؟ پہلے اونٹ پر بیماری کس نے پہنچائی تھی؟ پہلے اونٹ کو خارشی کس نے بنایا تھا؟ وہ تو کسی خارشی اونٹ کے پاس نہیں گیا تھا تو اگر اللہ کی جانب سے اس میں خارش پیدا ہوگئی تو مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ باقی اونٹوں میں جیسے یہ بیمار ہوا ویسے ہی یہ بیمار ہو گئے اس کی بیماری دوسرے اونٹ کو لگ گئی یہ نظریہ درست نہیں یہ توہمات میں شامل ہے۔

تعدی والا نظریہ مایوسی کی طرف لے جاتا ہے:

''لا عدویٰ'' کے اندر اس بات کی تردید کی گئی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی سمجھے کہ بیماری ایک سے دوسرے کو نہیں لگتی تو بیمار کے پاس بیٹھنے میں، بیمار کی خدمت کرنے میں، بیمار کا جھوٹا کھانے پینے میں اور اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں، آپ کوئی کسی قسم کا حرج محسوس نہیں کریں گے، اس سے بیمار کی دل جوئی ہوگی۔

اس کے دل کو قوت پہنچے گی اور تعدی والا نظریہ جو ہے وہ مریض کو مایوس کر دیتا ہے، دل توڑ دیتا ہے، جب وہ دیکھے گا کہ دیکھو یہ میرے بھائی ہیں قریب نہیں آتے، میری بہن ہے میرے قریب نہیں آتی، میری بیوی ہے میرے قریب نہیں آتی، مجھ سے ڈرتی ہے کہ یہ بیماری مجھ کو نہ لگ جائے اس سے بیمار کا دل ٹوٹتا ہے اور اس کے اوپر احساس پیدا ہوتا ہے، جس سے وہ مرض کا مقابلہ کرنے میں کمزور ہو جاتا ہے اس لیے یہ پرواہ نہ کیا کرو، ہم تو نزلے والے ساتھیوں کے ساتھ، اور زکام والے ساتھیوں کے ساتھ، کھانسی والے ساتھیوں کے ساتھ، اکٹھے کھاتے بھی ہیں پیتے بھی ہیں، اللہ کا شکر ہے ان پرہیز کرنے والوں سے زیادہ تندرست ہیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

ہم اس بات کا کبھی پرہیز نہیں کرتے کہ اس کو زکام ہے اس کا جھوٹا نہیں

کھائیں گے، اس کو نزلہ ہے ہم اسکا جھوٹا نہیں کھائیں گے، ہم اس کے گلاس میں پانی نہیں پیئیں گے، ہم کوئی احتیاط نہیں کرتے اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم وہموں میں مبتلا ہونے والوں کے مقابلہ میں الحمدللہ زیادہ تندرست ہیں اس لیے اس عقیدے کو ٹھیک کرلو'' لاعدویٰ'' کا تو یہ معنیٰ ہے۔

پرندوں کے متعلق جاہلانہ نظریہ اور اس کی تردید:

''وَلَا طِیَرَةَ'' یہ جاہلیت میں تھا پرندوں سے فال لیا کرتے تھے جس طرح ہمارے ہاں بھی بعض جاہلوں میں مشہور ہے کہ اگر کسی کی دیوار پر کوّا بولنے لگ جائے تو کہتے ہیں کہ آج مہمان آئے گا یہ عام طور پر مشہور ہے، کوّا بولے تو کہتے ہیں مہمان آئے گا۔

یہ وہی جاہلوں والی بات ہے کہ وہ پرندوں سے نتیجہ اخذ کیا کرتے تھے کہ اگر فلاں قسم کا پرندہ سامنے آگیا تو یوں ہو جائے گا، گھر سے نکلے کالا کتا سامنے آگیا تو دن منحوس ہو گیا کوئی کام نہیں ہوگا، پرندہ دائیں طرف سے بائیں طرف کو اڑ گیا تو واپس آجاتے تھے کہ آج کام نہیں ہوگا۔

اس قسم کے وہم میں مشرک مبتلا تھے، یہ مشرکانہ توہمات ہیں، ہمارے لیے ان پرندوں کی کوئی اہمیت نہیں کوئی بولتے رہیں چیختے رہیں، جو کچھ بھی ہوگا اللہ کی جانب سے ہوگا نہ کوؤں کے بولنے سے کچھ ہوتا ہے، نہ چیلوں کے چیخنے سے کچھ ہوتا ہے، اور کوئی جانور ہمارے آگے سے دائیں بھاگ جائے، بائیں بھاگ جائے، کالا کتا آجائے، کالا بلا آجائے، کالا انسان آجائے، ہم اس کو دیکھ کر نہیں سمجھتے کہ اس کی وجہ سے کوئی کام پر اثر پڑتا ہے یہ سارے کے سارے توہمات ہیں ان توہمات کو اپنے دل سے نکالو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کی توحید کو اختیار کرو، جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے نہ کسی کے بولنے سے ہوتا ہے اور نہ کسی دوسری چیز سے ہوتا ہے، ''لا طیرۃ'' کے اندر یہ عقیدہ

بتادیا گیا، یہ مشرکانہ توہمات دماغ سے نکال دیے گئے کہ پرندوں کے متعلق ایسے تصور نہ کیا کرو کہ اگر یوں ہوگا تو یوں ہو جائے گا۔

خاص طور پر مجھے یہ معلوم ہے کہ کوے کے متعلق تو عام مشہور ہے کہ کوا آ کر بولتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ آج مہمان آئے گا یہ جاہلانہ بات ہے، مشرکوں کے اندر یہ نظریے چلتے تھے، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کی تردید کردی کہ یہ کوئی چیز نہیں ہیں۔

الو کے متعلق جاہلانہ نظریہ اور اس کی تردید:

اور اسی طرح "لاھامۃ" ہے اس کا معنی دو طرح سے کیا گیا ہے یا تو ھام سے الو مراد ہے جانور، جو رات کو دیکھتا ہے اس کو دن کو نظر نہیں آتا، عام مشہور تھا کہ جہاں الو آ کے بیٹھنے لگ جائے وہاں اجاڑ ہو جاتا ہے۔ جہاں الو بولنے لگ جائے وہاں بربادی آجاتی ہے، فلاں جگہ الو بول رہے ہیں، یہ اردو میں محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کوئی بات نہیں ہے، الو کے بولنے سے کوئی بربادی نہیں آتی، یہ بھی ایک جاہلانہ خیال ہے اس کو عقل اور دماغ سے نکال دو، الو کوئی منحوس جانور نہیں ہے، جس طرح باقی جانور ہیں اسی طرح وہ ہے اس لئے یہ عقیدہ بھی غلط ہے کہ جہاں الو آ کے بیٹھے اور جہاں الو آ کے بولنے لگ جائے وہاں اجاڑ پیدا ہو جاتا ہے، یہ بات بھی غلط ہے اس کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا۔

اور آگے "لاصفر" ہے جس کی وضاحت میں نے آپ کے سامنے کردی کہ صفر کے متعلق جو جاہلانہ نظریات تھے وہ بھی سارے کے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم فرمادیے۔

مقتول کے متعلق جاہلانہ نظریہ اور اس کی تردید:

ایک تو ہامہ سے الو مراد لیا اور بعض نے ہامہ سے ہام کی میم کی شد پڑھ کے ھامہ سے کھوپڑی مراد لی ہے "لاھامۃ" یہ بھی جاہلیت کا عقیدہ تھا، اگر کسی شخص کو کسی شخص نے ظلماً

قتل کردیا وہ کہتے تھے کہ اس مقتول کی کھوپڑی میں سے ایک جانور نکلتا ہے ایک جانور پیدا ہوتا ہے، وہ ہائے پیاس ہائے پیاس کرتا رہتا ہے جب تک اس کے خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے اس کی پیاس نہیں بجھتی اور یہ نظریہ تھا، جس سے جاہلیت میں خون ریزی حد سے بڑھی ہوئی تھی کہ اگر کسی کے باپ کو کسی نے قتل کردیا تو بیٹے سمجھتے تھے جب تک ہم قتل کا بدلہ نہیں لیں گے ہمارے باپ کی روح کی پیاس نہیں بجھے گی۔

اور اگر کسی کا بیٹا قتل ہوگیا تو باپ کہتا کہ جب تک میں اپنے بیٹے کا بدلہ نہ لے لوں تو میرے بیٹے کی پیاس نہیں بجھے گی، بھائی کہتا تھا جب تک میں اپنے بھائی کے قتل کا بدلہ نہ لے لوں تو میرے بھائی کی پیاس نہیں بجھے گی، اس نظریے کے ساتھ وہ خون ریزی کے اوپر آمادہ ہوتے تھے، کہ ایک قتل کے بعد وہ لازماً سمجھتے تھے کہ دوسرے کو قتل کرنا چاہیے ورنہ ان کی روح پیاسی رہے گی، پیاس نہیں بجھے گی، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظریے کی بھی تردید کردی کہ یہ کوئی بات نہیں ہے کہ کھوپڑی میں سے کوئی جانور نکلتا ہے وہ ہائے پیاس ہائے پیاس کرتا رہتا تھا، جب تک اس کو خون نہ پلاؤ دوسرے کا خون نہ بہاؤ اس کی پیاس نہیں بجھتی یہ نظریہ بھی غلط ہے، یہ جاہلیت کی رسمیں تھیں، ان کی تردید کی ہے اور ہمارے اندر اس قسم کا کوئی خیال بھی ہو تو اس سے توبہ کرنی چاہیے، اللہ نے ہمیں توکل کا سبق دیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرو جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے ہوتا ہے یہ جاہلی خیالات اور یہ توہمات یہ مشرکانہ باتیں ہیں ان سے مسلمان کا دماغ خالی ہونا چاہیے۔

سوال آپ کہتے ہیں کہ الو منحوس نہیں ہے لیکن شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو منحوس کہا ہے؟

جواب یہ مجھے نہیں معلوم، اگر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے تو یہ بات صحیح نہیں حدیث میں جو آگیا وہ صحیح ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے بزرگ ہیں لیکن اگر ان کی بات قرآن وحدیث کے خلاف ثابت ہوجائے تو ہم قرآن وحدیث کی بات لیں گے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ہوسکتا ہے دنیا کے اس محاورے سے متاثر ہوکر کہیں اس کا ذکر کردیا ہو، اصل بات وہی ہے جو حدیث میں آگئی۔

سوال دوکان دار کہتے ہیں کہ ہم نے آزمایا ہے کہ جب ایک گاہک صبح ادھار لے جائے تو پھر سارا دن ادھار چلتا ہے؟

جواب یہ وہی جاہلانہ تصور ہے جب آپ دل میں خیال باندھ لیں تو اس کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، یہ جاہلی بات ہے، ادھار دینا جس وقت اعتماد کے ساتھ دیں، بات سمجھ لیجئے قرض دینا یا ادھار دینا یہ صدقہ کے مقابلے میں زیادہ باعث ثواب ہے بشرطیکہ آپ کو اعتماد ہو کہ یہ واپس آجائے گا، اگر یہ ڈر ہو کہ واپس نہیں آئے گا تو ادھار نہ دیں ورنہ یہ قرض ہے دوسرے کے ذمہ اور قرض جو ہے یہ صدقہ کے مقابلے میں زیادہ ثواب کا باعث ہے اور جو کام باعث ثواب ہو وہ منحوس نہیں ہو سکتا، اس عقیدہ کو ٹھیک کر لیجیے یہ ادھار دینا ایک محتاج کے ساتھ تعاون ہے، ادھار وہی شخص لیتا ہے جس کے پاس پیسے نہ ہوں، وہ گویا کہ محتاج ہو گیا اور آپ نے ادھار دے کر اس کی ضرورت کو پورا کر دیا تو محتاج کے ساتھ تعاون کرنا باعث برکت ہے بلکہ اس پر تو اللہ کی رحمت آئے گی، آپ اس کو کیسے کہتے ہیں کہ یہ منحوس ہے اس نظریہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کسی کو صبح صبح ادھار دیں گے نہیں چاہے وہ کتنا ہی ضرورت مند کیوں نہ ہو اس لیے یہ جاہلی بات ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

سوال آپ نے فرمایا ہے کہ بیمار کی وجہ سے بیماری نہیں آتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کیوں روکا کہ جس بستی میں بیماری پھیل گئی ہو آدمی کو وہاں نہیں جانا چاہیئے اس سے کیا مراد ہے؟

جواب جہاں بیماری پھیلی ہوئی ہو وہاں جانا یہ ''جرأة علی عذاب الله'' ہے اس لیے وہاں جانا نہیں چاہیئے ہاں البتہ وہاں کوئی موجود ہے اور وہاں بیماری پھیل جائے تو وہاں سے نکلنا نہیں چاہیئے، نکلنے کی جو ممانعت ہے وہ بتاتی ہے وہاں رہنے سے بیمار نہیں ہوگا انسان بیمار وہی ہوگا جس کے لئے اللہ کی جانب سے مقدر ہے۔

کسی جگہ سیلاب آ گیا اور کسی جگہ گڑ بڑ ہو گئی تو آپ کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے آپ چھلانگیں لگاتے پھریں اور آپ وہاں ضرور جائیں، یہ ظاہری اسباب کے لحاظ سے

آپ اپنا تحفظ کریں، ہاں البتہ آپ کہیں موجود تھے اور وہاں بیماری پھیل گئی پھر اس نظریہ سے نکلنا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں تو میں تندرست رہ جاؤں گا، اور اگر میں یہاں رہا تو بیماری کی وجہ سے بیمار ہو جاؤں گا، اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور جو اس ڈر کے مارے اس جگہ سے بھاگے کہ اگر میں یہاں رہ گیا تو بیمار ہو جاؤں گا اور میں چلا جاؤں گا تو تندرست رہ جاؤں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہاد سے بھاگنے کے برابر قرار دیا ہے کہ جیسے کوئی جہاد سے بھاگ جائے اس کے لئے ایسے ہی گناہ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین
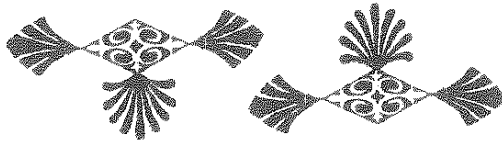
مروجہ میلاد کی شرعی حیثیت

بموقع: ہفتہ وار اصلاحی پروگرام

بتاریخ: ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

بمقام: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا

خطبہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ (ترمذی ۲/۹۶، مشکوٰۃ ۱/۳۰)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاكِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

تمہید:

جس طرح محرم الحرام عربی مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے اور اس کے کچھ فضائل احادیث سے ثابت ہیں، اور کچھ احکام ہیں، اور کچھ لوگوں نے اس میں بدعات بہت کثرت سے رائج کرلیں تو وقت آنے پر آپ حضرات کو یاد دہانی کروائی جاتی ہے کہ اہل حق، اہل سنت والجماعت کا نظریہ محرم کے بارے میں کیا ہے، اس کو گزارنے اور ادا کرنے کا سنت کے مطابق کیا طریقہ ہے اور اس میں غلط رسمیں، غلط طریقے، اور بدعات جاہلوں نے جس قسم کی رائج کر رکھی ہیں اس سے بچنا اہل سنت والجماعت کے افراد کے لئے ضروری ہے تو وقت پر آپ کو اسکی یاد دہانی کروانے کے لئے اس سلسلہ میں ہم سادے سادے الفاظ میں آپ کو بات سمجھاتے ہیں۔

حق اور باطل میں امتیاز طلباء کے فرائض میں سے ہے:

سادے سادے الفاظ میں میں نے اس لئے کہا کہ آج کل دو قسم کی تقریریں ہیں، ایک تقریر ہوتی ہے بہت جوش و خروش کے ساتھ، وہ آپ حضرات کے جذبات بھڑکانے کے لئے، دلوں کو گرمانے کے لئے، جوش دلانے کے لئے وہ بھی اپنی جگہ اہم ہیں، اس کا انکار نہیں اس سے عوام زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان کی ذہنی تربیت ہوتی ہے، آپ حضرات تو اہل علم ہیں، آپ کو مسئلہ سمجھنے کی ضرورت ہے علمی انداز میں تاکہ آپ کے سامنے صراط مستقیم، سیدھی راہ متعین ہو جائے، اور آپ بھی سیدھی راہ پر رہیں اور دوسروں کو بھی سیدھی راہ پر چلانے کی کوشش کریں۔

علمی طور پر حق اور باطل میں امتیاز، غلط اور صحیح کو پہچاننا یہ آپ حضرات کے فرائض میں شامل ہے، کل کو آپ نے قوم کے سامنے جانا ہے تو آپ نے اگر حق کو سمجھا ہوا ہوگا تو آپ لوگوں کو متاثر کریں گے، اس طرح حق آگے بڑھتا رہے گا، پھیلتا رہے گا،

سنت تروتازہ رہے گی، بدعات کا راستہ رکتا رہے گا، ورنہ جیسے جیسے جہالت پھیلتی ہے تو اس جہالت کی تاریکی میں بدعات عام ہوتی چلی جاتی ہیں اور لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہوتا، وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم کوئی ثواب کا کام کررہے ہیں اور حقیقت کے اعتبار سے وہ اپنی آخرت کو برباد کررہے ہوتے ہیں۔

اس لئے آپ کو مسئلہ سمجھنے کے لئے یہ سادی سادی تقریریں توجہ کے ساتھ سننی چاہییں، ان کے ساتھ آپ کے ذہن میں مسئلہ اتارا جاتا ہے، جوش وخروش دکھانا مقصود نہیں ہوتا، اور ایک بوڑھا اور مریض آدمی آپ کو جوش وخروش دکھا بھی کیا سکتا ہے؟ وہ سادے سادے الفاظ میں اپنے تجربہ کے ساتھ کوئی بات تو بتا سکتا ہے، جوش نہیں دلا سکتا، اس لئے آپ ذرا مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

اور پھر دوسرے نمبر پر صفر کا مہینہ آیا تھا تو صفر کے مہینہ میں بھی لوگوں نے بہت ساری غلط باتیں شامل کرلیں اور اس کے متعلق بھی حدیث شریف میں کچھ ہدایات موجود ہیں، آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ پچھلے صفر کے مہینہ میں بھی میں نے آپ کے سامنے اسی طرح کچھ وضاحت کی تھی کہ اس مہینہ کی کیا حیثیت ہے؟ اور شرعی طور پر اس مہینہ کا کیا مقام ہے؟ اور لوگوں نے اس بارے میں کیا غلط نظریات قائم کر رکھے ہیں؟ پچھلے مہینہ میں اس کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی گئی تھی، اب آگے یہ تیسرا مہینہ آگیا ربیع الاول کا، ربیع الاول کے مہینہ کو بھی عملی طور پر لوگوں میں بہت اہمیت حاصل ہوگئی، اب ضروری ہے کہ اس کے متعلق بھی ہم اپنے اکابر کا، اہل حق کا، اہل سنت والجماعت کا طریق کار کیا ہے؟ اس کی ہم آپ کے سامنے وضاحت کریں تاکہ ناواقفیت کے ساتھ آپ بھی کوئی غلط طرزِ عمل اختیار نہ کرلیں بات کو آپ صحیح سمجھیں اور صحیح سمجھنے کے بعد یہ تین چار سو آدمی جب بات کو آگے جا کے ذکر کرے گا تو اس طرح حق کی بقاء، حق کی وضاحت اور اچھا عمل اختیار کرنے والوں کے لئے ایک روشنی موجود رہتی ہے اور جہالت جو ہے سب کو گمراہ کرنے کا باعث نہیں بنتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت اور جدید تحقیق:

اس میں کوئی شبہ نہیں تقریباً تاریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اس دنیا میں آپ کا ظہور ماں کے بطن سے ربیع الاول میں ہوا ہے، اس پر تقریباً اتفاق ہے لیکن ربیع الاول کی کونسی تاریخ میں ہوا اس کے بارے میں پہلے عام طور پر کتابوں میں بارہ تاریخ کا تذکرہ آتا تھا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بارہ تاریخ کو ہوئی ہے، اگرچہ کچھ اختلاف بھی ذکر ہوتا تھا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نشر الطیب'' سیرت کے بارے میں بہت پیاری کتاب ہے اس کے اندر بھی انہوں نے یہی بارہ ربیع الاول والی روایت کو ذکر کیا ہے، اور کتابوں میں بھی یہی ہے۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس وقت حساب وکتاب بہت عروج پر ہے، حساب وکتاب کے قواعد وضوابط بہت مضبوط ہو گئے، اور تقریباً پچھلے پانچ ہزار سال کی تاریخ تک یہ حساب وکتاب جو ہے میری نظر سے گزرا ہے کہ پانچ ہزار سال تک کی تاریخیں ت ومنضبط کرلی ہیں اہل حساب نے کہ فلاں واقعہ انگریزی کی کس تاریخ کو پیش آیا اور عربی کی کس تاریخ کو پیش آیا، انگریزی تاریخ میں چاند کی تاریخ کیا تھی، اس کو بہت اچھے طریقے سے قواعد وضوابط کے ساتھ منضبط کرلیا ہے انہی قواعد وضوابط کے اعتبار سے جو اب جدید تحقیق ہے اس جدید تحقیق میں اس بات کو بنیاد بنا کر کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں ہے اور پیر کا دن ہے، بات بالترتیب یاد رکھنا دن کونسا ہے؟ پیر کا اس کا ذکر حدیث شریف میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پیر کے دن ہوئی ہے (مسلم/۱، ۳۶۸/ابوداود، ۲/۳۲۹)

بعض روایات میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گاہے بگاہے پیر کے دن روزہ رکھتے تھے، دائمی عادت نہیں تھی، اور فرماتے تھے کہ اس دن چونکہ میں پیدا ہوا ہوں اس لئے

اللہ کے شکر کے طور پر میں روزہ رکھتا ہوں، بعض روایات میں اس قسم کے اشارے موجود ہیں، تلاش کرنے سے حدیث کی کتابوں میں مل سکتے ہیں، اگرچہ دائمی عادت نہیں تھی بلکہ صحیح روایات میں مشکوٰۃ شریف میں روایات موجود ہیں نفلی روزوں کے بارے میں کہ کسی مہینے میں ہفتہ، اتوار، سوموار، روزہ رکھتے تھے، کسی مہینے آپ منگل، بدھ، جمعرات، کا روزہ رکھتے تھے تاکہ ہفتے کے سارے دن روزے میں آجائیں، آپ کی عادت مختلف تھی پیر کے دن کا بہرحال تذکرہ ہے۔

جیسے وفات پیر کو ہوئی ہے ولادت بھی پیر کو ہوئی ہے، اب ماقبل کی طرف پیر کے دن سے آگے جو وقت گزرا ہے آج تک وہ بنتا ہے تقریباً ۱۴۲۵ سال تو حضور ﷺ کی ہجرت کے ہو گئے اور آپ نے ہجرت کی تھی ۵۳ سال کی عمر میں تو پچیس میں ترپن اور ڈال دیں تو یہ ہوجائیں گے تقریباً ۱۴۷۸ چودہ سو اٹھتر سال گویا کہ چودہ سو اٹھتر سال پہلے حضور ﷺ پیدا ہوئے ہیں، حضور ﷺ پیدا ہوئے ہیں سوموار کے دن، پیدا ہوئے ہیں ربیع الاول کے مہینے میں اب حساب دان حساب لگاتے ہیں، تو تقریباً تقریباً اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ ربیع الاول کا مہینہ ہو اور سوموار کا دن ہو، تو چودہ سو اٹھتر سال پہلے ربیع الاول اور اپریل دونوں مہینے اکٹھے تھے، تو حضور ﷺ کی ولادت اپریل میں ہوئی ہے ایک کتاب میں غالباً رحمت للعالمین میں بیس اپریل لکھا ہے، اور ایک میں شاید سیرت النبی جو علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے اس میں غالباً بائیس اپریل ہے، تو لکھنے میں ایک آدھی تاریخ کا فرق ہوسکتا ہے بہرحال اس بات پر اتفاق ہے کہ اپریل کا مہینہ تھا، اب وہ سارے حساب لگاتے ہیں کہ ربیع الاول ہو اور پیر کا دن ہو بارہ تاریخ کسی حساب سے نہیں آتی، بارہ ربیع الاول سوموار کے دن یہ تاریخ نہیں آتی، تو بات آپ کی سمجھ میں آرہی ہے۔

سلمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحمت للعالمین میں بھی پوری تفصیل کے ساتھ یہ بحث آئی ہے، اور علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت النبی کے اندر بھی پوری تفصیل کے ساتھ

یہ بحث ہے، حوالوں کے ساتھ، دونوں کتابوں کو آپ دیکھیں گے تو آپ کے سامنے تفصیل آجائے گی، وہ کہتے ہیں کہ پیر کا دن ربیع الاول کے ابتدائی ایام میں یہ آٹھ ربیع الاول بنتا ہے، بارہ ربیع الاول نہیں بنتا یا تو یکم کو پیر تھا یا آٹھ ربیع الاول کو پیر تھا، اگلا پیر جو آئے گا ت و پندرہ کو آئے گا، بارہ کو کسی صورت میں بھی نہیں آتا، موٹا سا نکتہ ہے، آپ کے ذہن میں بیٹھ گئی بات، یعنی چودہ سو اٹھتر سال پہلے جو ربیع الاول تھا اپریل اور ربیع الاول اکٹھا تھا، جیسے آج بھی اگرچہ اپریل کے آخری ایام ہیں ربیع الاول کے ابتدائی ایام ہیں بہر حال آٹھ تاریخ آرہی ہے اس دفعہ جمعرات کو اور اپریل کی انتیس تاریخ ہوگی، تیس اپریل کو جمعہ ہے۔

تو آٹھ تاریخ انتیس اپریل گویا کہ اس مہینے میں اکٹھے ہورہے ہیں اور اس وقت آٹھ اپریل پیر کا دن، ''رحمت للعالمین'' میں بھی بیس اپریل کا ذکر کیا ہے، ربیع الاول کی آٹھ تاریخ بیس اپریل پیر کا دن یہ تاریخ اکٹھی ہوتی ہے اور بارہ ربیع الاول ہو اور پیر کا دن ہو وہ کہتے ہیں کہ یہ کسی حساب میں بھی نہیں آتی، اسلئے موجودہ تحقیق کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی تاریخ آٹھ ربیع الاول بنتی ہے بارہ نہیں بنتی، اگر پیر کے دن ہے تو پیر کے دن کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔

حضور ﷺ کی تاریخ وفات اور جدید تحقیق:

بالکل اسی طرح حضور ﷺ کی وفات وہ بھی لوگوں میں مشہور ہے کہ بارہ کو ہے اس لئے آپ کی وفات بھی بارہ کو ولادت بھی بارہ کو، عام طور پر مشہور یہی ہے لیکن اس کا بھی حساب اب لگایا گیا کہ سرور کائنات ﷺ نے حج کیا تھا نو ذی الحجہ کو جو حج کا دن ہے عرفہ کا دن یہ جمعہ کا دن تھا، یہ حدیث میں موجود ہے صحیح روایات میں موجود ہے کہ حج نو ذی الحجہ جمعہ کو کیا تھا، (بخاری ص ۱۱) اور وفات ہوئی آپ کی ربیع الاول میں اور یہ بھی حدیث میں موجود ہے کہ پیر کے دن ہوئی، (بخاری ص ۹۳ تا ۹۴) اب نو ذی الحجہ کو جمعہ

ہے تو ذی الحجہ کو آپ تیس کا لے لیجئے ، پھر محرم کو تیس کا لے لیجئے ، پھر صفر کو تیس کا لے لیجئے ، پھر ربیع الاول کو آگے چلائیں۔

یا ذی الحجہ کو انتیس کا لے لیں ، محرم کو انتیس کا لے لیں ، صفر کو انتیس کا لے لیں پھر آگے ربیع الاول کو چلائیں ، یا ایک کو انتیس کا دو کو تیس کا ، یا ایک کو تیس کا دو کو انتیس کا ، جتنے بھی عقلی احتمالات نکل سکتے ہیں سارے احتمال نکال کر آپ حساب لگائیں تو بارہ ربیع الاول کو سوموار نہیں بنتا ، یہ جب چاہیں آپ حساب لگالیں یعنی یوں سمجھو کہ مشاہدہ والی بات ہوگئی تو تاریخ بارہ ربیع الاول وفات کی بھی نہیں بنتی ، تاریخ بارہ ربیع الاول ولادت کی بھی نہیں بنتی۔

جدید اور قدیم تحقیق میں فرق کی وجہ:

اب یہ نہ سمجھ لیں کہیں آپ کو غلطی نہ لگ جائے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آنے والی جدید تحقیق نے پچھلی بات کو غلط ثابت کر دیا ، اور ہمارے اکابر کے وقوال غلط ثابت ہو گئے ایسی بات نہیں ہے ، اصل بات یہ ہے کہ گذشتہ زمانے میں تاریخ کی کوئی اہمیت ہے ہی نہیں تھی تاریخ کو کوئی اہمیت دیتا ہی نہیں تھا کہ کون کس تاریخ کو پیدا ہوا کون کس تاریخ کو اس دنیا سے رخصت ہوا ، کس تاریخ کو کیا ہوا اس کی اہمیت نہیں تھی ، اس لئے بچے کے پیدا ہوتے وقت نہ کوئی لکھتا تھا کہ تاریخ کیا ہے اور نہ اس کی شرعی حیثیت تھی ، کوئی اٹھارہ کو پیدا ہو جائے ، کوئی گیارہ کو پیدا ہو جائے ، کوئی دس کو پیدا ہو جائے ، اور کوئی دو کو پیدا ہو جائے یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ جس تاریخ میں چاہے پیدا کر دے ، اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد بھی نہ تو قرآن میں ، نہ حدیث میں ، نہ صحابہ کے تعامل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کی کوئی اہمیت کا ذکر نہیں نہ کسی خاص اعمال کا ذکر ہے کہ اس تاریخ کو یہ عمل کرنا چاہیئے یہ کرنا چاہیئے کوئی تذکرہ نہیں ہے ، آپ کے سامنے یہ بات پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہدایات دی گئی ہوں۔

کہ چونکہ میں فلاں تاریخ کو پیدا ہوا تھا اس لیے اس تاریخ میں تم یوں کیا کرو، فلاں مہینے میں میں پیدا ہوا تھا اس میں یوں کیا کرو،

- قرآن وحدیث اس معاملہ میں ساکت ہے،
- دور صحابہ اس بارے میں ساکت ہے،
- تابعین کا دور خاموش ہے،
- تبع تابعین کا دور خاموش ہے،
- فقہاء کا دور خاموش ہے،
- محدثین کا دور خاموش ہے،

کسی جگہ بھی یہ تذکرہ نہیں آتا کہ ربیع الاول کے مہینے میں یہ کیا کرو فلاں تاریخ کو یہ کیا کرو۔

مروجہ میلاد کب شروع ہوا:

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس تاریخ میں پیدا ہوئے تھے اس لیے شریعت نے کوئی تقاضہ کیا ہوا ہو کہ یہ کام کیا کرو پورا خیر القرون اس معاملہ میں خاموش ہے، اگر آپ کو کبھی مولانا عبدالستار تونسوی زید مجدہ کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہو، تو وہ کتاب کے حوالے سے دکھایا کرتے ہیں کہ یہ سات آٹھ سو سال بعد کسی ملک کے کسی بادشاہ نے یہ کھیل تماشا شروع کیا کہ اس تاریخ میں جمع ہو گئے کچھ کھا پی لیا، یہ کر لیا وہ کر لیا، اس طرح رسمیں بنا کرتی ہیں اور یہ رسم بھی تقریبا سات آٹھ سو سال بعد شروع ہوئی ہے، بہت معمولی۔

پاکستان میں مروجہ میلاد کی ابتداء:

لیکن اس زوردار طریقے سے جیسا کہ آج جاری ہے یہ آج سے تقریبا (۲۷) سال پہلے جب بھٹو کے خلاف ہل چلنے گا تحریک چلی تھی قومی اتحاد کی اس کے بعد یہ کچھ اہتمام شروع ہوا ہے۔ اس سے پہلے اکا دکا آدمی ایسے اکھٹے ہو کر شور شرابہ کر لیا کرتے تھے۔

لیکن اس کو قومی میلہ بنادیا قومی جشن بنادیا یہ ہمارے یہاں آنے کے بعد ہمارے سامنے کی باتیں ہیں، کیونکہ ۱۹۷۷ء میں بھٹو کی حکومت تھی، اس کے خلاف تحریک چلی ہوئی تھی، جلسے جلوس کرنے کی اجازت نہیں تھی، تو ربیع الاول کو بہانہ بنا کر قوم نے جلوس نکالا کہ یہ تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ولادت کا دن ہے۔

لہذا حکومت روکے گی نہیں اور وہ جلوس حکومت کے خلاف استعمال کیے گیے اس وقت سے پھر کچھ عادت سی بن گئی لوگوں کو اس تاریخ میں پھر وہ اہتمام کے ساتھ نکالنے لگ گئے یہ ہماری آنکھوں دیکھی بات ہے، اس سے پہلے ایسے دو چار آدمی اکھٹے ہو کر شور شرابہ کر لیتے تو کر لیتے تھے ورنہ اتنے اہتمام کے ساتھ نہیں، اب تو باقاعدہ حکومت کی سرپرستی میں شروع ہوگیا جیسے یہ بسنت کا میلہ دیکھتے دیکھتے شروع ہوگیا اب آپ دیکھتے ہیں کہ حکومت چھٹی کرتی ہے اور سارے عہدے دار اس میں شرکت کرتے ہیں یہ رسمیں دیکھتے دیکھتے بن جاتی ہیں۔

اب جیسے جیسے وقت گزرتا جائے گا لوگ کہیں گے یہ بہت پرانی بات ہے پرانی تو آپ لوگوں کے لیے ہوگی ہمارے تو سامنے ہوئی ہے، اب ہندوؤں کی رسم تھی اس پر اتنا اہتمام کیا کہ اب ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی پاکستانی وظائف میں سے ہے بسنت منائی جائے، پیلا رنگ اختیار کیا جائے، درودیوار پیلے، سب کچھ پیلا، پتنگ بازی اور کپڑے پیلے خالصتاً ہندوؤں کی رسم۔

لیکن ایسے ہے کہ پاکستانی ہونے کی حیثیت سے اس کو منانا ضروری ہوگیا، دیکھتے دیکھتے یہ رسم بن گئی اب لوگ اس کا اہتمام کرتے چلے جاتے ہیں، یہ تو حیثیت ہے اس تاریخ کی۔

اب بارہ تاریخ کا خلاف واقعہ ہو جانا تو یہ ہمارے بزرگوں کے لیے کوئی نقص کی بات نہیں ہے، کیونکہ ایسی چلتی پھرتی بات نقل کر دی جاتی ہے اس بارے میں نہ کسی نے تحقیق کی نہ تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئی نہ تاریخ کو اہمیت تھی کہ یہ شرعی فرض تھا کہ معلوم

کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس دن پیدا ہوئے یہ شرعی فرض تھا کہ ربیع الاول کے مہینے میں کون سا دن تھا، تاکہ اس میں کوئی اہتمام کیا جائے تو ایسے ہی ایک چلتی ہوئی بات تھی۔

اب تحقیق کے درجہ میں یہ بات آئی ہے تو تاریخ کے حساب سے یہ بارہ ربیع الاول کا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا نہیں بنتا، بات سمجھ گئے؟ اسی دلیل سے نہیں بنتا جو آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں کہ ربیع الاول پیر کا دن اس میں بارہ تاریخ نہیں آئی دو کتابوں کا میں نے حوالہ دے دیا اور ان دو کتابوں کے اندر تفصیل با حوالہ نقل کی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اور کتابوں میں بھی ہوگی چونکہ یہ میرے پاس موجود ہیں، اس لیے میں نے ان دو کتابوں کا تذکرہ کیا ہے، اس لیے بات یہ خلاف واقعہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے ہیں، بنیاد ہی ختم۔

طلوع فجر کے وقت اور سوموار کے دن میلاد کیوں نہیں مناتے؟

اگلی بات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، یہ بھی ان کتابوں میں مذکور ہے، طلوع فجر کے وقت پیر کے دن اگر معروف روایت لیتے ہو تو بارہ ربیع الاول ہی صحیح، ورنہ اگر محقق بات لیتے ہو آٹھ ربیع الاول یہ تین باتیں ہوگئیں۔

وقت طلوع فجر، دن پیر کا اور مہینہ ربیع الاول، یہ تین باتیں ٹھیک ہوگئی ہیں ذرا توجہ رکھو! اور بولتے جاؤ، تاکہ میں بھی آپ کے بولنے کیساتھ ہوشیار رہوں، ورنہ میری ہمت بھی جواب دے رہی ہے طلوع فجر کے وقت آپ کی ولادت ہوئی تو طلوع فجر کا وقت جو ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت یہ متبرک ہوگیا یا نہیں (؟) طلوع فجر کا وقت متبرک ہوگیا اور یہ کتنی دیر کے بعد آتا ہے (؟) چوبیس (۲۴) گھنٹے کے بعد ہر روز آتا ہے، تو کتنا اہتمام کرتے ہو اس وقت کا (؟) بہت اہتمام کرتے ہو اٹھ کے تسبیح لے کر بیٹھ جاتے ہو، درود شریف پڑھنے بیٹھ جاتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا وقت ہے، کبھی طلوع فجر کے

وقت میلاد شریف کا وقت رکھا ہے؟ اور ہر روز رکھنا چاہیئے کہ حضور ﷺ اس وقت پیدا ہوئے تھے، ٹھیک ہے؟ اور پیر کا دن کتنے دنوں کے بعد آتا ہے، ہفتہ میں ایک مرتبہ آجاتا ہے، تو پیر کے دن کو برکت حاصل ہو گئی حضور ﷺ کی ولادت کیساتھ، اگر ہو گئی ہے تو کتنا اہتمام کرتے ہو پیر کے دن کا؟

ہر پیر کو میلاد شریف پڑھا کرو،

- چھٹی کیا کرو،
- جھنڈیاں لگایا کرو،
- مٹھائی کھایا کرو،
- بازار میں اچھلا کرو،
- کودا کرو ہر سوموار کو،

تو پھر تو ہم کہیں کہ واقعی آپ کو حضور ﷺ کی ولادت کے دن سے بڑا تعلق ہے بڑی محبت ہے لیکن کبھی بھولے سے بھی کبھی کسی کو خیال نہیں آتا طلوع فجر کے وقت ساری قوم سوئی ہوئی ہوتی ہے کسی کو خیال نہیں آتا، ہر روز طلوع فجر کے وقت میلاد پڑھا کرو اور ہر سوموار کو چھٹی کیا کرو اور میلاد پڑھا کرو، اور بازاروں میں اچھلو کودو، کھاؤ پیوٴ، اگر یہ دونوں کام بالا اہتمام کرتے تو ہم کہتے کہ چلو ربیع الاول آگیا ہے تو تم اس میں زیادہ اچھل کود لو اچھلنے کودنے کی عادت جو ہفتہ وار آپ کو پڑی ہوئی ہے، وہ سالانہ بھی صبح طلوع فجر کے وقت تھوڑی سی ہو جایا کرے۔

اور سوموار کے دن اس سے کچھ زیادہ ہو جایا کرے، سال کے بعد ربیع الاول میں کچھ زیادہ ہو جایا کرے تو یہ دور چلتا رہے پھر تو ہم کہیں گے کہ واقعی آپ کو ولادت کا بڑا اہتمام ہے اور ولادت کے ساتھ وقت میں جو تبرک پیدا ہوا ہے اب آپ اس سے کما حقہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

میلاد منانے والو! محبت میں تھوڑا سا اضافہ اور کرو:

لیکن یہ کہاں کی عقل ہے کہ نہ تو ہر روز اس وقت کا اہتمام اور نہ ہر ہفتہ وار اس دن کا اہتمام، تو پھر سال کے بعد اس مہینے کے اہتمام کا کیا معنیٰ یہ کس دلیل سے تخصیص ہوگئی۔

یہ موٹی سی بات سمجھ میں آرہی ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ بھائی تم نے الاٹ کروالیا کہ تمہیں حضور ﷺ سے محبت بہت ہے ہم کہتے ہیں کہ تھوڑی سی اور کرو تمہیں بہت محبت ہے حضور ﷺ کیساتھ تم ربیع الاول بہت شوق سے مناتے ہو۔

ہم درخواست کرتے ہیں کہ تھوڑی سی محبت اور کرو کہ ربیع الاول کے ساتھ ساتھ ہر سوموار کو کرو اور ہر سوموار کے ساتھ ساتھ ہر صبح کو کرو تاکہ محبت کا کمال تو نمایاں ہو کیوں جی۔

اب سال بھر تو سوموار ہی سوموار آتے جاتے ہیں کوئی پوچھتا نہیں اور تین سو ساٹھ دن تو طلوع فجر بھی ہوتا ہے کوئی پوچھتا نہیں، یہ ربیع الاول کی کیا خصوصیت آگئی کہ ربیع الاول میں تو محبت یاد آتی ہے کہ اس مہینے میں حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے نہ دن کے ساتھ محبت ہے نہ وقت کے ساتھ ہے اس لیے ہماری درخواست یہ ہے کہ تھوڑا سا ذہن کھول کر محبت کا راستہ ذرا اور وسیع کردو، ذرا اور بڑھا دو۔

آپ ہمارے روکے ہوئے ربیع الاول میں نہیں رکتے ہم کہتے ہیں کہ رکنے کی ضرورت نہیں ہفتہ وار کرو، اور ہر روز کرو، پھر ہم کہیں گے کہ واقعی محبت کا باب مکمل ہوگیا، آپ کو واقعی اس وقت سے محبت ہے جب حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے اور اگر طلوع فجر کے وقت تو وہ برکت حاصل نہیں ہوئی کہ ہر روز اس کا اہتمام کیا جائے سوموار کے دن کو وہ برکت حاصل نہیں ہوئی کہ اس کا ہر ہفتہ وار اہتمام کیا جائے، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ مہینے کی تخصیص کی وجہ کیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد کھیل تماشہ نہیں اللہ کا دین پہنچانا ہے:

یہ تو ایک بہت موٹی سی بات کر رہا ہوں، کچھ سمجھ میں آ رہی ہے یہ، آپ کو یاد رہ جائے گی؟ روکو نہیں، روکنے سے تو کوئی رکے گا نہیں، ان کو کچھ اور زیادہ تیز رفتار کرو کہ سالانہ کی بجائے ہفتہ وار، اور ہفتہ وار کی بجائے ہر روز، روزانہ کرو تا کہ بالکل عشق جو ہے وہ اپنے کمال کو پہنچ جائے پھر ہم یقین کریں گے کہ واقعی آپ کا عشق صحیح ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدا ہونے سے جو وقت کو برکت حاصل ہوئی ہے آپ اس کا حق ادا کرتے ہیں اس لیے بیٹو! اس بات کو یاد رکھو! یہ سب ذہنی اختراعات ہیں نہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نبی کے ساتھ ایسا معاملہ کیا، نہ صحابہ کو اپنے متعلق کرنے کے لیے کہا، اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا ہے تو اپنا دین سمجھانے کے لیے بھیجا ہے، اپنا راستہ بتانے کیلئے بھیجا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جو ہوئی ہے کھیل تماشے کے لیے نہیں ہوئی کہ تم جلوس نکال لیا کرو بس حق ادا ہو گیا۔

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوشی مناتے ہیں:

آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج کل آپ کا ٹکراؤ جس قوم کے ساتھ ہے وہ ہیں یہودی، اور عیسائی پوری دنیا میں اس وقت یہود اور نصاریٰ کیساتھ آپ کی ٹکر ہے آپ کی پوری دنیا میں ٹکر جاری ہے یہود کو تو موسیٰ علیہ السلام کے متعلق پتا ہی نہیں کہ ان کی وفات کہاں ہوئی اور ان کی قبر کہاں ہے انہیں معلوم نہیں اور ان کا ہمیں طریقہ بھی نہیں معلوم۔

چونکہ ہمارے سامنے ان کا کوئی رسم اپنے نبی کی ولادت کے متعلق اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، ہوگی کوئی لیکن مجھے نہیں معلوم، لیکن عیسائیوں کا تو معلوم ہے کہ عیسائیوں کے خیال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت (۲۵) دسمبر کو ہے، (۲۵) دسمبر یہ ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت ہے اور ان کا سن عیسوی اس وقت سے چلتا ہے جو دو ہزار چار (۲۰۰۴) اب جاری ہے۔

گویا کہ ان کی ولادت کو دو ہزار چار سال ہو گئے ہیں، اب یہ آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمارے پڑھے لکھے جاہل سکولوں کالجوں والے یہ بھی دسمبر کا آخری ہفتہ چھٹی مناتے ہیں پتا ہے آپ کو کالجوں میں سکولوں میں دسمبر کے آخری ہفتے میں چھٹی ہوتی ہے کیا کہتے ہیں کہ بڑے دن کی چھٹیاں ہیں یہ سنا ہے آپ لوگوں نے نہیں سنا، تو اب دسمبر آئے گا تو دیکھ لیجئے گا ہو سکتا ہے کہ بعض کے کان میں یہ بات نہ آئی ہو۔

ہمارے سکولوں میں کالجوں میں دسمبر کے آخری ہفتے میں چھٹی ہوتی ہے کوئی پوچھے کہ کس چیز کی چھٹی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑے دن کی چھٹیاں ہیں وہ بڑا دن پتہ ہے کیا ہے؟ آپ ان کو یہ سمجھیں گے کہ وہ دن لمبے ہوتے ہیں نہیں، بلکہ وہ پورے سال میں سے سب سے چھوٹے دن ہوتے ہیں، پورے سال میں سے وقت کے لحاظ سے (۲۵) دسمبر سب سے چھوٹا دن ہوتا ہے، بات سمجھ رہے ہو کہ نہیں؟ جس طرح بڑا بڑا دن جو ہوگا یہ آگے آ رہا ہے، اپریل، مئی، جون غالباً (۲۳) جون کو یا (۲۲) جون کو سب سے بڑا دن ہوتا ہے، اس کے بعد پھر دن گھٹنا شروع ہو جاتے ہیں۔

اب آپ دیکھ رہے کہ دن بڑھ رہے ہیں، آخری آخری نکتہ جو آئے گا وہ جون کی (۲۲) تاریخ کو آئے گا وہ دن سارے سال میں سے بڑا ہوتا ہے اس کے بعد پھر دن گھٹنا شروع ہو جاتے ہیں، راتیں بڑھنی شروع ہو جاتی ہیں، اور دسمبر کا جو آخری ہفتہ ہے پورے سال میں سے سب سے چھوٹا دن جو ہے وہ (۲۵) دسمبر ہے اب وقت کے لحاظ سے تو سب سے چھوٹا ہے لیکن پڑھے لکھے جاہلوں کی زبان پر وہ بڑا دن ہے اور وہ بڑے دن کی چھٹی کرتے ہیں اصل بات یہ ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک وہ بڑا دن ہے عظمت کے لحاظ، سے وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اس دن پیدا ہوئے تھے، اور وہ تقریباً ایک ہفتہ کاروبار کی چھٹی کرتے ہیں اور کاروبار کی چھٹی کرنے کے بعد وہ اپنا بڑا دن مناتے ہیں، کیسے مناتے ہیں؟

پورا یورپ بدمعاشی کا اڈا بنا ہوا ہوتا ہے، جتنی شراب نوشی ان دنوں میں ہوتی ہے اتنی شراب نوشی آگے پیچھے نہیں ہوتی پورا ہفتہ وہ عیاشی میں گزارتے ہیں۔

یہ انہوں نے اپنے نبی کا دن منانے کا طریقہ رکھا ہوا ہے جس طرح یہ پیر جیون کوئی پیر گزرا ہے بس ہمیں تو اس کی تاریخ بھی نہیں معلوم، یہ بھی پتا نہیں اس کے مرنے پر میلہ لگاتے ہیں یا اس کے پیدا ہونے پر لگاتے ہیں، اور جو بدمعاشی ہوتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے جس طرح ان لوگوں نے پیروں کے دن منانا شروع کردیئے عیاشی کے ساتھ کہ چونکہ پیر پیدا ہوا تھا لہٰذا اب کے بدمعاشی کرو اس دن میلے دیکھو اور سرکیس دیکھو، اور جلیبیاں کھاؤ اور یہ کرو اور وہ کرو، یہ پیر کے پیدا ہونے کے دن کا تماشا ہے یا یہ وفات کے دن کا تماشہ ہے، یہ آپ کو پتا ہوگا مجھے تو معلوم نہیں۔

لیکن بہرحال یہ بزرگوں کے مرنے کے دن یا پیدا ہونے کا تماشا جیسے لوگوں نے بنالیا ان بدمعاشوں نے اپنے نبی کے پیدا ہونے کے دن کو بھی اسی طرح بدمعاشی کا ذریعہ بنایا ہوا ہے، پورا یورپ جہاں جہاں بھی حکومتیں عیسائیوں کی ہیں چھٹی کرتے ہیں۔

مروجہ میلاد عیسائیوں کی نقل ہے:

اور ہمارے ہاں بھی لوگوں کی زبان پر یہی ہے کہ بڑے دن کی چھٹیاں ہیں یہ اور یہ بڑا دن ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی وجہ سے، ورنہ وقت کے لحاظ سے سب سے چھوٹا دن ہے یہ جہالتیں ہیں جو اس طرح ہمارے اندر آئی ہوئی ہیں اور نادانستہ ہم اس میں مصروف ہیں وہ چونکہ اپنے نبی کا دن اس طرح مناتے ہیں۔

اچھلتے ہیں،

کودتے ہیں،

تماشا کرتے ہیں،

شرابیں پیتے ہیں،

سور کھاتے ہیں،

بدمعاشی کرتے ہیں،

تو ہم کیوں پیچھے رہیں،

ارے بات سمجھ رہے ہو کہ نہیں، اب ہم بھی اپنے نبی کے پیدا ہونے کا دن اگر نہیں منائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی ہمارے مقابلے میں اچھے ہیں وہ خوشیاں مناتے ہیں اپنے نبی کے پیدا ہونے پر اور ہم خوشیاں نہیں مناتے۔

ہم کہتے ہیں وہ تو بھٹک گئے انہوں نے تو غلط طریقے اختیار کر لیے، ہمارا نبی ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے لیکن وہ نبی اللہ نے بھیجا کیوں تھا؟ کس کام لیے بھیجا تھا؟ نبی آیا کیوں تھا؟ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں جو نبی بھی بھیجتا ہوں اس لیے بھیجتا ہوں تا کہ اس کی اطاعت کی جائے میرے حکم کے تحت "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" اس کی اطاعت کی جائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت، وہ مطاع بنا کر بھیجا جاتا ہے۔

اسوۃ حسنۃ کی وضاحت:

اور حضور ﷺ کے بارے میں قرآن کہتا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورۃ احزاب/۲۱) اللہ کے رسول میں تمہارے لیے ایک نمونہ موجود ہے تم زندگی گزارو اس نمونہ کے مطابق تو تمہاری اچھی زندگی ہے "اسوۃ حسنۃ" حضور ﷺ کی زندگی کو قرار دیا ہے اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک بات کی طرف آپ کو متوجہ کرتا ہوں باقی باتیں پھر ہوتی رہیں گی، نمونہ کا مطلب ہوتا ہے میں ایک کپڑے کا جوڑا سلوانا چاہتا ہوں درزی کو میں ایک پہلا سلا ہوا جوڑا دے دیتا ہوں کہ یہ میرا جوڑا ہے بطور نمونہ کے اور یہ کپڑا ہے تو نے اس نمونہ پر جوڑا بنانا ہے نمونہ کا یہی معنیٰ ہوتا ہے۔

اب اس کا فرض ہے اسکی لمبائی دیکھے، ویسی لمبائی بنائے وہ اس کی آستین دیکھے، اتنی اس کی آستین بنائے، یہ اس کے عرض کو دیکھے اتنا اس کو چوڑا بنائے اسی طرح کا اس کا گریبان بنائے، اگر وہ اس طرح کاٹ کے بناتا گیا تو ہم سمجھیں گے کہ واقعی درزی نے نمونہ کی رعایت رکھی ہے اور دوسری قمیص بالکل پہلے نمونہ پر آگئی، تو مجھے جیسے پہلی قمیص پسند تھی سلی ہوئی دوسری قمیص سلی ہوئی بھی مجھے پسند ہوگی۔

اور اگر میں دے آؤں نمونہ کے طور پر قمیص یہ قمیص میری اٹھارہ انچ لمبی ہے اور وہ بائیس انچ لمبی رکھ دیتا ہے اور میں جب جا کے دیکھتا ہوں تو میں کہتا ہوں بھائی تو نے زیادہ لمبی کردی میں نے تجھے جو نمونہ دیا تھا وہ تو اٹھارہ انچ کا تھا وہ کہتا ہے نہیں جی بائیس انچ لمبی زیادہ خوبصورت لگتی ہے، خوبصورت لگتی ہے سالے تجھے لگتی ہوگی مجھے تو خوبصورت نہیں لگتی مجھے تو اٹھارہ انچ کی خوبصورت لگتی ہے۔

تو وہ عقلی دلائل جتنے دے لے تو کیا وہ مطمئن ہو جائے گا اس بات پر؟ یہ چونکہ بائیس انچ کی درزی کو خوبصورت لگتی ہے لہذا یہ نمونہ کے مطابق ہے نمونہ خراب ہو گیا میں آستین یہاں تک رکھتا ہوں اور وہ یہاں تک لٹکا دے کہ لٹکتی ہوئی زیادہ اچھی لگتی ہے بہت خوبصورتی کے ساتھ کہتا ہے کہ جی بالکل آج فیشن ہے کہ آستین لمبی رکھی جاتی ہے بڑی خوبصورت لگتی ہے تو کیا میں مطمئن ہو جاؤں گا؟

میں اٹھا کر کپڑا سلا ہوا اس کے منہ پر ماروں گا میں کہوں گا میرا کپڑا مجھے لا دے میں کسی اور جگہ سے سلوا لیتا ہوں، تو میں نے تجھے نمونہ کس لیے دیا تھا اگر تو نے اپنی مرضی کے ساتھ ہی یہ قمیض بنانی تھی، جس نے نمونہ دیا پسند نہ پسند اس کے لیے وہ نمونہ ہے یہ موٹی سی بات آپ کو بتا رہا ہوں۔

اس میں کون سی بات ہے اب اللہ تعالیٰ کو زندگی کیسی پسند ہے کیسی پسند نہیں نمونہ

تمہیں دے دیا، یہ میرا نبی ہے یہ بطور نمونہ کے آگیا تو جو شخص اس نمونہ کے مطابق اپنی زندگی بنائے گا، جیسے میرا نبی مجھے محبوب ہے، وہ بھی مجھے محبوب ہو جائے گا۔

اور جو میرے محبوب کے نمونہ کے مطابق نہیں آئے گا چاہے وہ عقلی دلائل کے طور پر کتنا ہی اپنے آپ کو خوبصورت کیوں نہ ثابت کرنا چاہے لیکن مجھے نہیں پسند، تم داڑھی رگڑ کے کریم لگا چہرہ کر چمک دار بنالو، چہرہ اور شیشہ کی طرح چمک رہا ہو مجھے نہیں پسند میں تو کہتا ہوں چاہے میلا کچیلا چہرہ ہو لیکن میرے نبی جیسی سنت چہرہ پر ہو مجھے تو وہ اچھا لگتا ہے، تم اپنے طور پر جو چاہو کرلو جس نے نمونہ دیا ہے پسند اس کی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے نمونہ دے دیا ہے تو نمونہ یہی ہے اللہ تعالیٰ کو پسند یہی ہے کہ چہرہ کے اوپر میرے نبی جیسی داڑھی ہو مجھے اچھی لگے گی، آپ کہیں نہیں جی اس طرح آدمی جانگلی سا لگتا ہے، جوئیں پڑ جاتی ہیں اس میں ایسی الجھی ہوئی ہوتی ہے، استرا پھرا کر ایسی کریم استعمال کی جائے تو چہرہ بڑا چمک دار ہوتا ہے، ایسی گالیں چمکتی ہیں کہ اس میں چہرہ نظر آتا ہے انسان کو۔

لیکن لعنت ہے ایسے چہرہ پر جو نبی کے چہرہ سے نہیں ملتا وہی کپڑے ڈھیلے ڈھالے اللہ کو پسند ہیں جو نبی کے نمونہ کے مطابق ہیں، اللہ کی رحمت برسے گی اگر نمونہ کے مطابق ہیں، تم پینٹ کس کے چوتڑ ہلاتے ہوئے چلو الفصل بین چوتڑین بھی نمایاں ہو تو تم سمجھو گے کہ آدمی بڑا اچھا لگتا ہے چلتا پھرتا ہوا لیکن ہم تو اس شکل پر لعنت بھیجتے ہیں جو نمونہ کے مطابق نہیں ہے، ارے بات سمجھ رہے ہو کہ نہیں؟ نمونہ کا تو معنیٰ یہی ہوتا ہے کہ تمہیں یہ چیز دے دی تم نے ایسا بننا ہے ایسا بن کے آؤ گے تو "فاتبعونی یحبب کم اللہ" میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا تم اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے۔

کیونکہ یہ شکل، یہ صورت، یہ عمل، سب کچھ اللہ کو محبوب ہے جو اس کی نقل اتارے

گا اللہ کو محبوب ہو جائے گا قرآن کریم میں کتنے صاف لفظوں میں اعلان ہے لیکن میں آپ سے بات اگلی کرنا چاہتا ہوں۔

اعلان نبوت سے پہلے اطاعت کا مطالبہ نہیں:

سرور کائنات ﷺ نمونہ ہیں ہمارے لیے، رسول اطاعت کے لیے ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، آپ ﷺ پیدا کس دن ہوئے تھے؟ پیر کے دن، آپ میں سے کون کون پیر کے دن پیدا ہوا ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کے نمونہ کی رعایت رکھی ہو؟ رکھی کسی نے رعایت؟ آپ کے بس میں ہے؟ اب اگر کوئی چاہے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری اولاد حضور ﷺ کے نمونہ کے مطابق پیدا ہو لہذا سوموار کے دن پیدا ہونی چاہیے ہو جائے گا کوئی پیدا؟ حضور ﷺ کس وقت پیدا ہوئے تھے؟ طلوع فجر کے وقت۔

اب کسی کے اختیار میں ہے کہ اس وقت پیدا ہو جائے؟ حضور ﷺ نے دودھ کا زمانہ کہاں گزارا؟ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس یہ نمونہ اپنا سکتا ہے کوئی کہ آپ بھی اپنے بچوں کو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ آیا کرو، وہاں جنگل میں، یہ غیر اختیاری واقعات نمونہ نہیں ہوا کرتے، نمونہ ہوا کرتے ہیں اختیاری واقعات، حضور ﷺ کا شق صدر ہوا بچپن میں آپ اس نمونہ کو کیسے اپنا سکتے ہیں کہ آپ کا بھی شق صدر ہو جائے، جوانی میں ہوا شق صدر آپ کیا کریں گے، کیسے کریں گے شق صدر، آپ کے بس کی بات ہے؟ آپ ﷺ نے اتنی عمر تک بکریاں چرائیں اتنی عمر تک تجارت کی یہ کیا وہ کیا، یہ آپ کے اختیار میں نہیں نہ آپ سے ان چیزوں کو اپنانے کا مطالبہ ہے لہذا حضور ﷺ کی زندگی دو حصوں میں تقسیم ہوگی۔

ایک ہے ولادت سے لے کر چالیس سال تک کی زندگی یہ محمد بن عبداللہ کی زندگی ہے یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی نہیں ہے اس میں آپ اس کی نقل نہیں اتار سکتے نہ آپ سے مطالبہ ہے کہ تم ایسا بن کے دکھاؤ مکہ میں پیدا ہو کے دکھاؤ، اس محلے میں پیدا ہو کر دکھاؤ۔

آپ کے سامنے یہ ذکر کر دیا، باقی ربیع الاول کے متعلق کوئی شرعی حکم نہیں نہ کسی روزے کا نہ کچھ اور کرنے کا۔

احادیث میں فقہ میں، قرآن میں کوئی اس کے متعلق بات نہیں آتی، یہ سارے کے سارے قصے لوگوں نے خودساختہ بنائے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سنت کی اتباع کرنے کی توفیق دے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين